يُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ	
اللہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے ثابت کردے اور منکروں کی جڑ کاٹ دے	
لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۞	
تاکہ حق ثابت کردے اور باطل مٹادے	اور اگرچہ (اس سے) گنہگار ناخوش ہوں

کتاب شہادت

دوسرا مقدمہ

اس مقدمہ مین بڑی دلچسپ بحث اس امر کی ہو کہ آیا حضرت علی کی امامت قرآن مجید سے ثابت ہوتی ہو یا نہیں جن آیتوں سے شیعی علمار نے حضرت علی کی امامت پر استدلال کیا ہی ان کی تفسیر اس محققانہ پیرایہ میں کی گئی ہو کہ تمام باطل خیالات خاک میں مل گئے

مصنفہ

مرزا حیرت دہلوی

کرزن پریس دہلی

ذیقعدہ سنہ ١٣٣٠ھ سے یہ مقدمہ دوبارہ چھپنا شروع ہوا

ملنے کا پتہ - دفتر اخبار محمدی - دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسرا مقدمہ

کیا حضرت علی کی امامت قرآن مجید سے ثابت ہے،

یہ ایک مہتم بالشان مسئلہ ہے اور شیعی اور سنی اختلافات کی جڑ ہے اور جتنی باتیں بنائی جاتی ہیں وہ سب فروعات میں داخل ہیں اگر اس مسئلہ کا تصفیہ عالمانہ طور پر باقاعدہ ہوگیا تو پھر محض تخیل اور قیاسات اور حواشی رہ جائیں گے جن کا تصفیہ بہت آسان ہے۔

شیعی مذہب کا دارومدار بالکلیہ اسی تخیل پر ہے یعنے وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید سے حضرت علی کی امامت ثابت ہوتی ہے اور اپنے ثبوت میں قرآن مجید کی بہت سی آیتیں پیش کرتے ہیں اور اپنے قیاسی استدلال کی بنا انہیں آیتوں پر سمجھتے ہیں لہذا ہم اس عظیم الشان مسئلہ پر محققانہ، مورخانہ اور عالمانہ نظر ڈالیں گے ایسی با تفصیل بحث کرینگے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ ہوجائے اور پھر ایسا فیصلہ کریں گے جس میں دم زدن کا یارا نہوگا اور کسی ہندی یا ایرانی بڑے سے بڑے مجتہد کی مجال نہوگی کہ ہمارے فیصلہ پر آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔

اب ملاحظہ ہو شیعی علما سب سے پہلی یہ آیت قرآن مجید کی پیش کرتے ہیں انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ وھم راکعون یعنی اے مسلمانو!

تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اُس کا رسول اور وہ مسلمان جو خشوع کیساتھ نماز پڑھا کرتے ہیں اور رکوع کیحالت میں زکوۃ دیتے ہیں۔

شیعی علما کا بیان ہے کہ یہ آیت حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہو اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ علما رکا اسپر اجماع ہے بقول شیعی علمائے ثعلبی نے ابوذر سے روایت کی ہو وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ان دونوں کانوں سے سُنا ہے اگر نہ سنا ہو تو یہ دونوں بہرے ہوجائیں اور اپنی ان دونوں آنکھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اگر نہ دیکھا ہو تو یہ دونوں اندھی ہوجائیں آپ فرماتے تھے کہ علی سب نیکوں سے آگے چلنے والے اور سب کفار کو قتل کرنے والے ہیں پس جسنے علی کی مدد کی وہ منصور ہے اور جسنے انکا ساتھ چھوڑا وہ ذلیل ہے (پھر کہتے ہیں) ایک روز میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی تھی اسی اثنا میں ایک سائل نے مسجد میں سوال کیا تو اُسے کسی نے کچھ نہ دیا اُسنے آسمان کیطرف ہاتھ اُٹھا کر یہ التجا کی خداوندا تو گواہ رہیو کہ میں نے تیرے رسول کی مسجد میں سوال کیا لیکن مجھے کسی نے کچھ نہیں دیا علی اُسوقت رکوع میں تھے آپنے اپنی اُس چھنگلیا کی طرف جسمیں آپ انگوٹھی پہنے ہوئے تھے اُس فقیر کو اشارہ کیا فقیر نے آکر وہ انگوٹھی آپ کی چھنگلیا میں سے اُتار لی یہ واقعہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کا ہے جب رسول اللہ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے آسمان کی طرف سر اُٹھایا اور یہ فرمایا۔ اے خداوند عالم موسیٰ نے تجھسے یہ سوال کیا تھا رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری یعنی اے میرے پروردگار میرے سینہ کو میرے لیے کشادہ کردے۔ میرا کام میرے لیئے آسان کردے۔ میری زبان سے لکنت رفع کردے۔ تاکہ وہ لوگ میری بات کو سمجھ لیں اور میرے لیئے میرے لوگوں میں سے وزیر بنادے (یعنی) میرے بھائی ہارون کو اسکے ذریعہ سے میری قوت کو مضبوط کردے اور اُسے میرے کام میں شریک کردے۔ موسیٰ کی اس دعا کے جواب میں تو نے اُنکے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ سنشد عضدک باخیک ونجعل لکما سلطانا فلا یصلون الیکما بایاتنا۔

پس اے میرے معبود میں تیرا نبی محمد اور تیرا برگزیدہ بندہ ہوں میں بھی یہ التجا کرتا ہوں کہ میرے سینہ کو میرے لیے کشادہ کردے۔ میرے کام کو میرے لیئے آسان کردے اور میرے لئے میرے گھر کے

وگوں میں سے علی کو میرا وزیر بنائے اور اسکے ذریعہ سے میری کمر مضبوط کرے (بقول شیعی علما)
ابوذر کہتے ہیں ابھی حضرت نے اپنی یہ دعا ختم نہ کی تھی کہ حضرت پر اللہ کی طرف سے جبریل نازل
ہوئے اور کہا کہ اے محمد پڑھو۔ حضور نے ارشاد کیا کیا پڑھوں جبریل نے کہا یہ پڑھو
انما ولیکم اللہ ورسولہ الایہ۔

پھر شیعی علما کہتے ہیں کہ فقیہ ابن المغازی واسطی شافعی نے نقل کیا ہی کہ یہ آیت حضرت
علی کی شان میں نازل ہوئی۔ چونکہ ولی تصرف کرنے والے کو کہتے ہیں لہذا اس آیت میں حضرت
علی کے ولی یعنی متصرف ہونے کو ثابت کیا گیا ہے جیسا اللہ نے انہیں اپنے اور اپنے رسول کے
لیئے ثابت کیا ہے فقط شیعی علما، کا بیان ختم ہو گیا۔

جواب

اس کا جواب کئی طرح سے ہے ایک تو یہ کہ جو کچھ شیعی علما بیان کرتے ہیں اسمیں کوئی بات بھی ایسی
نہیں جو قطعی الدلالۃ تو ایک طرف ظن بھی پیدا کر سکے بلکہ شیعی علما کا سارا بیان بالکل غلط محض
لغو اور نرے دہوکے کی ٹٹی ہے اگر تھوڑی دیر کے لیئے یہ بھی فرض کر لیں کہ اس بیان سے گمان
پیدا ہو سکتا ہے تو پھر شیعی علما نے جو اس کا نام برہان رکھا ہے بالکل برعکس نہند نام زنگی کافور کا
مصداق ہوتا ہی کیونکہ قرآن مجید میں برہان کا لفظ اسپر بولا جاتا ہے جس سے علم الیقین کا فائدہ
حاصل ہو نہ کہ اس سے گمان ہونے کا فائدہ پیدا کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وقالوا
لن ید خل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاری تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین
اور فرمایا ہے۔ امن یبدء الخلق ثم یعیدہ ومن یرزقکم من السماء والارض ءالہ مع اللہ۔ قل
ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ ان آیتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہی کہ صادق پر برہان
ہونی ضروری ہی۔

شیعی علما، نے جسقدر حجتین ذکر کی ہیں اُن کی بنا کذب محض پر ہے کوئی حجت وہ ایسی بیان
نکر سکے جس کے تمام مقدمے سچے ہوں۔ یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ سچے مقدمے جھوٹی بات پر
کبھی قائم نہیں ہو سکتے۔ ایسی چیزوں کو شیعی علما کا برہان کہنا سخت باطل ہی۔

یہ بات زیادہ غور طلب ہے کہ قرآن مجید کی صدہا تفسیریں علماء نے کی ہیں مگر یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کسی مفسر کے قول پر بلا سند بھروسہ کر لیا جائے خواہ اُس کا تعلق کسی فریق سے کیوں نہ ہو۔ عموماً جہلا کو بہکانے کے لیے بعض ہوشیار آدمی کسی مفسر کا نام لے دیتے ہیں کہ فلاں تفسیر میں یہ لکھا ہوا ہے کبھی یہ محض بہتان ہی ہوتا ہے اور حقیقت میں اُس مفسر کا قول نہیں ہوتا اور اگر فی الواقع اُسی مفسر کا قول ہو تو وہ جبتک معتبر روایتوں سے ثابت نہ ہو محض مفسر کے قیاس یا رائے پر کبھی تکیہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کسی کے قول کی صداقت کا پتہ نہ لگے اور بہت سے مفسرین کے ایسے اقوال مل جائیں جنھوں نے اسکے خلاف بُرہانوں سے اپنا دعوے ثابت کیا ہو اور پھر دوسرا فریق اسی طرح سے اپنے دعوے کے ثبوت میں بُرہانیں پیش کرے ایسی حالت میں طرفین کی برہانوں میں تعارض ہو کے تناقض پیدا ہو جائیگا حالانکہ یہ مسلّم بات ہے کہ بُرہانیں آپس میں متناقض نہیں ہوا کرتیں یا مختصر طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ جھوٹی بُرہانیں کبھی تناقض سے خالی نہیں ہوتیں۔ مگر سچی بُرہانیں اس عیب سے پاک ہوتی ہیں۔ ہم جن بُرہانوں سے کام لینگے اُن میں کبھی تناقض نہیں ہونے کا انشاء اللہ اُن سے ثابت ہو جائیگا کہ شیعی علماء کی برہانیں کیسی جھوٹی اور غلط ہیں اور انکا صریحی غلط ہونا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا جائے گا۔

یاد رکھو جو برہانیں حضور انور۔ قرآن مجید اور دین اسلام کے حق ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ شیعی علماء کی برہانوں کے بالکل متناقض ہیں کیونکہ اُن کی برہانوں کے لوازم پر جب ایک بالغ نظر غور کرے گا تو اُسے ایمان قرآن اور رسول تینوں میں قادح اور خلاف پائیگا۔

شیعی علمائے متقدمین جنھوں نے نہایت عجیب و غریب طریقہ سے اس مذہب کو ایجاد کیا ہو اس بات پر مجبور ہوئے کہ ایسی حدیثیں ایجاد کر لیں کہ جو اُن کے مدعا کی موید ہوں چاہے دین اسلام پر اُن سے اعتراض اور طعن ہی وارد ہوتا ہو جب اُنھوں نے ایسی حدیثوں کو ایجاد کیا اور وہ ساختہ پرداختہ حدیثیں عامہ خلایق کے آگے پیش ہوئیں تو انہیں سے جو جاہل مطلق اور خواہش نفسانی کے تابع تھے اُنھوں نے آنکھیں بند کر کے اُن گھڑی ہوئی حدیثوں کو تسلیم کر لیا مگر اُن کی حقیقت پر ذرا غور نہ کیا۔ بعض ایسے تھے جو کچھ سمجھ رکھتے تھے اُنھوں نے کچھ غور کیا تو اُنھیں یہ عقیدہ کھل گیا کہ یہ یاروں کی گپ شپ ہے اصلیت سے اسے کچھ تعلق نہیں

اب ان جھوٹی حدیثوں کی اشاعت سے اسلام پر چاروں طرف سے حملے ہونے لگے حملہ کرنے والے وہ لوگ تھے جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے یا تو اس وجہ سے اُنھوں نے حملہ کیا کہ پہلے ہی سے اُن کا عقیدہ ٹھیک نہ تھا یا ممکن ہے کہ اُنھوں نے ان حدیثوں میں سے بعض کو صحیح سمجھ لیا ہو۔ غرض زندقہ کا دروازہ ان جھوٹی حدیثوں کے ذریعہ سے کھولدیا گیا اور لوگ اُس میں داخل ہونے لگے۔ یہ وہ زندیق ہیں جو خود شیعوں میں سے پیدا ہو گئے۔ مثلاً اسماعیلیہ اور نصیریہ انہیں شیعی مذہب کی شاخیں سمجھنا چاہیئے۔ یہ زہریلے گروہ جن کا الحاد اور زندقہ حد سے تجاوز کر چکا تھا محض ان جھوٹی حدیثوں کی وجہ کر پیدا ہوئے۔ ان ازلی بدنصیبوں کی گمراہی کی اصل وجہ یہی ہوئی کہ اُنھوں نے شیعی علمار متقدمین کی ان جھوٹی باتوں کی تصدیق کر لی جو اُنھوں نے قرآن اور حدیث کی تفسیر میں ذکر کی ہیں۔ ایک زندہ دل اور با مذاق شخص یہ صورت معائنہ کر کے فوراً یہ کہہ اُٹھے گا کہ رفض کفر اور الحاد کا سب سے بڑا دروازہ اور اُس کی سب سے بڑی دہلیز ہے۔

قرآن مجید کی جو آیت اوپر لکھی گئی ہے اور جس سے شیعی علما حضرت علی کی امامت ثابت کرتے ہیں خاص اس معاملہ میں بالکل خاموش ہے اسمیں نہ کوئی لفظ ایسا ہے نہ کوئی کنایہ یا اشارہ ایسا ہے جس سے وہم بھی اس بات کا ہو سکے کہ یہ آیت حضرت علی کی امامت پر دلالت کرتی ہے ہاں جس روایت سے کہ اسے سہارا دیا گیا ہے اسپر ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ وہ سچائی کا مادہ اپنے میں کہاں تک رکھتی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہم اس روایت کی صحت چاہتے ہیں بڑی کوششوں کے بعد بھی ہم اسکی صحت نہ تلاش کر سکے۔ اس روایت کو محض ثعلبیؔ کی تفسیر کی طرف منسوب کر دینا یا اسپر ایسے لوگوں کا اجماع نقل کرنا جو منقولات سے واقف نہوں حجت نہیں ہو سکتا۔ اسپر کل علمار کا اتفاق ہے مسلمان علما ایسی حدیثوں سے نہ کوئی حکم ثابت کرتے ہیں نہ کسی کی فضیلت نہ اور کوئی بات غالباً شیعی علمار بھی اس سے انکار نہیں کرتے کے تو اب باتفاق دونوں فریق کے محض ایسی حدیث جسپر ان لوگوں کا اجماع نہو جو اس فن میں معرفت رکھتے ہیں حجت نہیں ہو سکتی۔ پھر اُس سے حجت لانا آپ سے آپ باطل ہو جائے گا۔

جو روایتیں شیعی علمانے نقل کی ہیں اور اُنہیں ابو نعیم ثعلبی۔ نقاش یا ابن المغازی وغیرہ کی

طرف منسوب کر دیا ہے وہ حجت میں پیش نہیں ہو سکتیں کیونکہ اُنھیں حجت میں پیش کرنا باطل محض ہے۔

اَب اجماع کی حقیقت سُنیئے جیساکہ شیعی علما نے دعویٰ کیا ہے کہ مسبوق الذکر آیت پر کل علما کا اجماع ہے کہ یہ حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یہ دعوے کل جھوٹے دعووں کا سرتاج ہے کیونکہ اس کے خلاف تمام علماے بانقل کا اسپر اجماع ہے کہ خاص حضرت علی کے حق میں یہ ہرگز نازل نہیں ہوئی اور یہ بات کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتی کہ نماز میں حضرت علی نے اپنی انگوٹھی فقیر کو دی۔ کل محدثین کا اس انگوٹھی کی کہانی کے غلط ہونے پر اجماع ہے انگوٹھی کا قصہ درحقیقت چانڈو خانہ کی گپ اور قہوہ خانہ کی داستان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

اَب رہے میاں ثعلبی جنکی تفسیر میں یہ روایت ہے اور جنھیں شیعی علمانے پیش کیا ہے اُنکی نسبت سنیئے تمام محدث متفق اللفظ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ثعلبی اس بات کا عادی ہے کہ بہت سی موضوع حدیثیں نقل کرے اور اِس عادت کا غلو اُسے یہاں تک ہو گیا ہے کہ وہ ہر سورت کے شروع میں اُسی سورۃ کی فضیلت میں ابوامامہ سے ایک حدیث نقل کر دیتا ہے۔

علمانے اس ثعلبی کا نام حاطب اللیل رکھا ہے۔ حاطب اللیل اس شخص کو کہتے ہیں جو اندھیری رات میں لکڑیاں چُنے اور لکڑیوں کے ساتھ جو چیز اناپ شناپ اُسکے ہاتھ کے نیچے آئے وہ اُسے لکڑیاں سمجھ کے اپنی چادر میں باندھ لے۔ تاریکی میں اُسے خبر نہیں ہوتی کہ میں لکڑیاں چُن رہا ہوں یا کوئی اور چیز۔ یہی حال اُسکے شاگرد واحدی کا ہے وہ حضرت بھی بالکل اپنے استاد کے قدم بقدم چلے ہیں۔ ان کے علاوہ قرآن مجید کے اور مفسروں کی تفسیروں میں صحیح اور ضعیف دونوں طرح کی حدیثیں ملتی ہیں۔ امام بغوی حدیث میں پوری معرفت رکھتے تھے اسی لیئے اُنھوں نے اپنی تفسیر میں اُن موضوع حدیثوں میں سے جو ثعلبی نے روایت کی ہیں کوئی حدیث نقل نہیں کی اور نہ بدعتیوں کی تفسیروں کو مس کیا یہی وجہ ہے کہ بغوی کی تفسیر ثعلبی کی تفسیر سے چھوٹی اور مختصر ہے ثعلبی ذاتی طور پر دیندار اور نیک شخص تھا لیکن اُسے حدیثوں میں صحیح اور سقیم ہونے کی بالکل پہچان نہیں تھی۔ اُسکے ایسے صدہا اقوال موجود ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اُسے سنت اور بدعت کی بھی تمیز نہیں تھی۔

ان کے علاوہ بڑے بڑے مفسر جیسے محمد بن جریر طبری۔ بقی بن مخلد۔ ابن ابی حاتم۔ ابن المنذر عبدالرحمن بن ابراہیم دحیم موضوع حدیثوں کو کبھی ذکر نہیں کرتے چہ جائے کہ اُن سے بھی بڑے عالم مثلاً امام احمد بن حنبل۔ اسحاق بن راہویہ۔ کبھی ایسی موضوعات کے پاس کیوں کر جاتے نہ ابن حمید اور عبدالرزاق کے ہاں ایسی حدیثیں مذکور ہیں باوجودیکہ عبدالرزاق کا میلان تشیع کی طرف صاف پایا جاتا ہے۔ عبدالرزاق نے جتنی حدیثیں حضرت علی رضؓ کے فضائل میں روایت کی ہیں وہ ضعیف تو ضرور ہیں لیکن صریح جھوٹ اور موضوع نہیں ہیں۔ علمائے محدثین اسپر متفق ہیں کہ اُس حدیث سے استدلال کرنا ہرگز جائز نہیں ہے جسے ثعلبی۔ نقاش اور واحدی جیسے لوگوں میں سے کوئی آدمی روایت کرتا ہو۔ ان کے ساتھ اور بھی مفسرین ہیں کیونکہ ان کا عام قاعدہ یہ ہے کہ یہ اپنے قیاس کو قوی بنانے کے لئے نہ ضعیف حدیث کو چھوڑتے ہیں نہ موضوع کو جب ہمیں یہ بات تحقیق ہو جائے کہ محض جھوٹ ہے تو ہم پھر کس طرح کسی کا نام سُنکر اُسپر تکیہ کر لیں۔ کتنی دلیری اور بے باکی ہے کہ شیعی علمار یہ کہتے ہیں کہ اسپر سب کا اجماع ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

کاش یہ اجماع شیعی علمار نہ نقل کرتے اور وہی لوگ نقل کرتے کہ جو ایسے امور میں اجماع کرنے کو جانتے ہیں کیونکہ ان اُمور میں اجماع نقل کرنا سوائے اہل علم بالمنقولات کے اور کسی کا مقبول نہیں ہوتا۔ اسکو اچھی طرح سمجھ لو کہ خواہ متکلمین میں سے ہو یا مفسرین اور مورخین میں سے ہو غرض کوئی بھی ہو بلا سند محض نقل کا دعوے کرنے سے اسپر کسی طرح بھی اعتماد نہیں ہو سکتا۔ پھر اجماع کا دعوے تو اس سے بہت دُور ہے اِسپر بھلا کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے۔

دو وجہیں تو آپ نے اوپر سُن لیں اَب تیسری وجہ سُنئے۔ وہ مفسرین جن کی کتابوں سے شیعی علمار نے اپنے تخیل کی سند پیش کی ہے اُن ہی علمار نے اس آیت کی ایسی تفسیر کی ہے جو شیعوں کے اجماع سے بالکل متناقض اور خلاف ہے۔ مثلاً ثعلبی جسے نہایت ہی فخر کے ساتھ شیعی علمار نے پیش کیا ہے اس آیت کی تفسیر میں یہ نقل کرتا ہے کہ ابن عباس کہتے تھے کہ یہ آیت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی ہے پھر عبدالملک سے منقول ہے

وہ کہتے ہیں میں نے اس آیت کی بابت **ابو جعفر** سے پوچھا تھا تو اُنھوں نے فرمایا اس سے سارے مسلمان مراد ہیں میں نے کہا لوگ تو فقط حضرت **علی** کو کہتے ہیں فرمایا علی بھی تو مسلمانوں ہی میں ہیں۔ ایسا ہی **ضحاک** سے منقول ہے۔

پھر **ابن ابی حاتم** نے اپنی تفسیر میں اپنے باپ سے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ اس آیت کے بارے میں ابن عباس یہ فرماتے تھے جو شخص ایمان لے آیا بس اللہ اور اللہ کا رسول اور سب مسلمان اسکے ولی ہو گئے۔ پھر کہتے ہیں کہ ہم سے ابو سعید اشج نے بیان کیا اُنھوں نے محاربی سے اُنھوں نے عبد الملک بن ابی سلیمان سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے اس آیت کی بابت ابو جعفر محمد بن علی سے پوچھا تو اُنھوں نے فرمایا اس سے سارے مسلمان مراد ہیں میں نے کہا گیا یہ علیؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی فرمایا علی کی کوئی خصوصیت نہیں علی بھی مسلمانوں میں سے ہیں۔ پھر **سدی** سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہم شیعی علمار سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس اجماع کو جس کا وہ دعوی کر رہے ہیں صحیح سند کے ساتھ ثابت کر دیں جو استاد ثعلبی کی اُنھوں نے پیش کی ہیں وہ ضعیف ہیں اس میں بہت سے راوی متہم ہیں۔ باقی **ابن المغازی واسطی** کا تو کچھ کہنا ہی نہیں یہ ضعیف روایتوں کے بیان کرنے والوں کا سرتاج ہے نہ صرف ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کی بھرمار کر دیتا ہے اس کی کتاب اس بات کی شاہد ہے۔ حدیث کے فن میں جسے کچھ بھی واقفیت ہوگی وہ اس بات کو سمجھ لیگا کہ ابن المغازی واسطی جھوٹ بولنے میں کم لوگوں کو اپنا مساوی رکھتا ہے۔ محض ناممکن ہے اور بالکل ناممکن ہے کہ شیعی علمار اس اجماع کی کوئی سند پیش کر سکیں لہذا اُن کے اجماع کا دعویٰ بھی بالکل غلط ثابت ہوا اور مونہ کے بل زمین پر آ پڑا۔

پانچویں وجہ۔ سوال یہ ہے کہ آیت سے یہ مراد ہے کہ زکوۃ رکوع کی حالت میں دیجائے جیسا کہ شیعی علمار کا قول ہے کہ حضرت **علی**ؓ نے اپنی انگوٹھی نماز میں فقیر کو دیدی تھی اگر ہم اسے تسلیم کر لیں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ایسی خیرات موالاۃ میں شرط ہو۔ اور یہ کہ سوائے اکیلے حضرت علی کے اور کوئی مسلمان ولی نہ ہو۔ بس اس صورت میں حسنؓ حسینؓ اور تمام بنی ہاشم میں کوئی شخص ولی نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ بات کل مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے

چھٹی وجہ۔ آیت میں اللہ کا قول الذین جمع کا صیغہ ہے یہ اکیلے حضرت علیؓ پر ہرگز صادق نہیں آسکتا۔

ساتویں وجہ۔ اچھی طرح جان لیجے کہ انسان کی تعریف اللہ نے انہیں افعال پر کی ہے جو اسکی نظر میں محمود اور پسندیدہ ہیں اور وہ افعال یا واجب ہیں یا مستحب اور اسپر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ صدقہ دینا۔ آزاد کرنا۔ ہدیہ دینا۔ ہبہ کرنا۔ اجارہ کرنا۔ نکاح کرنا وغیرہ اس قسم کی باتیں نماز میں نہ مستحب ہیں نہ واجب بلکہ مسلمانوں میں سے اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ نماز میں ایسے افعال کرنے نماز کو باطل کر دیتے ہیں اگرچہ ان کے کرنے والے نے کوئی لفظ منہ سے نہ نکالا ہو بلکہ ایسے اشارہ سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے جو کسی سے کسی کام کے لئے کہا جائے۔

سنئے علماء کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ چونکہ یہ افعال خلاف شریعت ہیں (یعنی نماز میں ایسی بیک حرکات کرنا) اس لئے ایسی حالت میں جو چیز کسیکو دیجائے وہ کسی کی ملک کبھی قرار نہیں پاسکتی۔

ایک معمولی عقل کا آدمی بھی اسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اگر اس طرح خیرات کرنا مستحب ہوتا تو حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ایسا کرتے اور اپنے صحابہ کو بھی ایسا کرنے کی ہدایت فرماتے حالانکہ کسی صحابی نے ایسا نہیں کیا صرف انگوٹھی کی ایک کہانی جو حضرت علی کے ساتھ منسوب دی گئی ہے صدہا برس سے گشت لگا رہی ہے اس کے سوا اور کوئی کہانی اس قسم کی خیرات کے متعلق حضرت علی کی نسبت شیعی کتب میں ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتی۔

اب غور کرو جب یہ فعل نہ واجب میں داخل ہے نہ اس کا شمار مستحب میں ہے تو نماز میں ایسا صدقہ کرنا اعمال صالحہ میں سے نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ وہ دی ہوئی چیز فقیر کی ملک بھی نہیں بن سکتی اس کے بعد بھی اگر وہ فقیر اس چیز میں جو اسکی ملک نہیں ہے تصرف کرے تو وہ بدنصیب اس تصرف بیجا سے نہ دین کا رہا نہ دنیا کا رہا تو پھر ایسی خیرات کو سلام ہے کہ کمبخت خیرات لینے والا برباد ہو جائے۔

آٹھویں وجہ۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ فعل نماز میں جائز ہے تو پھر رکوع کی خصوصیت کیونکر ہو سکتی ہے کیونکہ رکوع سے قیام اور قعود میں ایسا کرنا اولی اور افضل ہوگا تعجب ہے کہ ایک ناسمجھ بچہ بھی یہ کبھی تسلیم نہیں کرنے کا کہ ولی وہی لوگ ہیں جو رکوع میں صدقہ دیتے ہوں

حالانکہ شیعی علمار اسی پر جان دے دیتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے رکوع میں صدقہ نہ دیا اور قیام یا قعود کی حالت میں صدقہ دیدیا تو سوال یہ ہو کہ کیا وہ اس موالاۃ کا مستحق نہ ہوگا؟

اب اگر کوئی شیعہ یہ کہے کہ اس فعل سے خدا کا تو مقصود یہ تھا کہ علی کی تعریف کیجائے تو اس کا جواب یہ ہو کہ علی رض کے وہ اوصاف جن سے اُن کی تعریف کی جاتی ہو کیا کم ہیں کہ ایک کہانی گھڑکے اسپر اُن کی تعریف کا مدار رکھا گیا۔ یہ کہانی محض بے اصل ہو اور سوائے چند گھڑنے والوں کے اور کسی نے اپنے کانوں سے اس کہانی کو نہیں سُنا نہ وہ مسلمانوں کی معتبر کتابوں میں سے کسی کتاب میں ہو نہ صحاح میں ہو نہ سنن میں نہ جوامع میں۔ نہ معجمات میں۔ اصل یہ ہو کہ یہاں ان دو امور میں سے ایک امر ضرور لازم آتا ہو یعنے اگر اس سے مقصود کسی وصف پر تعریف کرنی ہو تو یہ بھی باطل ہو اور اگر اس سے فقط تعریف ہی مقصود ہے تو یہ بھی باطل ہے۔

نویں وجہ شیعی علمار کے قول کے مطابق اللہ کا یؤتون الزکوۃ وھم راکعون فرمانا یہ چاہتا ہو کہ وہ شخص رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرنے والا ہو یعنے زکوٰۃ اسکے ذمہ لازم ہو حالانکہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت علی اس حیثیت کے آدمی نہ تھے کہ اُن پر زکوٰۃ واجب ہوتی کیونکہ وہ اسوقت نہایت تنگ دست اور بہت مفلس تھے۔ یہ بھی سُن لو کہ چاندی کی زکوٰۃ اُسی آدمی پر واجب ہوتی ہو جو پورے ایک سال تک (۱) مقدار نصاب کا مالک رہا ہو۔ مگر حضرت علی ان لوگوں میں سے ہرگز نہیں تھے۔

دسویں وجہ۔ زکوٰۃ میں ایک انگوٹھی دیدینا اکثر فقہا کے نزدیک کافی نہیں ہوسکتا جبتک زکوٰۃ زیور میں ہونی فرض نہ مان لیجائے۔ بعض کی صرف یہ رائے ہو کہ زکوٰۃ میں زیور بھی دیسکتے ہیں مگر اس زکاتی زیور کی قیمت ضرور پہلے مقرر کر لیجائے۔ مگر نماز میں قیمت مقرر کرنی مشکل ہے۔

گیارھویں وجہ۔ یہ آیت بمنزلہ اس آیت کے ہو واقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ واركعوا مع الراکعین اس میں یہ واو یا حالیہ ہو یا عطف کا ہے مگر اکثر عطف ہی کا ہوتا ہے اور ایسے خطاب میں یہی معروف بھی ہو۔ شیعی علمار کا مطلب اسوقت بن سکتا ہو جب یہ واو حالیہ ہو۔ مگر ہم

دعوے سے کہتے ہیں کہ شیعی علما کے پاس اس واو کے خاص حالیہ ہونے کی کچھ دلیل نہیں ہے جب کوئی دلیل نہ ہوئی تو یہ حجت آپ سے آپ باطل ہوگئی ۔

بارھویں وجہ ۔ اہل تفسیر کے نزدیک سلف سے لیکے خلف تک یہ معلوم اور مشہور ہے کہ یہ آیت کفار کا ساتھ دینے سے منع کرنے اور مسلمانوں کا ساتھ دینے کا حکم ہونیکی بابت نازل ہوئی ہے کیونکہ بعض منافقین جیسے **عبداللہ بن ابی** وغیرہ یہودیوں کا ساتھ دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم پریشانیوں اور مصیبتوں سے ڈرتے ہیں ۔ اسپر ایک مسلمان یعنے **عبادہ بن صامت** نے یہ کہا کہ میں تو اللہ کا اور اللہ کے رسول کا ساتھ دیتا ہوں اور ان کفار سے اور اُن کا ساتھ دینے سے صاف انکار کرتا ہوں یہی وجہ ہوئی کہ جب اُنکے پاس بنی قینقاع کا قافلہ آیا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اس میں عموماً مسلمانوں کے موالاۃ کے واجب ہونے کو بیان کردیا اور عموماً کفار کی موالاۃ سے منع کردیا اسکے علاوہ صحابہ اور تابعین کے اقوال پہلے بیان ہوچکے ہیں کہ یہ آیت عام ہے ۔

تیرھویں وجہ ۔ اس کے عام ہونے پر سیاق کلام بھی دلالت کرتا ہے ۔ ہاں غور و تدبر کرنے کی بے شک ضرورت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم ۔ ان اللہ لا یھدی القوم الظٰلمین یعنے اے ایمان والوں یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ (باہم) ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو بے شک وہ انھیں میں سے ہوگا (اور) اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا ۔ پھر فرمایا فتری الذین فی قلوبھم مرض یسارعون فیھم یقولون نخشیٰ ان تصیبنا دائرۃ فعسی اللہ ان یاتی بالفتح او امر من عندہٖ فیصبحوا علیٰ ما اسروا فی انفسھم نادمین ویقول الذین اٰمنوا اھٰؤلاء الذین اقسموا باللہ جھد ایمانھم انھم لمعکم حبطت اعمالھم فاصبحوا خاسرین ۔ یعنی پس (اے نبی) جن لوگوں کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے انہیں کو تم دیکھوگے کہ ان (کی محبت کرنے) میں جلدی کرتے ہیں (اور اسکی وجہ یہ) کہتے ہیں کہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کوئی مُصیبت ہمیں (نہ) پہنچ جائے پس عنقریب اللہ فتح لائے گا یا اور کوئی (خوشی کی) بات اپنی طرف سے (ظاہر فرمائیگا

پس یہ لوگ اس (برے خیال) پر جسے اُنھوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہی پشیمان ہوں گے اور مسلمان (تعجب سے) کہیں گے کہ کیا یہی لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کی سخت (سخت) قسمیں کھائی تھیں (اس امر پر) کہ وہ بے شک تمہارے ساتھ ہیں اُنکے تمام اعمال ضائع ہوجائیں گے اور یہ (سخت) نقصان اُٹھائیں گے یہ ان لوگوں کی تعریف ہی جن کے دلوں میں مرض ہی جو کفار کا ساتھ دیتے ہیں اور اُن سے دوستی رکھتے ہیں جیسے منافقین۔ پھر فرمایا۔

یاایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علے المومنین اعزۃ علے الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاءُ وَاللہ واسع علیم۔ یعنی اے ایمان والو جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو (ظہور میں) لائے گا جنہیں خدا دوست رکھتا ہو اور وہ اُسے دوست رکھتے ہیں مسلمانوں سے تواضع کرنے والے اور کافروں پر سختی کرنے والے ہوں گے اللہ کی راہ میں جہاد کرینگے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہی وہ جسے چاہتا ہی دیتا ہے اور اللہ وسعت والا دانا ہے۔ اس آیت میں مرتدوں کا بیان کیا گیا ہی اور یہ کہ وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرسکتے۔ پھر فرمایا۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون۔ یعنی (اے مسلمانو!) تمہارا دوست تو صرف اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ مسلمان جو خشوع سے نماز پڑھا کرتے اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور جو کوئی اللہ اور اُسکے رسول اور مسلمانوں سے دوستی کرے گا تو (وہ اللہ کے گروہ میں داخل ہوگا اور) بیشک اللہ ہی کا گروہ غالب (رہتا) ہے۔ ان آیتوں میں اُن لوگوں کا حال ہی جو اسلام میں داخل ہوگئے خواہ وہ منافق ہوں یا اس سے مرتد ہوگئے ہوں اور پھر اُن مومنین کا حال بھی اسمیں درج ہی جو ظاہر و باطن اسلام پر ثابت قدم رہے ہیں یہ طرز بیان جمع کے لفظ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے سب کو شامل ہونے پر یقین کو واجب کرتا ہی کوئی شخص کسی طرح بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ یہ آیت ان سب مومنین کے حق میں ہی جنمیں یہ مذکورہ صفات ہوں اسمیں کسی ایک معین شخص کی تخصیص ہرگز نہیں ہی نہ

ابوبکر و عمر کی نہ عثمان و علی کی نہ اور کسی کی۔ ہاں یہ بات ہم مانتے ہیں کہ یہ لوگ ساری امت سے زیادہ اس میں داخل ہونیکا حق رکھتے ہیں۔

چودھویں وجہ شیعی علمار نے جو حدیث پیش کی ہے اسکے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان عظیم اٹھایا گیا ہی کیونکہ حضرت علی سب نیکوں کے پیشرو ہرگز نہیں ہیں بلکہ اس امت کے پیشرو حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نہ حضرت علی سارے کفار کو قتل کرنے والے ہیں۔ ہاں اُنھوں نے اگر بعض کفار کو قتل کیا بھی تو انہیں کی خصوصیت کیا ہے اوروں نے ان سے بھی زیادہ کفار کی گردن ماری ہی۔ ایسا ہی یہ کہنا کہ جسنے علی کی مدد کی وہ منصور ہی اور جسنے انہیں چھوڑ دیا وہ ذلیل ہے۔ نہ صرف لغو اور بیہودہ ہی بلکہ واقع اور نفس الامر کے بالکل خلاف ہی۔ تمام شیعی علمار کا یہ دعوی کہ عثمان کے قتل ہونے تک علی کو ساری امت نے چھوڑ رکھا اور یہ بات روز روشن کی طرح سب کو معلوم ہی اور آنکھوں سے دکھائی دے رہی ہی کہ خلفائے ثلثہ کے زمانہ میں امت مرحومہ جیسی فتحیاب رہی اس کے بعد اس مرحوم امت کو حضرت علی کے زمانہ میں ایسی فتحمندی نصیب نہیں ہوئی۔

اب سمجھو تو سہی کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسا بہتان اٹھایا گیا ہی کہ آپ کی طرف ایسے کذب صریح کو نسبت دی گئی ہی۔

اب سُنئے جب عثمان شہید ہوگئے تو مسلمانوں کے تین حصے ہوگئے ایک حصہ تو وہ تھا جسنے حضرت علی کی مدد کی اور ان کے ساتھ ہوئے اُن کے دشمنوں سے قتال کیا دوسرا مسلمانوں کا وہ حصہ تھا جس نے حضرت علی رض سے قتال کیا تیسرا وہ حصہ تھا جو نہ ادہر تھا نہ اُدھر تھا یعنی نہ حضرت علی رض کے ساتھ تھا نہ اُن کے دشمنوں کیساتھ۔ تو جس جماعت نے علی کیساتھ ہو کر قتال کیا تھا وہ اخیر کی دو جماعتوں پر کبھی فتحمند نہیں ہوئی نہ کبھی کفار پر غالب آئی جب امیر معاویہ کے ہاتھ میں حکومت کی باگیں آئیں تو علی کے ساتھ والوں پر اُن کی ہمیشہ فتحمندی رہی حتی کہ انہیں کی حکومت ہوگئی اس کے بعد غیر اسلامی سلطنتوں سے جب امیر معاویہ کی لڑائی ہوئی تو ان پر بھی امیر معاویہ ہی غالب رہے اور بہت سے شہر اُن کے قبضہ میں آ گئے ہاں حضرت علی کا منصور و فاتح ہونا خوارج کی چند بے سری جماعتوں پر محدود رہا اور یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں خصوصًا اُن صحابہ کے

مقابلہ میں جنھوں نے کفار اور مرتدوں سے قتال کیا جن کے منصور ہونے کا چانہ بہت ہی بڑا تھا۔
اب سنیئے انگوٹھی صدقہ دینے پر جو وعا حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شیعی علمانے نقل کی ہو وہ بھی صریحی کذب ہی کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ صحابہ عین ضرورت کے وقت راہ خدا میں اسقدر مال خرچ کرتے تھے کہ جو خاندان اور مقدار میں ایک فقیر کو انگوٹھی دینے سے بدرجہا زیادہ ہوتا تھا صیح میں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا ما نفعنی مال کمال ابی بکر ان امن الناس علی فی صحبتہ وذات یدہ ابوبکر ولو کنت متخذا من اھل الارض خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا یعنی جیسا کہ ابوبکر کے مال نے مجھے فائدہ دیا ہو ایسا اور کسی کے مال نے مجھے فائدہ نہیں دیا بیشک میرا ساتھ دینے میں اور مال خرچ کرنے میں سب سے زیادہ مجھپر ابوبکر کا احسان ہو اور اگر میں زمین پر رہنے والوں میں سے کیکو دوست بناتا تو ابکر ہی کو دوست بناتا۔
غزوہ عسرہ میں عثمان غنی نے ایک ہزار اونٹ راہ خدا میں دے دئے تھے اسپر حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اسقدر خوش ہوئے تھے کہ آپ کی مبارک زبان سے بے ساختہ یہ نکل گیا کہ آج کے دن کے بعد عثمان کا کچھ کرنا انہیں ضرر نہ دے گا۔
اسے کون کم عقل سے کم عقل شخص بھی انکار کر سکتا ہو کہ دین اسلام کے بڑھانے میں خرچ کرنا خصوصًا اسوقت کہ جب اسلام اپنی شیر خواری کی حالت میں تھا ایک محتاج کو صدقہ دینے سے بدرجہا بڑھا ہوا نہیں ہو اس لئے حضور انور نے یہ فرمایا تھا لا تسبوا اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو انفق احدکم مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ یعنی میرے صحابہ کو کبھی برا نہ کہنا قسم ہو اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہو کہ اگر تم میں سے کوئی احد (پہاڑ) کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو یہ ان کے ایک مد بلکہ نصف مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ حدیث صحیحین میں موجود ہو اور پہلے بھی کسی بحث میں ہم درج کر چکے ہیں۔
پھر دیکھو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہو لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ۔ یعنی (اے مسلمانو! تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور جہاد کیا ہو اس کا مرتبہ بہ نسبت اس شخص کے جسنے فتح مکہ کے بعد ان کاموں کو کیا ہو بہت بڑھا ہوا ہی یعنی غبا

مرتبہ کے وہی لوگ بہت بڑے ہیں ان لوگوں سے جنھوں سنے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جهاد نہ کیا (ان میں) ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے دین خدا کی اشاعت میں نہایت فیاضی سے خرچ کرنا اور اسکے مقابل میں محض ایک سائل کے سوال کا پورا کرنا جو کچھ امتیاز رکھتا ہو وہ ایک سمجھدار بچہ سے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

آپ دیکھئے اور سمجھئے اور غور کیجیے کہ جب حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایسے اہم کاموں میں خرچ کرنے پر کبھی ایسی دعا نہیں کی تو پھر ایک فقیر کو ایک انگوٹھی دیدینے کی وجہ سے ایسی دعا کیونکر کر سکتے تھے۔ کیونکہ فقیر کے سوال میں صدق اور کذب دونوں ہیں اسکے سوال کا پورا کردینا بہت ہی ایک معمولی بات ہے جو روزمرہ مشاہدہ میں آتی ہے۔ اسکے علاوہ ہجرت اور نصرت ہونے کے بعد خاص مدینہ منورہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیونکر دعا کر سکتے تھے واجعل لی وزیرا من اھلی علیا اشدد بہ ظہری حالانکہ اسوقت تو اللہ نے نہ صرف مسلمانوں کی مدد سے بلکہ اپنی مدد سے آپ کو اعزاز بخشا تھا جیسا کہ فرمایا ہے ھوالذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔ پس جب کفار نے حضور کو وطن سے بے وطن کردیا اسوقت اللہ نے آپ کی مدد کی تو آپ کے ساتھ صرف ابوبکر تھے اور تیسرا اللہ تھا اسی طرح جب بدر کے دن حضور کے لیے خیمہ قایم کیا گیا اسمیں بھی سوائے ابوبکر کے اور کوئی صحابی آپ کے ساتھ نہ تھا۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا اور یہ ہم مانتے ہیں کہ حضور کی مدد کرنے میں ہر ایک صحابی کی کوشش لایق شکر اور قابل جزا ہے مگر آپ کی مدد کرنے میں حضرت علی رض کی کوئی خصوصیت نہیں آپ کی تمام مبارک زندگی میں کوئی بھی ایسا موقع نہیں ملتا جہاں حضور انور کو صرف اکیلے حضرت علی ہی کی ضرورت ہوئی ہو نہ ہاتھ کی نہ زبان کی۔ جو لوگ کہ حضور انور پر ایمان لائے تھے کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ حضرت علی کی دعوت اسلام کا طفیل تھا۔ نہیں ہرگز نہیں کبھی نہیں کل بنی اسرائیل ہارون سے بہت محبت رکھتے تھے اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ سے بہت ڈرتے تھے حالانکہ شیعی علما متفق اللفظ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علی سے سب مسلمان بغض رکھتے تھے اور اسی بغض کی وجہ سے اُنھوں نے

حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی پھر بھلا عقل کیونکر باور کر سکتی ہے کہ موسیٰ کو جس طرح ہارون کی ضرورت تھی اسی طرح حضور انور کو علی کی ضرورت ہو۔

اور ملاحظہ فرمایئے ابو بکر صدیق وہ جلیل القدر صحابی ہیں جن کے ہاتھ پر عشرہ مبشر میں سے پانچ یا چھ آدمی مسلمان ہوئے تھے یعنے عثمان۔ طلحہ۔ زبیر۔ عبد الرحمٰن بن عوف اور ابو عبیدہ اسکے مقابلہ میں کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی اور حضرت عثمان وغیرہ کے ہاتھ پر بھی سابقین اولین مہاجرین اور انصار میں سے کوئی مسلمان ہوا ہو۔

ابو بکر صدیق کے علاوہ مصعب بن عمیر کو جنہیں حضور انور نے مدینہ منورہ بھیجا تھا اور اُن کے ہاتھ پر بڑے بڑے روسار انصار مسلمان ہو گئے جیسے سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر وغیرہ۔

صدیق اکبر کی برابری فی الحقیقت کوئی صحابی نہیں کر سکتا جب حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حج کرنے جاتے تو صدیق اکبر آپ کے ضرور ہمراہ ہوتے اور حضور کے ساتھ مشرکین کو اسلام کی دعوت دینے میں بے انتہا جد وجہد کرتے اسی لئے صحیح حدیث میں آیا ہے حضور انور فرماتے ہیں لو کنت متخذا من اھل الارض خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا

پھر ملاحظہ کیجئے کہ موسیٰ نے کفار کو رسالت کی تبلیغ کرنے سے پہلے خداوند تعالیٰ سے یہ التجا کی تھی کہ ہارون کو میرا اس معاملہ میں مددگار بنا دیو مگر برخلاف اسکے جب محمد عربی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہوئی تو آپ نے تن تنہا اسلام کا وعظ فرمایا یا بالفاظ دیگر رسالت کی تبلیغ کی اور اس معاملہ میں آپ کسی کی بھی امداد کے خواستگار نہیں ہوئے تمام روئے زمین کے باشندے اسپر متفق ہیں کہ آپ کی اس تبلیغ رسالت پر سب سے پہلے جو آپ پر ایمان لائے وہ چار آدمی ہیں مردوں میں ابو بکر صدیق عورتوں میں خدیجۃ الکبریٰ بچوں میں علی اور غلاموں میں زید اور اسپر بھی سب کا اتفاق ہے کہ تمام لوگوں کو اس دعوت میں سب سے زیادہ نفع پہونچانے والے اول ابو بکرؓ ہیں پھر خدیجہ کیونکہ مرد آزاد بالغ ابو بکرؓ ہی تھے جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے۔ قریشوں میں آپ کی بہت بڑی عزت تھی اور آپ ہی تھے جنہوں نے اپنی جان اور مال سے سب سے زیادہ حضور پر احسان کیا اسپر بھی حضور نے کبھی خداوند تعالے سے

یہ دعا نہیں مانگی کہ میری قوت کو فلاں شخص کی مدد سے مضبوط کرے نہ کبھی آپ ابوبکر سے متمنی ہوئے نہ کسی اور سے بلکہ آپ کا غیر معمولی توکل آپ کا عجیب و غریب صبر اور آپ کی بے ہمتا اطاعت آپکو اپنے ارادہ پر قایم کئے ہوئے تھی خداوند تعالی نے آپ کو یہ حکم دیا تھا قم فانذر وربک فکبر وثیابک فطهر والرجز فاهجر ولا تمنن تستکثر ولربک فاصبر فرمایا فاعبده وتوکل علیه اسکے خلاف جو شخص یہ دعوی کرے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی کہ ایک خاص آدمی کیساتھ میری قوت کو مضبوط کرے تو اسنے بے شک اور لا ریب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بڑا بہتان اُٹھایا اور آپ کی کسر شان کی ہم ایسے شخصکو نہ صرف ازلی بدنصیب بلکہ روحانی نجات ابدی سے محروم سمجھتے ہیں۔

شیعی علما کی دوسری برہان

شیعی علمار کہتے ہیں کہ خداوند تعالی نے قرآن مجید میں یہ فرمایا ہی یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته یعنی اے رسول جو کچھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھاری طرف نازل کیا گیا ہی اُسے تم (ان لوگوں تک) پہنچادو اور اگر ایسا نہ کروگے تو تم نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا (شیعی علمار کہتے ہیں کہ) یہ آیت حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہی اور اسپر سب کا اتفاق ہے اور جمہور میں سے حافظ ابونعیم نے سند کے ساتھ عطیہ سے روایت کی ہی وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی (پھر شیعی علمار کہتے ہیں) تفسیر ثعلبی میں یہ لکھا ہی کہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ اے محمد جو کچھ تمہارے طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے علی کی فضیلت میں نازل کیا گیا ہے تو اُسے تم لوگوں تک پہنچادو جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کا ہاتھ پکڑا اور یہ فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ یعنے جسکا میں مولا (آقا) ہوں اُس کا علی بھی مولی ہی۔ (شیعی علمار اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر اور باقی سب صحابہ کے بالاجماع مولے ہیں پس ان سب کے علی بھی مولی ہیں اور جب یہ مولے ہوگئے تو پھر

ان کے امام برحق ہونے میں کیا کلام رہا۔

تفسیر ثعلبی میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خم میں سے تو آپ نے لوگوں کو پکارا اور آپ کی پکار پر سب جمع ہو گئے اسوقت آپ نے علی کا ہاتھ پکڑا اور یہ فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ جوں ہی یہ الفاظ رسول اللہؐ کے مونھ سے نکلے اس کی شہرت ہو گئی حارث بن نعمان فہری نے بھی یہ بات سُنی تو وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ ہوئے جب الابطح میں آئے تو اونٹنی سے اُترے تو اونٹنی کے دونوں گھٹنے باندھ دئے اور خود رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے جہاں آپ بہت سے صحابہ کے بیچ میں تشریف رکھتے تھے حارث نے عرض کیا اے محمدؐ تم نے اللہ کی طرف سے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیں اور اس بات کی بھی شہادت دیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں آپ کا یہ فرمانا ہم نے بدل و جان قبول کر لیا پھر آپ نے ہمیں پانچ نمازوں کے پڑھنے کا حکم دیا تو ہم نے یہ بھی تسلیم کر لیا پھر زکوٰۃ کا حکم ہوا تو ہم نے یہ بھی قبول کر لیا پھر ہمیں ایک مہینہ کے روزے رکھنے کا حکم دیا تو ہم نے یہ بھی اپنے سر آنکھوں پر رکھ لیا پھر ہمیں بیت اللہ کے حج کرنے کا حکم دیا اسپر بھی ہم نے سر تسلیم خم کر لیا آپ نے اسپر بھی بس نہیں کی بلکہ اپنے چچا کے بیٹے کو اسقدر بڑھایا کہ ہم سے افضل ٹھیرا دیا اور اسکی عظمت میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ یہ کہدیا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ اب یہ تو فرمایئے کہ یہ آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے ہے (شیعی علماء کہتے ہیں) رسول اللہ نے فرمایا قسم ہے اس اللہ کی جسکے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ اللہ ہی کا حکم ہے۔ حارث یہ سنتے ہی اپنی اونٹنی کی طرف یہ کہتا ہوا چلدیا اے خداوند عالم اگر تیری طرف سے یہی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہمیں کوئی بڑا اور دکھ دینے والا عذاب دے حارث اپنی اونٹنی تک نہ پہونچنے پایا تھا کہ آسمان سے اسپر پتھر برسائے گئے ایک پتھر اُسکے سر پر پڑا اور پیٹ میں ہو کر نکل گیا اور وہ وہیں مرا کا مرا رہ گیا اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی سأل سائل بعذاب واقع للکافرین لیس لہ دافع من اللہ یہ روایت نقاش نے بھی اپنی تفسیر میں علماء جمہور سے نقل کی ہے۔ فقط

جواب

یہ دعا نہیں مانگی کہ میری قوت کو فلاں شخص کی مدد سے مضبوط کرے نہ کبھی آپ ابوبکر سے متمنی ہوئے نہ کسی اور سے بلکہ آپ کا غیر معمولی توکل آپ کا عجیب و غریب صبر اور آپ کی بے ہمتا اطاعت آپکو اپنے ارادہ پر قایم کئے ہوئے تھی خداوند تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا تھا قم فانذر وربک فکبر وثیابک فطھر والرجز فاھجر ولا تمنن تستکثر ولربک فاصبر فرمایا فاعبدہ وتوکل علیہ اسکے خلاف جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی کہ ایک خاص آدمی کیساتھ میری قوت کو مضبوط کرے تو اُسنے بے شک اور لا ریب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بڑا بہتان اُٹھایا اور آپکی کسر شان کی ہم ایسے شخصکو نہ صرف ازلی بدنصیب بلکہ روحانی نجات ابدی سے محروم سمجھتے ہیں۔

شیعی علما کی دوسری برہان

شیعی علماء کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ فرمایا ہے یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ یعنی اے رسول جو کچھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھاری طرف نازل کیا گیا ہے تم (ان لوگوں تک) پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کرو گے تو تم نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا (شیعی علماء کہتے ہیں کہ) یہ آیت حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اسپر سب کا اتفاق ہے اور جمہور میں سے حافظ ابونعیم نے سند کے ساتھ عطیہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی (پھر شیعی علماء کہتے ہیں) تفسیر ثعلبی میں یہ لکھا ہے کہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ اے محمد جو کچھ تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے علی کی فضیلت میں نازل کیا گیا ہے تو اُسے تم لوگوں تک پہنچا دو جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کا ہاتھ پکڑا اور یہ فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ یعنے جسکا میں مولا (آقا) ہوں اُس کا علی بھی مولی ہے۔ (شیعی علماء اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر اور باقی سب صحابہ کے بالاجماع مولے ہیں پس ان سب کے علی بھی مولی ہیں اور جب یہ مولے ہوگئے تو پھر

ان کے امام برحق ہونے میں کیا کلام رہا۔

تفسیر ثعلبی میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خم میں تھے تو آپ نے لوگوں کو پکارا اور آپ کی پکار پر سب جمع ہوگئے اسوقت آپ نے علی کا ہاتھ پکڑا اور یہ فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ جوں ہی یہ الفاظ رسول اللہ ؐ کے مونھ سے نکلے اس کی شہرت ہوگئی حارث بن نعمان فہری نے بھی یہ بات سُنی تو وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہوکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ ہوئے جب الابطح میں آئے تو اونٹنی سے اُترے تو اونٹنی کے دونوں گھٹنے باندھ دئے اور خود رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہاں آپ بہت سے صحابہ کے بیچ میں تشریف رکھتے تھے حارث نے عرض کیا اے محمدؐ تم نے اللہ کی طرف سے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم لا الہ الا اللہ کی شہادت دیں اور اس بات کی بھی شہادت دیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں آپ کا یہ فرمانا ہم نے بدل و جان قبول کرلیا پھر آپ نے ہمیں پانچ نمازوں کے پڑہنے کا حکم دیا تو ہم نے یہ بھی تسلیم کرلیا پھر زکوٰۃ کا حکم ہوا تو ہم نے یہ بھی قبول کرلیا پھر ہمیں ایک مہینہ کے روزے رکھنے کا حکم دیا تو ہم نے یہ بھی اپنے سر آنکھوں پر رکھ لیا پھر ہمیں بیت اللہ کے حج کرنے کا حکم دیا اسپر بھی ہم نے سر تسلیم خم کرلیا آپ نے اسپر بھی بس نہیں کی بلکہ اپنے چچا کے بیٹے کو اسقدر بڑھایا کہ ہم سے افضل ٹھیرا دیا اور اسکی عظمت میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ یہ کہدیا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ اب یہ تو فرمایئے کہ یہ آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے ہے (شیعی علما رکھتے ہیں) رسول اللہ نے فرمایا قسم ہے اس اللہ کی جسکے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ اللہ ہی کا حکم ہے۔ حارث یہ سنتے ہی اپنی اونٹنی کی طرف یہ کہتا ہوا چلدیا اے خداوند عالم اگر تیری طرف سے یہی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہمیں کوئی بڑا اور دکھ دینے والا عذاب دے حارث اپنی اونٹنی تک نہ پہونچنے پایا تھا کہ آسمان سے اسپر پتھر برسائے گئے ایک پتھر اُسکے سر پر پڑا اور پیٹ میں ہوکر نکل گیا اور وہ وہیں مر کا مرا رہ گیا اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی سأل سائل بعذاب واقع للکافرین لیس لہ دافع من اللہ یہ روایت نقاش نے بھی اپنی تفسیر میں علمائے جمہور سے نقل کی ہے۔ فقط

جواب

شیعی علمار کا یہ سارا بیان سراسر غلط اول درجہ کا جھوٹ اور بناوٹی اور انتہا درجہ پر از بہتان ہے جسکی تفصیل آگے آئے گی۔ اور پھر اس آیت کو یہ سمجھنا کہ یہ حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہے اور نہایت بے باکی سے یہ دعویٰ کرنا کہ اسپر سب کا اتفاق ہے یہ واقعات پر ایک ایسی ڈاکہ زنی ہے جسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ حلیہ میں یا خلفائے کے فضائل میں جو کچھ ابو نعیم نے روایت کیا ہے اور اُس کے علاوہ نقاش ثعلبی اور واحدی نے جو کچھ اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے تمام محدثین کا اسپر اتفاق ہے کہ ان کی تفسیروں میں موضوع روایتیں بھری ہوئی ہیں اور ساتھ ہی اس پر بھی اتفاق ہے کہ یہ مذکورہ حدیث جو ثعلبی نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے یقیناً اور بلا شک موضوعات میں سے ہے اور ہم ایسے دلائل سے اس طرح ثابت کریں گے کہ ہر شخص جو کچھ بھی سمجھ رکھتا ہے اسبات کو مان لے گا کہ قطعی یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے اور یقیناً اس حدیث سے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی اطہر و اقدس ذات پر بہتان عظیم باندھا گیا ہے۔

اسے بھی اچھی طرح سے سمجھ لو کہ منقولات میں سچی روایتیں بھی ہوتی ہیں اور جھوٹی بھی مگر سچی اور جھوٹی روایت کو پرکھنے کے لیے سوائے علم حدیث کے اور کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا جیسا کہ عرب کی نحو اور غیر عرب کی نحو میں فرق معلوم کرنے کے لیے ہم نحاۃ یعنے نحویوں کو ذریعہ بنایا کرتے ہیں اسی طرح جو بحث لغت کے متعلق آئے آئیں ہم اہل لغت کی طرف رجوع کرتے ہیں اسی طرح اشعار کے متعلق شاعروں سے دریافت کیا جاتا ہے اور طب کے متعلق طبیبوں سے غرض یہ ہے کہ ہر علم کے لیے خاص ایک جماعت ہوتی ہے جو اس علم کی اہل ہوتی ہے اور اسکی معرفت رکھتی ہے۔ اسی طرح جب کسی حدیث کے سچا اور جھوٹا ہونیکو پرکھیں گے تو اس کا ذریعہ علم حدیث کو بنائیں گے۔ مثلاً احادیث کے ماہر امام مالک۔ شعبہ۔ سفیان۔ یحیٰی بن سعید عبدالرحمٰن بن مہدی۔ ابن المبارک وکیع شافعی۔ احمد۔ اسحاق بن راہویہ۔ ابو عبید۔ ابن معین۔ ابن المدینی۔ بخاری مسلم۔ ابو داؤد۔ ابو زرعہ۔ ابو حاتم۔ نسائی۔ عجلی۔ ابو احمد بن عدی۔ ابو حامد البستی۔ دار قطنی اور ان جیسے اور بہت سے علمار ہیں جن کا اسوقت شمار نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ ان میں جرح اور تعدیل کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے مگر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے فضلنا بعضہم علے بعض خداوند تعالیٰ نے پہلے ہی فرمادیا ہے۔

حدیثوں کے نقل کرنے میں ان علمانے بہت سی کتابیں تصنیف کیں لیکن خواہ وہ چھوٹی

ہوں یا بڑی جیسے ابن سعد کے طبقات بخاری کی تاریخیں امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین وغیرہ کی کتابیں ہیں۔ حدیث کی کتابیں کچھ تو بطور مسانید کے تصنیف کی گئی ہیں اور ان میں وہی حدیثیں بیان ہوئی ہیں جنہیں راویوں نے حضور انور سے اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جیسے امام احمد، ابو داود طیالسی، ابوبکر بن ابی شیبہ محمد بن ابی عمر والعدنی، احمد بن منیع ابو یعلی الموصلی، ابوبکر بزار بصری، وغیرہ کی مسندیں ہیں اور کچھ کتابیں بطور ابواب کے تصنیف کی گئی ہیں۔ بعض نے صرف صحیح حدیثوں کا انتخاب کیا ہے مثلاً بخاری، مسلم وغیرہ۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث کا علم مذہبی علوم میں سب سے بڑھا ہوا ہے اور اسمیں کچھ بھی شک نہیں کہ شیعی علما اس علم میں ایک حد تک بالکل کورے ہیں۔ خوارج کا علم حدیث شیعی علما سے کہیں زیادہ ہے وہ کبھی جان بوجھ کے جھوٹ نہیں بولتے اپنے خیال میں جب تک وہ ایک بات کو سچ نہ سمجھ لیں گے کبھی مونھ سے نہ نکالیں گے رہے معتزلہ اُن میں جھوٹے سچے دونوں ہوتے ہیں مگر اُن کی توجہ حدیث کی طرف نہیں ہے۔ اب رہے بدعتی یہ لوگ اپنے اس طریقہ پر چلتے ہیں جسے اُنھوں نے خود ہی ایجاد کیا ہے اور وہ حدیث کا ذکر نہیں کرتے بلکہ اپنے اصول کے آگے بعض اوقات قرآن مجید کی آیت کی بھی پروا نہیں کرتے۔ شیعی علماء کو اول تو حدیث میں معرفت اتنی کم ہے کہ بالکل صفر کی طرح ہے اسکے علاوہ اُن کی بے توجہی یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ نہ اسناد میں نظر کرتے ہیں اور نہ ادلہ شرعیہ اور عقلیہ میں کہ آیا یہ اسکے موافق ہیں یا مخالف۔ اسی وجہ سے ان میں صحیح متصل اسناد کہیں نہیں ملتیں بلکہ اسناد کا سلسلہ صرف انہیں کے شخص پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اسلیئے اُنکی روایت میں سراسر جھوٹ اور بہتان بھرا ہوا ہوتا ہے جس گروہ میں اسناد کا سلسلہ ہی نہو وہ کیونکر اپنی نقل کردہ روایت کو صحیح ثابت کر سکتا ہے۔ یاد رکھو اسناد کا ہونا امت مرحومہ کے خصائص میں داخل ہے اور اسی میں اسلام کی بہت بڑی خصوصیت ہے مگر شیعی علما بالکل اس طرف آج تک متوجہ نہیں ہوئے کیونکہ وہ انہیں حدیثوں کو سچا سمجھتے ہیں جو اُن کی خواہشوں کے موافق ہوں اور جو اُن کی خواہش کے خلاف ہے اُن کے نزدیک بس یہی وجہ اس روایت کے غلط ہونے کی ہے۔ سچ ہے عبدالرحمان بن مہدی کا قول آب زر سے لکھنے کے قابل ہے جو کہتا ہے کہ اہل علم موافق اور مخالف

حدیثوں کو نقل کرتے اور لکھتے ہیں مگر اہل ہوا انھیں کو نقل کرتے اور لکھتے ہیں جو ان کے موافق ہوں
اب شیعی علماء سے ہمارا یہ سوال ہو کہ جب وہ بار بار ابو نعیم۔ ثعلبی اور نقاش کو پیش کرتے ہیں
تو آیا وہ ان کی کل روایتوں کو مانتے ہیں یا سب ہی سے انکار کرتے ہیں یا ان کی جو روایتیں
اپنے موافق ہیں اُنھیں کو مانتے ہیں اور جو موافق نہیں ہیں اُنھیں نہیں مانتے اور اگر ان علماء کی
سب روایتوں کو مانتے ہیں تو ان کی بہت سی ایسی روایتیں بھی ہیں جو نہ صرف حضرت علی
بلکہ ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق اور عثمان غنی کے فضائل میں ہیں اور وہ آپ کے
مفروضہ مذہبی اصول کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ ابو نعیم نے حلیہ کے شروع میں صحابہ کے
فضائل میں بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں جنکا بڑا حصہ ابوبکر۔ عمر اور عثمان کے مناقب
میں ہو جنمیں بعض صحیح ہیں بعض ضعیف ہیں بعض منکر ہیں۔ ابو نعیم وغیرہ آنکھ بند کر کے صحیح و ضعیف
کل روایتیں نقل کر دیتے ہیں اور صحیح و غیر صحیح کی مطلق تمیز نہیں کرتے ان کی مثال بالکل
اُس مفسر کی سی ہو جو اندھا دھند اپنی تفسیر میں لوگوں کے اقوال نقل کیا کرتا ہو یا اُس فقیہ کی سی
ہو جو فقہ میں مختلف اقوال ذکر کر دیتا ہو یا اُس مصنف کی سی ہو جو اور لوگوں کی دلیلیں بیان
کرتا ہو اگرچہ اُنمیں سے اکثر امور کے صحیح ہونے کا خود معتقد نہیں ہوتا کیونکہ وہ یہ کہہ کے اپنا
پہلو بچا لیتا ہو کہ ہمنے تو دوسروں کے قول نقل کر دیے ہیں ہماری اسمیں ذمہ داری نہیں ہو۔
اسی طرح فضائل عبادات اور فضائل اوقات وغیرہ میں بہت سی تصنیفات ہیں جن میں
ان کے مصنفین نے بکثرت حدیثیں ضعیف بلکہ باتفاق اہل علم کے موضوع نقل کر دی ہیں جیساکہ
رجب کے روزوں اور فضائل عاشورہ وغیرہ میں ایسی بہت سی حدیثیں ملتی ہیں خدا
جانتا ہو اور اس میں ہرگز شک نہیں کہ یہ سب حدیثیں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر
بہتان عظیم ہیں اور آپ پر نہایت بے دردی اور بے باکی سے جھوٹ باندھا گیا ہو۔
حرب کرمانی کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ یہ حدیث کہ جو شخص
اپنے گھر والوں پر عاشورہ کے دن فراخی دے تو اللہ تعالیٰ تمام سال اسپر فراخی رکھے گا آیا
ٹھیک ہو یا نہیں۔ فرمایا نہیں نہیں اسکی کوئی اصل نہیں ہو۔ اسی طرح تواریخ کے مصنفین جیسے
ابن عساکر کی تاریخ دمشق ہو جب یہ خلفاء اربعہ یا اور کسی کی فضیلت کا کوئی باب باندھتے

ہیں تو انکو علم سب روایتیں نقل کر دیتے ہیں جیسا حضرت علی اور امیر معاویہ کی فضیلت میں جو روایتیں انھوں نے بیان کی ہیں محدثین کا اسپر اتفاق ہے کہ وہ جھوٹ ہیں۔

اب شیعی علما ان سب حدیثوں کو تسلیم کریں جو ان لوگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں تو ان میں حدیثوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہوگی جو شیعہ مذہب کے بالکل خلاف ہوگی اور اگر شیعی علما ان کل حدیثوں کو رد کرتے ہیں تو ان میں سے بعض کا بطور دلیل کے پیش کرنا قطعی باطل ہو جائے گا۔ اور اگر شیعی علما اس کا یہ جواب دیں کہ جو حدیثیں ہمارے مطلب کی ہیں انھیں تو ہم مانتے ہیں اور جو مطلب کی نہیں ہیں اُنھیں نہیں مانتے تو ان کا یہ تخیل بھی بالکل باطل ہوگا ایسی مذبذب حدیث سے مذہب کی صحت میں حجت لانا ہرگز جائز نہیں کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر موافق حدیث کی صحت تم نے معلوم کرلی ہو تو وہ وجہ بیان کرو جو اسکی صحت پر دلالت کرے حالانکہ یہ محال ہو اور اگر اس حدیث کو محض اس وجہ سے صحیح سمجھ لیا ہے کہ وہ ہمارے مذہب کے موافق ہو تو یاد رکھو کہ مذہب سے حدیث کو صحیح ثابت کرنا ممتنع ہو کیونکہ جس وقت مذہب کا صحیح ہونا حدیث کے صحیح ہونے پر موقوف ہوگا اور حدیث کا صحیح ہونا مذہب کے صحیح ہونے پر موقوف ہوگا تو اس سے دور ممتنع لازم آئے گا۔

دوسری وجہ اس نفس حدیث میں ایک ایسا امر ہو جو کئی وجوہ سے اسکے جھوٹ ہونے پر صاف دلالت کرتا ہی یعنے اس کا یہ مضمون ہو کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خم میں تھے تو آپ نے لوگوں کو آواز دی آپ کی آواز پر سب لوگ جمع ہو گئے پھر آپنے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا جس کا مَیں مولیٰ ہوں اس کا علی بھی مولےٰ ہو الیٰ آخرہ۔ ہم ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ یہ بالکل غلط اور بالکل جھوٹ ہو اور دنیا میں کل شیعی علما مل کے بھی سے سچا ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ اسپر سب کا اجماع ہو کہ غدیر خم میں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہرگز نہیں فرمایا۔ حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت حضور غدیر خم میں ٹھیر تھے اور اسے شیعی علما بھی تسلیم کرتے ہیں اور وہ اسے روز عید سمجھتے ہیں اور یہ ماہ ذالحجہ کی اٹھارہویں تاریخ کا وقوعہ ہو۔ اسکے بعد حضور انور پھر مکہ معظمہ تشریف نہیں لیگئے بلکہ حجۃ الوداع کرکے مدینہ منورہ تشریف لے آئے اسکے بعد ذی الحجہ محرم اور صفر صرف تین مہینے آپ جیا

حیات رہے اور ربیع الاول کے شروع میں آپ کی وفات ہو گئی۔ اب اس سفید جھوٹ کی کیفیت سُنئے کہ کس طرح بے باکی سے حارث کا قصہ گھڑا گیا کہ وہ حضور کی حدیث میں ابطح میں آیا۔ ابطح مکہ میں ہے اور حضرات علماء شیعی کو یہ بھی خبر نہیں کہ غدیر خم کا قصہ کب ہوا تھا کیونکہ یہ سورۃ سائل سائل باتفاق تمام اہل علم کے مکی ہے جو ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں نازل ہو چکی تھی پھر بھلا یہ غدیر خم کے بعد کیونکر نازل ہوتی۔ پھر خداوند تعالیٰ کا یہ کلام پاک ملاحظہ ہو واذ قالوا اللھم ان کان ھذا ھوالحق من عندک سورۂ انفال میں ہے اور اسپر سب کا اتفاق ہے کہ یہ سورۃ غدیر خم سے بہت برسوں پہلے جنگ بدر میں نازل ہو چکی تھی اور کل مفسر اسپر متفق ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ تھا کہ ہجرت سے پہلے مشرکین یعنے ابوجہل وغیرہ نے حضور انور سے یہ کہا تھا واذ قالوا اللھم ان کان ھذا ھوالحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء یہ گویا خداوند تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبی کو یاد دلایا ہے جو مشرکین کہا کرتے تھے کہ اے محمد تم ان کے قول کو یاد کرو یہ پہلے اس طرح کہا کرتے تھے اذ قال ربک للملائکۃ اور واذ غدوت من اھلک۔ ان آیتوں میں بھی خداوند تعالیٰ اپنے نبی کو گزشتہ امور کے یاد کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ پتھر برسنے کی خواہش کرنا اور حضور انور سے عرض کرنا اس سورۃ کے نازل ہونے سے کہیں پہلے تھا۔

یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ جب مشرکین نے عذاب وغیرہ کی درخواست کی تو اُسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ہوتے ہوئے تم پر ہم عذاب نازل نہ کرینگے۔ چنانچہ فرمایا واذ قالوا اللھم ان کان ھذا ھوالحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔

پھر فرمایا وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جب اہل مکہ نے یہ کہا تو ان پر آسمان سے پتھر نہیں برسے۔

ان روشن اور بدیہی برہانوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حارث پر پتھر برسنے کی کہانی کیسی جھوٹی اور لغو ہے۔ اس کا ذکر نہ کہیں مسند میں ہے نہ صحیح میں نہ فضائل میں نہ تفسیر میں اور نہ سیر وغیرہ میں سوا ان شیعی دستاویزات کے جو منکر اسناد سے روایت کرتے ہیں۔

اچھا اور ایک تماشہ کی بات ملاحظہ فرمایئے شیعی علما اس بات کے قایل ہیں کہ حارث اسلام کے پانچوں رکن تسلیم کرتا تھا اس صورت میں اسکے مسلمان ہونے میں کسے شک ہو سکتا ہے مسلمان تو حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کبھی عذاب نازل نہیں ہوا کسی کتاب میں اسکا ذکر نہیں ملتا۔ پھر حارث پر باوجود مسلمان ہونے کے پتھروں کی بارش کیسی۔

دوسرے یہ کہ صحابہ میں ہم نے کسی کتاب میں حارث کا نام نہیں دیکھا خدا معلوم شیعی علمانے اسے کہاں سے پیدا کر لیا۔

اسلئے بکثرت مصنف گزرے ہیں جنہوں نے صرف صحابہ کے ناموں میں کتابیں تصنیف کی ہیں اور ضعیف سے ضعیف حدیث جو کسی صحابی کے نام سے انھیں ملی وہ انھوں نے اپنی کتاب میں صحابی کے نام کے ساتھ درج کر دی مثلاً ابن عبد اللہ کی کتاب الاستیعاب ہے کہ ضعیف سے ضعیف حدیثیں بھی اسمیں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح ابن مندہ ابو نعیم اصبہانی اور حافظ ابو موسیٰ وغیرہ کی کتابیں ہیں۔ ان کتابوں میں بھی کہیں حارث کا پتہ نہیں لگتا اس سے یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ روایات میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے۔

تیسرے شیعی علمار کا تو یہ دعویٰ ہے کہ حضرت علی کی امامت قرآن مجید سے ثابت ہوتی ہے حالانکہ جو آیت پیش کی گئی ہے اسمیں حضرت علی کا کہیں کسی لفظ سے کوئی اشارہ تک نہیں پایا جاتا صرف بلغ ما انزل الیک من ربک میں کونسا لفظ ہے جو حضرت علی پر دلالت کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر آپکے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے اسے تم لوگوں تک پہنچا دو۔ جو کچھ عام ہے اور ہر چیز جو نازل ہوئی اس میں شامل ہے۔ اس سے کیونکر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت علی کی امامت کی طرف اشارہ ہے۔

اب اگر یہ کہو کہ یہ نقل سے ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ کیوں دعوے کرتے ہو کہ قرآن مجید حضرت علی کی امامت کی شہادت دیتا ہے اس سے یہ بہتر ہے کہ حضرت علی کی امامت نقل ہی کے دائرہ میں رہنے دیجائے قرآن مجید کا عموم پر دلالت کرنا اس ادعا کی تردید کرتا ہے کہ علی کی امامت پہنچانے کا حکم حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوا تھا۔

چوتھی وجہ۔ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اور آپ کے صحابہ کے

تعلقات سے جو شخص واقف ہے وہ اس کہانی کی بہت زور سے تردید کرے گا۔
صحابہ کا تعشق مسلم ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ ہر صحابی اپنے نجات دہندہ کے ایک ایک لفظ کو بمنزلہ ایک زبردست قانون کے سمجھتا تھا حضور کا یہ بھی طریقہ تھا کہ جب آپ ہدایتیں فرما چکتے تو اخیر میں حاضرین سے بہ اصرار یہ فرماتے تھے کہ جو کچھ تم نے سنا ہے ان لوگوں سے جو یہاں موجود نہیں ہیں کہدینا اور انہیں تاکید کردینا کہ وہ اپنے ملنے والوں میں میرے احکام پہنچا دیں یاد رکھو اگر خداوند تعالےٰ نبی کو یہ حکم دیتا کہ تم علی کی امامت کا اعلان کردو تو رسول خدا اس پیغام کو چھپا کے کس طرح خداوند تعالیٰ کی نافرمانی کرتے اور جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ حضور انور نے کبھی ایسا کیا تو ہم اسے ہرگز مسلمان نہیں سمجھنے کے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ قول موجود ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ محمد رصلی اللہ علیہ وسلم) نے وحی کی کوئی بات چھپالی تو وہ یقیناً جھوٹا ہے۔
تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کی امامت کے بارے میں حضور انور رسول خدا نے کبھی کچھ تبلیغ نہیں کی اہل علم کے پاس اسکی بہت سی دلیلیں ہیں جنسے وہ اس امر کو یقینی طور پر ثابت کر چکے ہیں۔
خیال تو کرو کہ اگر اس کی کچھ بھی اصل ہوتی تو یہ بات آندھی اور مینہ کیطرح تمام اسلامی دنیا پر چھا جاتی جبکہ لوگوں نے حضرت علی کی فرضی فضیلت کرنے کے لیے سینکڑوں جھوٹی حدیثیں بنالیں پھر بھلا اس حق بات کو وہ کیسے چھپا سکتے ہیں اتنی بڑی بات کہ ہزاروں صحابہ میں حضور انور یہ اعلان دیں کہ علیؓ میرے بعد میرا وصی اور جانشین ہوگا اور وہی امام برحق ہے اور ایک صحابی بھی ایسے زبردست حکم کو نہ سنے اور اس کا بعد ازاں کچھ بھی چرچا نہ ہو اور خلفائے ثلاثہ بلکہ خود حضرت علی کی خلافت میں ایک شخص بھی یہ آواز بلند نہ کرے کہ خدا کے حکم سے رسول خدا نے علی کو امام بنا دیا ہے پھر علی کو امام یا جانشین کیوں نہیں مقرر کیا جاتا نہ حضرت علی خود ہوں ہاں کریں اور نہ اس آیت کا شان نزول لوگوں کو یاد دلائیں نہ غدیر خم کا واقعہ کسی کے آگے دہرائیں۔
اب دیکھو اور واقعات پر نظر کرو کہ جب حضور انور کا وصال باری تعالیٰ سے ہوا یعنی آپنے اس دنیا کو ہمیشہ کے لیے رخصت کیا تو بعض انصار نے یہ چاہا کہ ایک امام ہم میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے لوگوں نے اس کا انکار کیا اور یہ کہا کہ امامت یعنی خلافت تو قریش ہی

میں رہیگی ایسی متفرق احادیث موجود ہیں جن میں بہت سے صحابہ نے حضور انور سے یہ روایت کی ہو کہ الا مامة فی قریش یہ بات زیادہ غور طلب ہو کہ ان میں سے کسی نے بھی نہ اس موقع پر نہ کسی اور دوسرے موقع پر ایسی کوئی حدیث روایت کی جو حضرت علی کی امامت پر دلالت کرتی اور دیکھو جسوقت صدیق اکبر سے مسلمان بیعت کر رہے تھے اکثر بنی عبد مناف بنی امیہ اور بنی ہاشم وغیرہ کا میلان حضرت علی کی طرف تھا وہ سب ان کی ولایت کو پسند کرتے تھے باوجود اس میلان کے کسی نے بھی اس نص کا ذکر نہیں کیا نہ حضرت عثمان کے زمانہ میں اس نص کا ذکر آیا خود حضرت علی بھی اخیر تک بالکل خاموش رہے ۔

اور دیکھیئے وہ علما بالحدیث دانستہ جو حضرت علی کی ولایت کے قائل ہیں وہ سب متفق اللفظ ہیں کہ خلیفہ ہونے میں علی کا درجہ عثمان غنی کے بعد تھا جیسا کہ آئمہ میں سے امام احمد حنبل وغیرہ کا قول ہے حضرت علی کی امامت کے بارے میں اہل علم کا بہت بڑا اختلاف ہو مثلاً بعض یہ کہتے ہیں کہ علی کا زمانہ تو فتنے اور امت میں اختلاف ہونے کا تھا ان کے زمانہ میں نہ امت کا ان پر اتفاق ہوا نہ اور کسی پر ہوا بعض فرقے یعنے کرامیہ کا یہ قول ہو کہ علی بھی امام تھے اور امیر معاویہ بھی امام تھے اور اس فرقے کے اصول کے مطابق ایک ہی وقت میں دو اماموں کا ہونا ناجائز نہیں ہو اسی طرح یہ لوگ ابن زبیر اور یزید کی امامت کے قائل ہیں کیونکہ اسوقت بھی ایک شخص پر مسلمانوں کا اتفاق نہیں ہوا تھا ۔

امام احمد بن حنبل اپنے زمانہ میں حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے مگر انھوں نے بھی حضرت علی کی امامت پر اسی حدیث سے حجت کی ہی جو سنن میں ہو کہ نبوت کی خلافت تیس برس رہیگی پھر سلطنت ہو جائیگی بعض لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف بھی کہا ہو لیکن امام احمد وغیرہ اسے ثابت مانتے ہیں پس نصوص میں حضرت علی کی امامت پر انکا معتمد علیہ یہی ہو اور اگر کوئی اور سند یا مرسل حدیث انہیں اسکے موافق ملجاتی تو وہ اُس سے بڑے خوش ہوتے اب خیال تو کرو کہ جس نص کا شیعی دنیا دعوی کرتی ہو اہل علم میں سے کسی نے بھی اسے حضور انور کا قول بیان نہیں کیا نہ متقدمین میں سے نہ متاخرین میں سے اسی واسطے اس نقل کے جھوٹ ہونے کو محدثین یقینی اور بدیہی طور پر جانتے ہیں جیسا کہ اسکے سوا انہیں اور جھوٹی روایتوں کا

علم ہو۔

اور سب باتوں کو جانے دو اسپر غور کرو کہ اگر یہ نص حضرت علی کے شیعہ کو معلوم ہوتی تو عادت معروفہ یہ چاہتی ہو کہ انہیں سے کوئی نہ کوئی یہ ضرور کہتا کہ جب علی کی خلافت پر رسول اللہ کی یہ نص موجود ہو تو کیوں نہیں معاویہ پر علی کو مقدم رکھا جاتا۔

ابو موسیٰ کے مسلمان اور دیندار ہونے میں کسیکو بھی کلام نہیں اگر انہیں معلوم ہوتا کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم علی کی خلافت کو منصوص کر چکے ہیں تو حضرت علی کے معزول کرنے کو کبھی جائز نہ سمجھتے اور بفرض محال وہ معزول کر ہی دیتے تو اور لوگ اُنکی اس تجویز کا صاف انکار کر دیتے اور کہدیتے کہ تم ایسے شخص کو کیوں معزول کرتے ہو جسکی خلافت پر حضور انور نص کر چکے ہیں اس کا ذکر ان لوگوں نے کبھی نہیں کیا بلکہ اُنھوں نے حجت بھی کی تو اس حدیث سے کہ عمار کو باغی لوگ قتل کرینگے یہ حدیث خبر واحد کا مرتبہ رکھتی ہو یا ممکن ہو کہ اس کے دو یا تین راوی ہوں مگر یہ متواتر تو کسی طرح بھی نہیں ہو اور یہ نص جسپر اوپر سے بحث چلی آتی ہو اسکے قائلین کے نزدیک متواتر ہو پھر کتنے تعجب کی بات ہو کہ خبر واحد سے تو شیعہ علی نے لوگوں کے سامنے حجت کرنا اختیار کر لیا مگر اس نص سے جسے وہ متواتر کا مرتبہ دے چکے تھے اُنھوں نے اپنا دعوے پیش نہیں کیا اور ہوں ہاں کچھہ نہیں کی۔

شیعی علمار کی تیسری برہان

کل شیعی مجتہد اور علمار متفق اللفظ قرآن مجید کی یہ آیت پیش کرتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا یعنی آج میں نے تمھارا دین تمھارے لیئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تمپر پوری کر دی اور تمھارے لیئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

(بقول شیعی علمار) ابو نعیم نے ابو سعید خذری سے سند کے ساتھ روایت کی ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب لوگوں کو غدیر خم میں طلب کیا اور وہاں ایک درخت کے نیچے سے کانٹے وغیرہ صاف کر دینے کا ہمیں حکم دیا اور جب یہ سب ہو گیا تو حضور انور کھڑے ہوئے

اور علی کو اپنے پاس بلا لیا پھر ان کے دونوں بازو پکڑ کے اتنا اونچا اُٹھایا کہ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دونو بغلیں تک دیکھ لیں اور ابھی لوگ وہیں بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی اُسپر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اللہ نے دین کو کامل کرنے اپنی نعمت کو پوری کرنے میری رسالت پر راضی ہونے اور میرے بعد علی کی ولایت ہونے کے ساتھ مجھپر بہت ہی بڑا احسان کیا ہے پھر فرمایا ربقول شیعی علماء من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ۔

جواب

اس کا جواب چند طرح سے ہے اول یہ کہ استدلال کرنے والوں پر اس حدیث کی صحت بیان کرنی لازمی ہے محض ابو نعیم کی روایت کی طرف اسے منسوب کر دینا باتفاق تمام علماء کے خواہ سُنّی ہوں یا شیعہ اسکی صحت کے لیئے مفید نہیں ہو سکتا ابو نعیم نے تو اکثر ایسی حدیثیں بھی روایت کر دی ہیں جنکے ضعیف اور موضوع ہونے پر سنی اور شیعہ دونوں کا اتفاق ہے ابو نعیم اگرچہ حافظ۔ ثقہ۔ کثیر الحدیث اور واسع الروایت تھا لیکن اسنے اور محدثین کے موافق اناپ شناپ جتنی اسے حدیثیں ملیں نقل کر دیں مثل اسکے اور لوگ بھی اسبات کے عادی ہیں کہ ایک باب کی جتنی حدیثیں انہیں ملیں وہ بے کم و کاست انھیں نقل کر دیں اگرچہ حجت کے قابل ان کی نقل کی ہوئی حدیثوں میں سے صرف چند ہی حدیثیں ہوں ان لوگوں میں بعض تو وہ ہیں کہ جس راوی کا جھوٹا ہونا انہیں معلوم ہو جاتا ہے وہ اسکی روایت ہرگز نہیں لیتے جیسے امام مالک شعبہ یحییٰ بن سعید۔ عبد الرحمٰن بن مہدی امام احمد بن حنبل یہ لوگ ایسے شخص سے کبھی روایت نہیں کرتے جو ان کے نزدیک ثقہ نہ ہو اور نہ یہ اس حدیث کو نقل کرتے ہیں جسکے راوی کا کذاب ہونا انھیں معلوم ہو جاتا ہے مگر تو بھی کبھی کبھی ان کی جمع کردہ روایتوں میں ایسی روایت بھی نکل آتی ہے کہ اس کا راوی علانیہ اسمیں غلطی کر دیتا ہے۔ امام احمد۔ اور اسحٰق وغیرہ کبھی ایسی حدیثیں بھی روایت کر دیتے ہیں جو خود ان کے نزدیک بھی ضعیف ہوتی ہیں اسوجہ سے کہ ان کے راوی کم حافظہ وغیرہ ہونے کے ساتھ بدنام ہوتے ہیں انکا خیال ہے کہ ان حدیثوں کو معتبر سمجھا جائے اور اُنسے استشہاد کیا جائے کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسی حدیث کی کوئی

ایسی سند بھی نکل آتی ہی جو اُسکے محفوظ ہونے کی شاہد ہوتی ہو کبھی اس کا راوی در پردہ کذاب ہوتا ہے اور اپنی خوش قسمتی سے کذب میں مشہور نہیں ہوتا اور کبھی وہ سچی حدیثیں بھی روایت کردیتا ہو غرض یہ لازم نہیں ہو کہ فاسق جس حدیث کو روایت کرے وہ جھوٹ ہی ہو بلکہ فاسق جس حدیث کو روایت کرے اسکی جانچ پرتال کیجائے یہی حکم خداوند تعالیٰ کا بھی ہے جیسا کہ اسنے فرمایا ہو کہ جب کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو اسے جانچ لیا کرو۔

غرض ایسی روایت کے درج کرنے کا یہ مقصود ہے کہ اسکی تمام سندوں کو دیکھا جائے کہ آیا وہ اسکے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتی ہیں یا سچ ہونے پر۔ مگر مشکل یہ ہو کہ اکثر مصنفوں کو اسکی پوری پوری تمیز نہیں ہوتی اور وہ اُسکے جانچ کرنے میں بالکل عاجز ہیں مگر اہل علم کے آگے جب کوئی روایت پیش ہوتی ہو تو وہ اُسکے راویوں اور اسکی اسناد میں غور کرکے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کردیتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہو کہ یہ حدیث جو شیعی علما نے ابونعیم کے نام کے ساتھ روایت کی ہو اور جو اوپر درج ہو چکی ہو بالکل جھوٹ اور موضوع ہو جو علما موضوعات سے واقف ہیں ان کا اس حدیث کے جھوٹ ہونے پر اتفاق ہو تمام محدثین اسے خوب جانتے ہیں اور یہی وجہ ہو کہ یہ حدیث حدیث کی اُن کتابوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہو جنکی طرف اہل علم رجوع کرتے اور معتبر سمجھتے ہیں۔

تیسری وجہ صحاح مسانید اور تفسیر تینوں جگہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ آیت حضور انور پر اسوقت نازل ہوئی تھی کہ آپ عرفات میں قیام پذیر تھے ایک دن ایک یہودی نے فاروق اعظم سے یہ کہا کہ آپ کی کتاب (یعنی قرآن مجید میں) ایک ایسی آیت ہو کہ اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منانے یعنے عید کی سی خوشی کرتے فاروق اعظم نے پوچھا کہ وہ کونسی آیت ہو یہودی نے کہا الیوم اکملت لکم دینکم الخ فاروق اعظم نے فرمایا کہ جسدن اور جس جگہ یہ آیت نازل ہوئی تھی مجھے خوب یاد ہو عرفہ کے دن عرفات میں نازل ہوئی تھی اور حضور انور اسوقت عرفات میں ٹھیرے ہوئے تھے مسلمانوں کی تمام کتابوں میں یہ بات منقول ہو صحاح میں مسانید میں جوامع میں سیر میں اور تفسیر وغیرہ میں اور یہ دن جب یہ آیت نازل ہوئی غدیر خم کے دن سے

نو دن پہلے تھا کیونکہ یہ آیۃ جمعہ کے روز نویں ذی الحجہ کو نازل ہوئی غدیر خم کا واقعہ اٹھارھویں ذی الحجہ کو ہوا ہے جیسا کہ دوسری برہان کے جواب میں ہم بیان کر چکے ہیں ان تمام واقعات، مشاہدات اور حجتوں کو سنکے کون کم عقل سے کم عقل شخص بھی یہ کہیگا کہ یہ آیت غدیر خم کے دن نازل ہوئی تھی۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں نہ حضرت علی کا کچھ ذکر ہے اور نہ ان کی امامت کے لیے کوئی دلیل ہے بلکہ جو کچھ اس آیۃ کا مضمون ہے بالکل صاف ہے کہ اللہ نے دین کے کامل کرنے مسلمانوں پر اپنی نعمت پوری کر دینے اور دین اسلام سے اپنے راضی ہونے کو بیان فرمایا ہے نادان سے نادان شخص بھی اس روشن آیت سے اشارتاً یا کنایتاً بھی حضرت علی رضہ کی امامت کی طرف خیال نہیں کر سکتا اب رہا یہ کہ کسی جھوٹی روایت سے اس آیۃ شریفہ میں زبردستی اپنے مدعا کا اظہار کرانا ایک ایسا لغو اور مہمل استدلال ہے جسکی وقعت بجز ایک جاہل کی صدائے بے ہنگام سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

پانچویں وجہ جو حدیث پیش کیگئی ہے اور جسپر ہم گزشتہ صفحات میں کافی طور پر بحث کر چکے ہیں اسکے یہ الفاظ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ باتفاق تمام محدثین کے کذب صریح اور بہتان عظیم ہیں باقی یہ مشہور جملہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اسکے بارے میں علمار کے دو قول ہیں جس کا بیان ہم موقع پر کرینگے۔

چھٹی وجہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا مقبول ہونا یقینی امر ہے کوئی مسلمان کسی فرقے کا شاید ایسا نہ ہو جسکا یہ عقیدہ ہو کہ حضور نے بارگاہِ ایزدی میں دعا کی اور وہ مقبول نہ ہوئی مگر شیعی علمار کے اعتقاد کے بموجب وہ دعا جو حضور انور نے حضرت علی کے لئے کی تھی بارگاہِ خداوندی میں قبولیت کے درجے تک نہیں پہنچی۔

مردود اور جھوٹی روایتوں کے تسلیم کرنے کا آخری نتیجہ ہوتا ہے کہ حضور انور کو معاذ اللہ غیر مستجاب الدعوات ماننا پڑتا ہے مثلاً آپ نے جو حضرت علی کی نسبت دعا کی وہ قبول نہیں ہوئی کیونکہ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو صحابہ اور مسلمانوں کی تین جماعتیں ہو گئیں ایک جماعت تو وہ تھی جنے حضرت علی کے ساتھ ہوکے قتال کیا دوسری جماعت وہ تھی جسنے حضرت

علی سے مقابلہ کیا تیسری جماعت وہ تھی جسنے نہ انھیں مدد دی نہ ان کا مقابلہ کیا اس کا ذکر ہم اوپر بھی کر آئے ہیں یہ لوگ جو نیوٹرل تھے یعنے نہ حضرت علی کے ساتھ تھے نہ ان کے مخالف وہ اپنے گھروں میں بیٹھ رہے ابن حزم نے لکھا ہے کہ عمار بن یاسر کو ابو العادیہ نے قتل کر دیا تھا اور یہ ابو العادیہ ان سابقین میں سے ہے جو شہور درخت کے نیچے بیعت کر چکے ہیں اور ان سب کے لئے یہ حکم ہو چکا ہے لا یدخل النار منهم احد یعنی ان میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے گا (یہ بات صحیحین سے ثابت ہو چکی ہے)

صحیح مسلم وغیرہ میں جابر سے مروی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا لا یدخل النار احد بایع تحت الشجرة یعنے ان میں سے جو درخت کے نیچے بیعت کر چکے ہیں کوئی دوزخ میں نہیں جائے گا۔

حاطب بن بلتعہ کا واقعہ ہم پہلے اپنی کتاب میں ذکر کر چکے ہیں کہ جب اُنکے غلام نے حضور سے عرض کیا کہ حاطب ضرور دوزخ میں جائے گا تو حضور نے فرمایا تو جھوٹا ہے جب وہ جنگ بدر اور حدیبیہ دونوں میں حاضر ہو چکا ہے پھر بھلا کیونکر دوزخ میں جا سکتا ہے یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ یہ وہی حاطب ہے جسنے حضور انور کی مخبری مشرکین مکہ سے کی تھی غلام اپنے آقا حاطب سے سخت ناراض تھا اسی لیے اسنے حضور سے جلکے یہ کہا تھا کہ حاطب ضرور دوزخ میں جائے گا۔

درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے نہ صرف حضرت علی بلکہ طلحہ اور زبیر سے بھی قتال کیا ہے ان ہی لوگوں میں عمار کا بھی قاتل ہے۔

درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو تھی انھیں کے ہاتھوں پر خداوند تعالے نے خیبر کو فتح کیا تھا جیسا کہ سورۂ فتح میں اسکا وعدہ فرمایا تھا حضور نے خیبر کے غنیمت کے اٹھارہ سو حصے کر کے ان سب میں تقسیم کر دئے تھے اس فوج میں دو سو سوار اور بارہ سو پیدل تھے ہر سوار کو حضور نے تین حصے دیے دو اسکے گھوڑے کے اور ایک اس کا حساب سے چھ سو حصے ہو گئے تھے اور باقی بارہ سو حصے پیادوں کو دے گئے تھے یہ تقسیم صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور اکثر اہل علم مثلاً امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد وغیرہ اسی کے قائل ہیں بعض لوگ

اس طرف بھی گئے ہیں کہ سوار کے حضور نے صرف دو ہی حصے لگائے تھے (امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں بعض کا یہ قول ہی)

بلاشک یہ بات ہم مانتے ہیں کہ سابقین اولین میں سے حضرت علی کے ساتھ بہت سے لوگوں نے ہوکر قتال کیا جیسے سہل بن حنیف اور عمار بن یاسر مگر جن لوگوں نے حضرت علی کا ساتھ نہیں دیا وہ ان کے ساتھ دینے والوں سے بدرجہا افضل تھے مثلاً سعد بن ابی وقاص حضرت علی کے ساتھ ہوکے نہیں لڑے تھے اور یہ بات مسلم اور ثابت شدہ ہی کہ سوائے حضرت علی کے وہ ان کے کل ساتھیوں سے افضل تھے اور اسیطرح انصار میں سے محمد بن مسلمہ حضرت علی کے ساتھیوں پر فضیلت رکھتے تھے جنکی نسبت حضور انور کا یہ قول موجود ہے ان الفتنة لا تضره یعنی فتنہ انہیں ضرر نہ دیگا اسی وجہ سے انھوں نے یکسوئی اختیار کر لی تھی اور اپنا زمانہ خانہ نشینی میں گزار دیا اس حدیث سے خود حضرت علی نے بھی استدلال کیا ہی اور صاف طور پر اس بات کا اعتراف کیا ہی کہ واقعی یہ قتال فسادی قتال تھا اور نہ اسے جہاد کہہ سکتے ہیں اور نہ یہ مستحب امر میں سے تھا۔

اب یہ بات دیکھنی ہی کہ اگر امیر معاویہ اور حضرت علی کی لڑائیاں صحیح تسلیم کر لیجائیں تو یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ حضرت علی کا لشکر فتحیاب نہیں ہوا بلکہ معاویہ کی فوجوں نے کئی دفعہ فتح پائی انکا نام بلند ہوا اور انھوں نے بڑے بڑے نصرانی ممالک کو بھی فتح کیا شامی سپاہ کا غلغلہ اور نیک نامی تمام دنیا میں مسلم تھی صحیح حدیث میں حضور انور سے مروی ہی آپ نے فرمایا لا تزال طائفة من امتی ظاهرين على الحق لا تضرهم من خالفهم ولا من خذلهم حتى تقوم الساعة یعنی قیامت کے قایم ہونے تک میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر غالب رہیگی مخالف اسے ضرر نہ دے سکے گا اور نہ وہ شخص جو اس کا ساتھ چھوڑدے اسے کوئی ضرر پہنچا سکیگا اسپر معاذ بن جبل نے کہا اس حدیث شریف میں جس طائفے کا ذکر ہی وہ شامی گروہ ہے پھر دیکھو مسلم میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا لا یزال اهل العرب ظاهرين حتى تقوم الساعة امام احمد وغیرہ کا یہ قول ہی کہ اہل عرب سے مراد اہل شام ہیں شامیوں کا پہلا لشکر وہی تھا جس نے امیر معاویہ کی سرگروگی میں قتال کیا وہ کبھی

رسوا نہیں ہوا اور اسکی کسی قسم کی رسوائی حضرت علی کے ساتھ قتال کرنے میں بھی نہیں ہوئی پھر شیعی نقطہ خیال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کس طرح ہو سکتی ہو کہ اُسے رسوا کر جو علی کو رُسوا کرے اور اُسکی مدد کر جو علی کی مدد کرے اب سوال یہ ہو کہ جن لوگوں نے حضرت علی کو مدد دی تھی خداوند تعالیٰ نے کیوں نہ اُن کی مدد کی اور جن لوگوں نے حضرت علی کا مقابلہ کیا تھا وہ کیوں نہیں رسوا اور ذلیل و خوار ہوئے بس یہ امور ہیں جنسے شیعی علما کی پیش کردہ حدیث صریح جھوٹی قرار پاتی ہے

شیعی علمار کی چوتھی برہان

(بقول شیعی علمار) قرآن مجید کی آگے آنے والی آیت سے حضرت علیؓ کی امامت ثابت ہوتی ہو اور وہ آیت یہ ہو والنجم اذا ھویٰ ○ ما ضل صاحبکم وما غویٰ۔

یعنی قسم ہے ستارے کی جب وہ جھکے کہ تمہارے صاحب (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ گمراہ ہیں نہ کجرو (بقول شیعی علمار) فقیہ ابن علی مغازی شافعی نے اسناد کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی ہو وہ کہتے ہیں ہم اور بنی ہاشم کے چند نوجوان لڑکے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک ایک ستارہ ٹوٹا تو آنحضرت نے فرمایا جسکے مکان پر یہ ستارہ رک جائے میرے بعد وہی میرا وصی ہو وہ ہاشمی نوجوان سب کھڑے ہو کے دیکھنے لگے تو وہ ستارہ علیؓ کے مکان پر پہنچ کے رک گیا یہ دیکھ کے ہاشمی نوجوان کہنے لگے یارسول اللہ یہ ستارہ تو علی کی محبت میں ڈوب گیا۔ اُسی وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی جو اوپر لکھی گئی ہو

جواب

اس بہتان عظیم کا جواب کئی طرح سے ہے جو زیادہ غور سے سُننے کے قابل ہو۔ اول نفس آیت کے مضمون کو پیش کردہ روایت کے مضمون سے کچھ بھی تعلق نہیں ہو روایت کا گھڑنے والا حقیقت میں ایسا بیوقوف تھا کہ اسنے تمام قرائن اور ممکنات سے چشم پوشی کر کے آنکھ بند کر کے جو چاہا لکھ مارا اور یہ خیال نہ کیا کہ اس قسم کی چانڈو خانہ کی باتیں کسی صورت سے بھی دائرہ امکان میں نہیں آسکتیں یہ تو ظاہر ہو کہ شب کا وقت ہوگا کیونکہ رات ہی کو ستارے

ٹوٹتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی قرینے سے پایا جاتا ہے کہ حضور انور غالباً حرم میں تشریف رکھتے تھے اور قرینہ اس کا بھی شاہد ہے کہ یہ واقعہ مکہ کا ہو۔ کتنے غضب کی بات ہے جبکہ مکہ کی آبادی اسوقت جبکہ حضور انور وہاں تشریف رکھتے تھے ایسی بے ترتیب تھی کہ بیت حرام یا مسکن نبوی کے بیٹھنے والے کھڑے ہوکے کسی صورت سے بھی کسی کے مکان کا بھی تشخص نہیں کر سکتے تھے اسکے علاوہ مسکن نبی ایسے بلند قطعے پر نہیں بنا ہوا تھا جہاں سے شہر کی تمام آبادی کا نظارہ بخوبی نظر آئے پھر کس طرح ممکن ہے کہ چند نوجوان اُٹھیں اور انھیں اندھیرے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مکان حضرت علی کا ہے اور اسی پر ستارہ ٹوٹا۔

شیعی علمار اس کا ثبوت دینگے کہ حضرت علی کے مکان پر کوئی بڑا جھنڈا لہلہاتا تھا یا کوئی بجلی کا ہنڈا کسی ستون پر اس طرح آویزان تھا کہ باقی مکانات میں وہ ممتاز معلوم دیتا تھا جس سے نوجوان یہ سمجھ گئے کہ یہ ستارہ حضرت علی کے مکان پر گرا ہے اسکے علاوہ یہ بالکل مشاہدہ ہے کہ جسوقت ستارہ ٹوٹ کے گرتا ہے تو لوگوں کو دکھائی تو یہ دیتا ہے کہ وہ فلاں مقام پر گرا مگر یہ صرف نظری دھوکا ہے وہ اس حد نظر سے جو اس کے گرنے کی قایم کی گئی ہے اس سے ہمیشہ کئی میل ہٹا ہوا ہوتا ہے اتنا بڑا اولوالعزم اور عالی شان نبی اور پتے پچ ایک بڑا جلیل القدر حکیم کس طرح ایسی دور از کار باتیں نوجوانوں میں بیٹھ کے کرے گا کہ فلانا ستارہ ٹوٹ رہا ہے جسکے مکان پر گرے وہی میرا وصی ہے عقل کسی طرح بھی باور نہیں کرتی کہ ایسا عظیم الشان مصلح اس قسم کی رکیک باتیں کرے اگر فی الحقیقت سہنشاہ عرب و عجم کو اپنا وصی اور خلیفہ حضرت علیؓ کو مقرر کرنا تھا تو آپ صاف طور پر فرما سکتے تھے کہ چاہے ان کے مکان پر ستارہ گرے یا نہ گرے میں نے علی کو اپنا خلیفہ اور وصی بنایا۔ امامت اور خلافت کا منصب ایسی رکیک باتوں سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتا کہ جو صرف چند لڑکوں تک محدود رہے اور اس کا اعلان باقاعدہ امت میں نہ کیا جائے۔ یہ کام واقعی سب سے بڑا اور سب سے اہم تھا کیا اسکی تکمیل اور سرانجام اس صورت سے ہو سکتا تھا کہ چند نوجوان لڑکے حضور کی خدمت میں حاضر ہیں کہ اتنے میں ستارہ ٹوٹا اسپر حضور نے یہ ارشاد کیا کہ جسکے مکان پر یہ گرے گا وہی میرا وصی ہوگا۔ ان بچوں نے سنا ستارہ گرتا ہوا دیکھا اور خاموش اپنے گھر چلے گئے، نہ انھوں نے

اپنے والدین سے ذکر کیا کہ آج علیؓ وصی قرار پائے ہیں۔ نہ حضرت علی نے اس بات کو سنا کہ میں ستارہ ٹوٹنے سے وصی قرار پایا ہوں نہ وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے نہ اُسکی تصدیق کی نہ مکہ میں کچھ غل مچا کہ آج علی وصی قرار پائے ہیں ان باتوں پر روایتیں گھڑنے والے نے ذرا بھی توجہ نہیں کی اور جب آیت اور اس گھڑی ہوئی روایت کا مضمون ملایا جائے گا تو بعد المشرقین معلوم ہوگا یہاں تو خداوند تعالیٰ دنیا کے مقابلہ میں اپنے محترم نبی پر سے کجروی اور گمراہی کا الزام اُٹھاتا ہے اور یہاں حضرت علی کو وصی قرار دینے کا ایک عجیب کھٹکھٹا بنایا ہے کوئی شک نہیں کہ ہٹ دھرمی اور جہالت انسان کو نہ صرف دنیا میں ذلیل و خوار کرتی ہے بلکہ خداوند تعالیٰ کی عالی بارگاہ سے بھی سرکشی اور بغاوت کے جرم میں نکال دیا جاتا ہے یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ بلا علم کے کوئی بات کسی نص اور اجماع دونوں سے قطعی حرام ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ولا تقف ما لیس لک بہ علم یعنی ایسی چیز کے درپے نہ ہو جس کا تجھے علم نہیں پھر ارشاد باری ہوتا ہے قل انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطانا وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون یعنی کہدو میرے پروردگار نے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمایا ہے جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں اور گناہ کو اور ناحق سرکشی کو بھی حرام فرمایا ہے اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اس چیز کو شریک کرو جسکی اللہ نے کوئی سند نہیں اُتاری اور یہ کہ تم اللہ پر (افترا کرکے) وہ بات کہو جسے تم نہیں جانتے پھر خالق مطلق فرماتا ہے ہا انتم ہؤلاء حاججتم فیما لکم بہ علم فلم تحاجون فیما لیس لکم بہ علم یعنی دیکھو تمہیں وہ ہو جسمیں تمہیں کچھ علم تھا اس میں تو تم جھگڑ ہی چکے اور جسکی تمہیں خبر نہیں اسمیں تم کیوں جھگڑتے ہو۔

پھر فرمایا اِنَّ الذین یجادلون فی آیات اللہ بغیر سلطان اتاهم کبر مقتا عند اللہ وعند الذین آمنوا یعنی جو لوگ اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی سند کے جو انہیں پہنچی ہو جھگڑتے ہیں تو ان کا یہ جھگڑنا اللہ کے نزدیک اور ایمان واروں کے نزدیک سخت ناپسند ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے ام انزلنا علیہم سلطانا فہو یتکلم بما کانوا بہ یشرکون یعنی کیا ہمنے ان پر کوئی سند نازل کی ہے اور وہ اسے بیان کرتی ہے جسے یہ خدا کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

پھر فرمایا ام لکم سلطان مبین فأتوا بکتابکم ان کنتم صادقین اور فرمایا ان ھی الا اسماء

سمیتموھا انتم وآباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطان۔

اس سب کا خلاصہ یہ ہو کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ پیغمبر لائے وہی سلطان یعنے سند ہی ہم قرآن کو بھی سلطان کہتے ہیں اور حدیث کو بھی مگر حدیث کے متعلق ہم یہ ضرور کہیں گے کہ جب تک نقل صادق سے صاف طور پر یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ پیغمبر کا ارشاد ہو ہم اسے کبھی سلطان نہیں کہنے کے جو شخص اس چیز سے حجت کرے جسکی نسبت اسنے حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہو تو یہ اسپر فرض ہو کہ حجت لانے سے پہلے وہ اُسکی صحت معلوم کرے ورنہ وہ قائل بلا علم اور مستدل بلا علم ہوگا۔

جب یہ بات صاف طور پر ثابت ہو چکی کہ فضائل میں جتنی کتابیں تصنیف کیگئی ہیں ان میں جھوٹ اور سچ دونوں گڈ مڈ ہو رہے ہیں تو پھر ایسی کتابوں کی روایتوں پر اعتبار کر لینا کتنا بڑا ناقابل معافی جرم ہو جسکی تلافی نہیں ہو سکتی۔

اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ ہم میں اور حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں سینکڑوں مسلمانوں کا واسطہ ہو اور یہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ آپ سے یا صحابہ سے نقل کرتے میں سچ اور جھوٹ کی ضرور آمیزش ہو جاتی ہو اسی خیال سے حضور انور نے ایک دن صاف طور پر یہ فرمایا تھا سیکذب علے۔ یعنی مجھپر عنقریب جھوٹ بولا جائیگا جب یہ بات پورے طور پر ثابت ہو گئی تو اب کسی فرعی یا جزوی مسئلے میں حدیث سے حجت لانا کسیکو بھی جائز نہیں ہو جب تک کہ حدیث کی صحت پورے طور سے ثابت نہ ہو جائے جب فرعی اور جزوی مسائل کی یہ کیفیت ہو تو اصولی مسائل میں ایسی غیر صحیح روایت سے حجت لانا کیونکر جائز ہو سکتا ہو جس سے خیر القرون کے جمہور مسلمان سادات اولیاء اللہ اور مقربین پر اعتراض ہوتا ہو۔

دوسری وجہ۔ تمام محدثین کا اسپر اتفاق ہو کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے فقیہ ابن علی مغازی شافعی جو اس جھوٹی حدیث کا راوی ہو وہ مثل ابونعیم کے مغازی اہل حدیث میں سے نہیں ہو نہ وہ محدث ہو اس کا شیوہ یہ تھا کہ حضرت علی رض کے فضائل میں جتنی روایتیں جن جن کتابوں میں اسے ملیں آنکھ بند کرکے وہ انھیں نقل کر دے اسی طرح اخطب خوارزم نے بھی یہی کیا یہ دونوں حدیث سے محض نابلد تھے انمیں سے ہر ایک شخص کی جمع کردہ روایتوں میں قریب قریب

سب ہی موضوع . غلط اور جھوٹی روایتیں ہیں . حدیث میں معمولی معرفت رکھنے والا بھی اسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے . اب رہی یہ بات کہ ان دونوں نے عمداً یہ سمجھ کے کہ یہ جھوٹی روایتیں ہیں جمع کر لیں یا انھیں غلط صحیح کے پہچاننے کی تمیز ہی نہیں تھی اسلیئے یہ غلط روایتیں جمع ہو گئیں غرض کچھ ہو گیا انھوں نے بڑا غضب کہ ہزاروں جاہل مسلمانوں کو گمراہ کر دیا .

اس روایت کو شیخ ابو الفرج نے موضوعات میں ذکر کیا ہے یہی روایت ایک دوسرے طریق سے شیعی کتابوں میں بڑے طمطراق کے ساتھ درج کی گئی ہے یعنی محمد بن مروان نے کلبی سے اُنھوں نے ابو صالح سے اُنھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان پر پہنچے اور اللہ نے ہر آسمان پر اپنے محبوب کو بڑے بڑے عجائبات دکھائے تو صبحکو وہ عجائبات آپ اپنے ہمنشینوں میں بیان فرمانے لگے اہل مکہ میں سے بعض نے آپ کی تصدیق کی اور بعض نے تکذیب . اسیوقت آسمان سے ایک ستارہ ٹوٹا اسے دیکھ کے آنحضرت نے فرمایا دیکھو یہ کس کے گھر میں پڑتا ہے جسکے گھر میں پڑے گا میرے بعد وہی میرا خلیفہ ہوگا لوگوں نے اس ستارہ کو ڈھونڈا تو وہ علی بن ابو طالب کے گھر میں گرا اسپر اہل مکہ بولے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو گمراہ اور کجرو ہو گئے ہیں اور اپنے اہل بیت کی محبت میں پڑ گئے ہیں اور اپنے چچازاد بھائی علی بن ابی طالب کیطرف جھک گئے ہیں اسوقت مذکورہ بالا سورۃ نازل ہوئی .

اس دوسرے طریقے کی روایت کی کیفیت سُنیئے یہ بھی اپنی پہلی روایت کے بموجب موضوع اور جھوٹ ہے اسکی اسناد پر تاریکیوں کے پردے پڑے ہوے ہیں . مثلاً اسکے راویوں میں ایک شخص ابو صالح ہے دوسرا کلبی تیسرا محمد بن مروان . کلبی کی حقیقت سنیئے بقول ابن حبان کے کلبی کا یہ مذہب تھا کہ علی مرے نہیں کہیں چھپ گئے ہیں وہ پھر دنیا میں ایک دفعہ ظاہر ہوں گے . ایک دن یہی کلبی اپنے دوستوں میں بیٹھا ہوا تھا بادل کا ایک ٹکڑا آسمان پر نمودار ہوا کلبی کہنے لگا دیکھو علی اس بادل میں پوشیدہ ہیں لہذا ایسے شخص کی روایت سے دلیل بیان کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے اس کلبی اور اُس کے ساتھ دوسرے دوست راویوں کی بیوقوفی دیکھیئے کہ روایت کا سارا بار ان لوگوں نے ابن عباس پر ڈالا ہے

گویا یہ سب ملکے ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ کتاب شہادت کا ناظر بے ہنسی کے لوٹ جائیگا جب یہ سُنے گا کہ معراج کیوقت ابن عباس صرف دو برس کے تھے اس حدیث کے راویوں نے اس حدیث کو صحیح بنانے کے لیئے بڑی بڑی چالاکیاں اور کرتب کئے ہیں یاروں نے چالاکی سے اسکی سند کو بدل دیا ہو اور ابو بکر عطار اور ابو قضاعہ ربیعہ بن محمد کے طریق سے ایک غریب اسناد کے ساتھ روایت کیا ہو مثلاً ابو بکر اور ابو قضاعہ کہتے ہیں کہ ہم سے ثوبان ابن ابراہیم نے مالک بن غسان نہشلی نے ان سے انس نے یہ بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ستارہ ٹوٹتا تھا تو اسوقت آپ نے فرمایا کہ اس ستارے کو دیکھو جسکے گھر میں یہ گریگا وہ میرے بعد خلیفہ ہو۔ انس کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا وہ علی کے گھر میں گر گیا اس بات پر بہت سے لوگ کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو علی کی محبت میں گمراہ ہو گئے اسپر یہ مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اوپر کی روایت میں تو ابن عباس پر سارا بارڈالا گیا تھا اور یہاں انس کو پکڑا وہی تماشہ یہاں بھی موجود ہو۔ انس معراج کے وقت مکہ میں تھے ہی نہیں نہ اس آیۃ کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے اسلیئے کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی حضور انور نے مدینہ منورہ آنیسے پہلے انس کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے علاوہ اسکی اسناد میں بہت ہی خرابیاں ہیں یہ ثقات سے ایسی روایتیں نقل کرتا ہے جو صحیح نہیں ہوتیں پھر ثوبان کو لو اگرچہ یہ ذی النون مصری کا بھائی ہو لیکن حدیث بیان کرنے میں ضعیف راویوں کا سرتاج ہے پھر ابو قضاعہ کو لو یہ شخص منکر الحدیث اور متروک الحدیث ہے اب رہی ابو بکر عطار وہ مجہول ہی ان زٹلیات سے غضب خدا کا کلام خدا کی آیتوں کی تفسیر کیجاتی ہو لاحول ولا قوۃ۔

تیسری وجہ سورۂ نجم کا نزول ابتدائے اسلام میں ہوا ہی علی اسوقت بچے تھے اور بالغ بھی نہ ہوئے تھے نہ ابھی خاتون محشر سے ان کی شادی ہوئی تھی نہ نماز کے فرائض نہ زکوٰۃ کے مسائل جاری ہوئے تھے نہ بیت اللہ کا حج نہ رمضان کے روزے اور نہ اسلام کے عام قواعد تلقین کئے گئے تھے پھر یہ امامت کی وصیت کرنے کا امر قبل از وقت کس طرح سے پیدا ہو گیا ادہر تو شیعی علماء اسپر گرے پڑتے ہیں کہ غدیر خم میں حضرت علی کی امامت کی بابت پیغمبر خدا نے

وصیت کی یا اعلان ویا اور پھر یہ کہتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے ہی ایسا ہو چکا تھا۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

چوتھی وجہ۔ تمام مفسروں کا اسپر اتفاق ہے کہ یہ ستارہ جسکی یہاں قسم کھائی گئی ہے اس سے یا تو آسمان کے ستارے مراد ہیں یا قرآن کے ستارے اسکے خلاف یہ کسی نے نہیں کہا کہ اس ستارہ سے وہ ستارہ مراد ہے جو مکہ میں کسی کے گھر میں آپڑا تھا۔

پانچویں وجہ۔ اگر یہ ستارہ عذابی ستارہ تھا تو اس کا کسی شخص کے گھر میں نازل ہونا گھر والے کے لیے باعث امامت یا کرامت ہرگز نہیں ہو سکتا اور اگر یہ آسمانی ستارہ تھا تو آسمانی ستارے جو عظیم الشان کرے ہیں اور جو ہمارے اس کرۂ ارض سے لاکھوں درجے بڑے ہیں اپنے نظام سے علیحدہ ہو کے زمین پر نہیں گر سکتے اور اگر یہ ستارہ شہاب ثاقب میں سے تھا تو شہاب ثاقب شیاطین کو مارنے کے لئے پھینکے جاتے ہیں ان کا زمین پر گرنے کا کوئی کام نہیں ہے اور اگر بطور تفنن اس بات کو مان لیں کہ جس شیطان کے وہ مارا تھا وہ شیطان حضرت علی کے گھر میں گھس گیا تھا تو اسمیں حضرت علی کی کرامت کیا ہے حالانکہ یہ ایک مضحکہ خیز امر ہے اور ایک تعلیم یافتہ انسان کبھی ایسے مزخرفات پر توجہ نہیں کر سکتا۔

شیعی علما کی پانچویں برہان

شیعی علما حضرت علی وغیرہ کی عصمت اور امامت کے بارے میں یہ آیۃ پیش کرتے ہیں۔
انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا یعنی اے نبی کے گھر والو سوائے اسکے نہیں کہ اللہ چاہتا ہے تم سے ناپاکی دور کرے اور تمہیں خوب پاک کرے۔

(بقول شیعی علما) امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں واثلہ بن اسقع سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ علی کو میں ان کے گھر ڈھونڈنے گیا تو فاطمہ زہرا نے یہ جواب دیا کہ وہ رسول اللہ کے پاس گئے ہوئے ہیں۔ میں یہ سنکے باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ اور علی آرہے ہیں چنانچہ وہ مکان میں چلے آئے اور میں بھی انکے ساتھ چلا آیا رسول اللہ نے علی کو اپنے بائیں طرف

بٹھایا فاطمہ زہرا کو دائیں طرف اور حسینؓ کو اپنے آگے پھر انہیں اپنا کپڑا اڑھا دیا اور مذکورہ آیۃ پڑھی

(بقول شیعی علماء) ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ میرے گھر تھے کہ فاطمہ زہرا ایک پتیلی لیئے ہوئے میرے پاس آئیں اس پتیلی میں حریرہ تھا حضرت نے ان سے فرمایا کہ تم اپنے میاں اور دونوں بچوں کو بلا لاؤ وہ گئیں اور تینوں کو بلا لائیں یہ سب اندر آکے بیٹھ گئے اور حریرہ کھانے لگے ان کے نیچے ایک چادر بچھی ہوئی تھی میں اپنی کوٹھری میں نماز پڑھ رہی تھی کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ مذکورہ) آیت نازل فرمائی رسول اللہ نے اسی چادر کا ایک پلہ جو زیادہ نکلا ہوا تھا ان سب کو اڑھا دیا پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ باہر نکال کے آسمان کی طرف اُٹھائے اور فرمایا ہؤلاء اہل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطہیرا (یعنی میرے اہل بیت یہی ہیں پس اے اللہ) تو ان کی ناپاکی دور کردے اور انہیں خوب پاک کردے یہ الفاظ آپ نے کئی دفعہ فرمائے پھر میں نے بھی اپنا سر اس چادر میں کرلیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں فرمایا ہاں تو بھی بہترائی کی طرف ہے۔

(بقول شیعی علماء) اس آیت میں چند تاکیدوں کے ساتھ عصمت کی دلیل ہے اول تو تاکید کے لیئے انما کا لفظ ہے دوسرے خبر میں لام داخل ہے اور تطہیرا کے ساتھ خطاب کرنیمیں ایک قسم کی خصوصیت ہے کہ ان کے سوا اور کوئی معصوم نہیں ہے لہذا علی ہی امام ہوں گے اور انھیں ولایت ہونی چاہیے جس کا اُنھوں نے اپنے چند اقوال میں دعوے بھی کیا تھا چنانچہ ایک موقع پہ فرمایا تھا کہ ابن ابی قحافہ نے امامت زبردستی دبالی ہے حالانکہ وہ خود بھی جانتا ہے کہ امامت میں میرا مرتبہ ایسا ہے جیسا چکی میں کیلی کا مرتبہ ہوتا ہے پس اس دلیل سے علی ہی امام ہوئے۔

جواب

مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اسی قسم کی ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حدیث شیعی علماء نے پیش کی وہ فی الجملہ صحیح ہے مسلم کی یہ حدیث ہے جسکی ناقل حضرت عائشہ صدیقہ ہیں کہ ایک روز صبح کے وقت رسول اللہ باہر تشریف لے گئے آپ ایک سیاہ خط والی اونی چادر اوڑھے ہوئے تھے اتنے میں علی اور حسن آپ کے پاس آگئے

آپ نے انھیں اپنی چادر میں کر لیا پھر حسین آئے انھیں بھی چادر میں لے لیا پھر فاطمہ زہرا آئیں انھیں بھی وہی چادر اڑھادی اور پھر مذکورہ آیۃ پڑھی۔

یہ واقعہ امام احمد اور ترمذی کی روایت میں ام سلمہ سے مشہور ہو لیکن اسمیں نہ اہل بیت کے معصوم ہونے کی کوئی دلیل ہو نہ ان کی امامت کی کوئی دلیل ہو اسی مضمون کی جس سے خداوند تعالیٰ کا ایک چیز کے لیے ارادہ پایا جائے دوسرے اس کے راضی ہونے کا اظہار ہو قرآن مجید میں اور بہت سی آیتیں موجود ہیں جن میں سے ہم چند یہاں نقل کرتے ہیں۔

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔

یرید اللہ لیبین لکم ویہدیکم سنن الذین من قبلکم ویتوب علیکم واللہ علیم حکیم ۝

واللہ یرید ان یتوب علیکم ویرید الذین یتبعون الشہوات ان تمیلوا میلاً عظیماً ۝

ان سب آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ مراد کی محبت اور اس کا راضی ہونا پایا جاتا ہو اور یہی اسنے کل مسلمانوں کے لئے مشروع کیا اور انہیں اسی کا حکم دیا ہو اسمیں یہ نہیں ہو کہ اس اپنی مراد کو اسنے پیدا بھی کر دیا اور نہ اس کا ذکر ہو کہ اسے وہ لکھ چکا اور مقدر کر چکا نہ اس کا یہیں اشارہ ہو کہ یہ ضرور ہی ہونے والا ہے وجہ یہ ہو کہ اس آیت کے نازل ہونیکے بعد حضور انور نے جو یہ دعا کی تھی کہ الٰہی تو پلیدی دور کر کے انہیں خوب پاک کر دے اگر اس آیت میں خداوند تعالےٰ یہ خبر دیتا کہ اسنے ان کی پلیدی دور کر دی ہو اور انھیں خوب پاک کر دیا ہے تو پھر رسول اللہ کو اس دعا مانگنے کی ضرورت نہ ہوتی آپ کا دعا کرنا اس امر کی صاف دلیل ہو کہ نہ ابھی اللہ نے ان کی پلیدی دور کی نہ انہیں پاک کیا۔

قدریہ کا عقیدہ بالکل اس مطلب کا ہمزبان ہے ان کے نزدیک اللہ کے ارادے میں مراد کے پورا ہونے کا ذکر نہیں ہوتا یعنے ان کے نزدیک ضرور نہیں ہو کہ جس کام کا اللہ نے ارادہ کیا وہ ہو ہی جائے بلکہ وہ کبھی ایسے کام کا بھی ارادہ کرتا ہو جو نہیں ہوتا اور کبھی ایسا کام ہو جاتا ہو جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا غرض ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کسی کام کے ارادہ کر لینے میں اس کام کے ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں ہوتی اب تماشہ دیکھئے کہ شیعی علما اور ان کے

بخیال سب قدریہ ہیں مگر اس آیت پر بحث کرنے میں اُنھوں نے اپنے اصول عقائد کو بالائے طاق رکھدیا ہے انھیں کیا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے خلاف خداوند تعالیٰ کے ارادے میں تکمیل کو بھی شریک کریں ان کے عقیدے کے بموجب تو اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے تمام مخلوق کے ایمان لے آنے کا ارادہ کیا تھا مگر اسکی یہ مراد پوری نہیں ہوئی۔

یہ تو قدریہ اور شیعہ کے عقائد اور اصول سے بحث کی گئی ہے اب اہل اثبات کے عقائد سُنئے وہ کہتے ہیں اللہ کی کتاب میں ارادے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ارادہ شرعیہ دینیہ جس میں اللہ کی محبت اور اس کی رضامندی شامل ہے۔ دوسرا ارادہ کونیہ قدریہ جسمیں کام کا پیدا کرنا اور اسے مقدر کرنا شامل ہے پہلے قسم کے ارادے کی مثالیں وہ آیتیں ہیں جو ابھی ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ دوسری قسم کے ارادے کی مثال اللہ کے اس قول میں پائی جاتی ہے فمن یرید اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء یعنی اللہ جسے ہدایت کرنا چاہتا ہے اسکے سینے کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اسکے سینے کو تنگ کر دیتا ہے گویا اسے آسمان پر چڑھنا پڑتا ہے۔

اسی طرح حضرت نوح کا قول قرآن مجید میں خداوند تعالے نے یہ نقل کیا ہے۔ ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم ان کان اللہ یرید ان یغویکم۔

یعنی اگر میں چاہوں تمہاری خیر خواہی کروں . . . . . تو میری خیر خواہی تمہیں کچھ فائدہ نہ دیگی اگر اللہ یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے۔

اکثر قدریہ اور اہل اثبات ارادے کی ایک ہی قسم قرار دیتے ہیں جیسا اُنھوں نے ارادے اور محبت کو ایک ہی چیز ٹھیرایا ہے پھر بعض قدریہ محبت سے ارادے کو علیحدہ کرتے ہیں ان کے نزدیک جسے یہ کہا جائے کہ یہ اللہ کی مراد ہے یعنے اس کا اسنے ارادہ کر لیا ہے تو اس کا ہونا لازم نہیں ہے مثلاً اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ مومنین کی توبہ قبول کر لینے اور انہیں پاک کر دینے کا ارادہ کرتا ہے حالانکہ ان میں بعض ایسے ہیں جنھوں نے توبہ کر لی ہے اور بعض ایسے ہیں جنھوں نے توبہ نہیں کی ہے اسی طرح بعض ایسے ہیں جو پاک ہو گئے اور بعض ایسے ہیں جو پاک نہیں ہوئے اس آیت میں تو صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے پاک کرنے اور پلیدی دور کر دینے کا

اس کے علاوہ خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد ملاحظہ ہو وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین ۔

پھر صحاح میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا میں یہ آرزو رکھتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو دیکھوں صحابہ نے عرض کیا کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں حضور نے ارشاد کیا نہیں میرا یہ مطلب نہیں تم بھی میرے بھائی ہو اور میرے صحابہ ہو ایک وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور بلا مجھے دیکھے مجھپر ایمان لائیں گے" (لہٰذا وہ بھی میرے بھائی ہوئے) جب یہ بات ثابت ہو گئی تو آپ کے اولیاء پرہیزگار مسلمان ہوئے آپ میں اور اُن میں دین کی۔ ایمان کی اور تقوی کی قرابت ہے اور یہ قرابت دینیہ قرابت طبیعیہ سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ جو قرب دلوں اور روحوں کے درمیان ہے وہ اس قرب سے بدرجہا بڑھکے ہے جو اجسام کے درمیان ہے اس لیے ساری خلقت سے افضل آپ کے اولیاء پرہیزگار مسلمان ہیں اب رہے آپکے قرابت داروں میں مومن بھی ہیں کافر بھی ہیں نیک بھی ہیں فاجر بھی ہیں غرض سب طرح کے ہیں ان قرابت دارون کی فضیلت اگر ہو سکتی ہے تو ایمان اور تقوے کی وجہ سے اور اسی وسیلے سے وہ حضور کے اولیا بن سکتے ہیں اس کے مقابلہ میں نسب یا قرابت کی وجہ سے وہ حضور کے اولیا نہیں ہو سکتے۔

یقینا اور بلاشک ہر شخص کی سمجھ میں یہ بات آگئی ہوگی کہ آپ کے اولیاء مرتبہ میں آپ کی آل سے زیادہ ہیں اب رہا ان پر درود بھیجنا تو اس درود سے یہ لازم نہیں آتا کہ جن پر درود بھیجی جائے وہ درود نہ بھیجنے والے سے افضل ہیں یا وہ لوگ جنپر درود بھیجی گئی ہو حضور انور کے اُن اولیاء سے افضل ہو جائیں جنپر درود نہیں بھیجی جاتی اس سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ تمام انبیاء اور مرسلین حضور انور کے اولیاء میں داخل نہیں ہیں یقینا داخل ہیں اور ہیں حالانکہ یہ انبیاء اور مرسلین آپ کے سارے اہل بیت سے افضل ہیں اگرچہ وہ تابع ہو کے آپ کے ساتھ درود میں داخل نہ ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مفضول میں کبھی کوئی امر مخصوص بھی ہوا کرتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس خاص امر سے یا اس خصوصیت سے وہ مفضول فاضل سے افضل ہو جائے۔

اَبْ سوال یہ ہے کہ اگر شیعی علمایا اور لوگ ان کے ہمخیال بنکے یہ کہنے لگیں کہ قرآن مجید اس ارادے کے ہو جانے پر دلالت نہیں کرتا جو اہل بیت کو پاک کرنے اور انکی پلیدی کو دور کرنیکی بابت کیا گیا ہے لیکن یہ بات تو تسلیم کرنی پڑے گی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا کرنا اسکے ہو جانے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ آپ کی دعا مقبول ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف اس دعوے کے ثبوت پر ہرگز دلالت نہیں کرتا اور یہاں ہمارا مقصود فقط یہی ظاہر کرنا ہے شیعی علما نے جو دعوے پاکیزگی ثابت کرنے اور پلیدی رفع کرنے کی بابت کیا تھا وہ موہنہ کے بل زمین پر گر پڑا پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ایسا دعوی عصمت اور امامت پر دلالت کرتا اب رہا حدیث سے استدلال کرنا یہ علیحدہ بحث ہے۔

اس کے علاوہ ہم یہ مانتے ہیں کہ اہل بیت کے پاک ہونے اور اُنکی پلیدی دور کرنے پر قرآن بعض ولالت کرتا ہے جیسے کہ مقبول دعا کا مقتضا یہ ہے کہ جنکے حق میں وہ دعا کی گئی ہو وہ اس کے مستحق ہوں تو بھی اسمیں کوئی ایسا امر نہیں ہے جو ان کی خطا سے معصوم ہونے پر دلالت کرتا ہو وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بیوں کو اللہ نے جو حکم دیا ہے کہ اُنہیں کسی سے کوئی خطا سرزد نہ ہو تو اس کا خداوند تعالی نے ارادہ نہیں کیا کیونکہ خطا تو اُن کی اور اُن کے سوا اور سب کی بخشدیجاتی ہے سیاق آیہ یہ چاہتا ہے کہ اللہ یہ ارادہ اسلیئے کرتا ہے تاکہ ان کا وہ رجس دور کرے جو پلیدی ہے جیسے فواحش اور انہیں اس عیب سے خوب پاک کرنا دو طرح ہے۔

اوّل یہ جیسا خداوند تعالی نے فرمایا ہے وثیابک فطھر۔

دوم۔ اس قول خداوندی میں ہے انھم اناس یتطھرون۔ ازواج کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لھا العذاب ضعفین۔

گناہ سے پاک ہونا یا تو یہ ہے کہ بندہ اسے کرے ہی نہیں یا یہ ہے کہ کرکے توبہ کرے اصل یہ ہے کہ وہ پاکیزگی جس کا اللہ نے ارادہ کیا ہے اور جسکی حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی وہ باتفاق عصمت نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک تو سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی معصوم نہیں ہے مگر شیعوں کا قول یہ ہے کہ سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور امام کے کوئی معصوم نہیں ہے پھر اس قول کے بموجب حضور کی ازواج اور صاحبزادیوں

وغیرہ خواتین میں عصمت تسلیم نہیں کی گئی وہ عصمت جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور امام کے لیے مختص ہے اور جب انکی یہ صورت ہو تو اس پاکیزگی میں جسکی فاطمہ زہرا، علی، حسن اور حسین کے حق میں دعا کی گئی ہے اس عصمت کے دائرے میں نہیں آتی جو حضور انور کیساتھ مختص ہے اور بقول شیعی علماء امام کے ساتھ بھی۔

پس حضور انور کی اس دعا کر نیمیں کسی کیلیے عصمت ہونیکی دلیل نہیں ہے حضرت علی کے لیئے اور کسی کے لیے کیونکہ یہ دعا پاکیزہ کرنے کی ہے جسمیں یہ چاروں برابر ہیں اسمیں کسی کی کچھ خصوصیت نہیں ہے پھر ملاحظہ فرمائیے کہ قدریہ کے قاعدے کے مطابق گناہوں سے معصوم ہونے کی دعا کرنا بالکل ممتنع ہے بلکہ پاکیزہ کرنے کی دعا بھی ان کے خیال کے بموجب ممتنعات میں شامل ہے کیونکہ وہ افعالِ اختیاریہ جو فعل واجبات اور ترکِ محرمات ہیں ان کے نزدیک اللہ کی قدرت میں نہیں ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نہ بندے کو مطیع کر سکتا ہے نہ عاصی اور نہ وہ کسی کو گناہوں سے پاک یا ناپاک کر سکتا ہے غرضکہ ان کے قاعدے کے بموجب کسی کے حق میں بھی یہ دعا کرنا ممتنع ہے اللہ تعالیٰ کسی شخص کو واجبات ادا کرنے والا اور محرمات ترک کرنے والا کر دے اس کے مقابلہ میں وہ یہ کہتے ہیں کہ مقدور قدرتی طور پر خیر و شر کرنے کی قابلیت رکھتا ہے جیسا کہ تلوار مسلمان اور کافر دونوں کی گردن کاٹنے کی قابلیت رکھتی ہے اور جیسا کہ مال طاعت اور معصیت دونوں میں خرچ ہو سکتا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ اس قدرت کی وجہ سے بندہ سب کچھ اختیار سے کرتا ہے خواہ نیکی کرے یا بدی قدریہ کا یہ قاعدہ شیعی علماء کی حجت کو بالکل باطل کر دیتا ہے اور جو حدیث شیعی علماء اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں الٹا انہیں کے حق میں وہ مضر ٹھیرتی ہے کیونکہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پاک کر دینے کی دعا کی تھی۔

اب اگر یہ کہیں کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل بیعت کی مغفرت کر دے اور ان سے مواخذہ نہ کرے اس سے بھی عصمت کی دلیل نہیں نکلتی ہر پہلو سے دیکھ لو ثبوت عصمت کے لیے کسی طرح بھی یہ حدیث دلیل نہیں ہو سکتی۔

پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ خود حضرت علی نے بھی اس کا دعوے کیا تھا اور جب انسے رجس کی نفی یعنی پلیدی دور ہونی ثابت ہو گئی تو وہ سچے ہوئے اس کا جواب بھی چند طرح سے ہے۔

اول یہ کہ ہم اسے تسلیم ہی نہیں کرتے کہ حضرت علی نے ایسا دعویٰ کیا تھا بلکہ ہم یقیناً اور صراحتاً

جانتے ہیں کہ عثمان غنی کے شہید ہونے تک کبھی حضرت علی کی زبان سے امامت کے دعوے کا ایک لفظ بھی نہیں نکلا ممکن ہو کہ ان کے دل میں امام بننے کی آرزو ہو لیکن اپنی زبان سے اُنھوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں امام ہوں معصوم ہوں یا مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مقرر کر دیا تھا نہ حضرت علی نے کبھی یہ کہا کہ میری متابعت لوگوں پر واجب تھی اور نہ اس قسم کے اور کچھ الفاظ مونھ سے نکالے ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ جتنے یہ الفاظ یا ایسے ہی اور الفاظ حضرت علی کی طرف سے نقل کیے ہیں بیشک اس شخص نے ان پر بہتان عظیم اُٹھایا اور ان کے ذمے جھوٹ رکھا ہمیں پورا پورا یقین ہو کہ حضرت علی متقی اور سچے تھے وہ ایسا جھوٹا دعویٰ جسکے جھوٹ ہونے کا سارے صحابہ یقین جانتے ہوں کبھی نہیں کرسکتے تھے باقی حضرت علی کی طرف سے یہ نقل کرنا کہ اُنھوں نے خود فرمایا تھا کہ ابن ابی قحافہ نے امامت بزور دبالی ہو حالانکہ یہ میرا حق ہو میں ایسا ہوں جیسے چکی میں قطب یہ بھی محض غلط ہو حضرت علی نے کبھی ایسا دعویٰ نہیں کیا اس نقل کی ایسی اسناد کہاں ہیں کہ ثقہ راویوں نے مسلسل حضرت علی تک انھیں نقل کیا ہو یہ اسناد کبھی کسی طرح قیامت تک نہیں مل سکتیں ہاں اس قسم کی باتیں نہج البلاغۃ وغیرہ کتابوں میں درج کر دی گئی ہیں جنکی حالت اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہو کون نہیں جانتا کہ نہج البلاغۃ کے اکثر خطبے حضرت علی پر افترا اور محض بہتان ہیں کیونکہ وہ پہلی کسی کتاب میں نہیں پائے جاتے نہ ان کی کوئی معروف سند ہو پھر شیعی علما حضرت علی کا یہ قول کہاں سے نقل کرتے ہیں نہج البلاغۃ کے خطبوں کی مثال تو یہی ہو کہ اسکے بزرگوں میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا نہ پہلے سے اس کا یہ دعویٰ تھا تو پھر اسے جھوٹا سمجھنے میں کونسا امر مانع ہو اسیطرح منقولات کا حال ہو کیونکہ جو روایت نقل کیجائے اس کا معروف اور ثابت ہونا اس شخص سے جس سے وہ نقل کیگئی ہو ضروری ہو یہاں تک کہ اس کا سلسلہ ہم تک پہنچ جائے اور جب یہ کیفیت نہیں ہو اور اسکے خلاف ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ کسی شخص نے ایک کتاب تصنیف کی اور اسمیں حضور انور صدیق اکبر۔ عمر فاروق۔ عثمان غنی۔ اور حضرت علی کے خطبے نقل کر دیے مگر اس نقل کرنے والے سے پہلے معروف اسنادوں کے ساتھ ان خطبوں کو علماء میں سے کسی نے نقل نہیں کیا اسوقت ہم قطعی طور پر یہ جان لینگے کہ بے شک یہ جھوٹ ہو۔

نہج البلاغۃ کے خطبوں میں ایسے امور بہت سے درج ہیں جو حضرت علی کے صحیح اقوال کے بالکل متناقض ہیں یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے کہ نہج البلاغۃ کے اکثر خطبوں کے غلط ہونیکی ہم وجوہات بیان کریں بلکہ ہمیں تو یہ حق حاصل ہے کہ ہم ان کی صحت نقل کا مطالبہ کریں خداوند تعالیٰ نے مخلوق پر یہ واجب نہیں کیا کہ جس امر کے حق ہونیکی کوئی دلیل نہ ہوا کرے تو وہ اسے بھی حق مان لیا کرے بلکہ یہ اتفاق منع ہے خاصکر ان علماء کے نزدیک جو تکلیف مالایطاق کے ممتنع ہونے کے قائل ہیں اسمیں شک نہیں کہ یہ اعلیٰ درجہ کی تکلیف مالایطاق ہے لہذا خلافت کے بارے میں ایسی حکایتوں سے حضرت علی کا دعویٰ کوئی انسان کیونکر ثابت کر سکتا ہے۔

۴۰۰ھ ہجری میں جبکہ جھوٹ بولنے والوں کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ ہو چکا تھا ایسی حکایتوں کا غلغلہ افتادہ کہانیاں اور قصے ایجاد ہوئے کہ پناہ بخدا انہیں مذہبی جامہ پہنایا گیا اور عوام کی طبایع کا رجحان دیکھ کے اس قسم کی حکایتوں کے موجدوں نے ایسی کامیابی حاصل کی کہ اب تک ایک فرقہ میں ان کی کامیابی اسی طرح سے دایم و قایم ہے کسی نے ان سے صحتِ نقل کا مطالبہ نہیں کیا جو بات اپنے دل میں آگئی یا اپنے خیالات کے موافق ہوئی اسے بے چون و چرا مان لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج مخلوقِ خدا کا ایک معقول حصہ اوہام باطلہ اور فاسد خیالات کی بھول بھلیوں میں پڑے ٹوئیاں مار رہا ہے۔

دوم ہم تھوڑی دیر کے لئے مانے لیتے ہیں کہ حضرت علی نے ایسا ہی کہا تھا لیکن شیعی علماء یہ بات کیونکر ثابت کر سکتے ہیں کہ اس کہنے سے حضرت علی کی یہ مراد تھی کہ میں امام معصوم ہوں مجھ پر نص ہو چکی ہے۔ ہم شیعی علماء سے پوچھتے ہیں کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت علی نے اپنے اس خیال کی وجہ سے کہ سب سے افضل اور سب سے زیادہ امامت کا حقدار میں ہی ہوں یہ ارادہ کر لیا ہے کہ میں ہی مستحق تھا اور سوائے میرے کوئی مستحق نہ تھا مگر اسوقت انہوں نے اپنے اس کہنے میں عمداً جھوٹ بولنے کا قصد نہ کیا ہو اور صرف اپنے اجتہاد سے کہدیا ہو۔

اجتہاد کبھی صحیح ہوتا ہے کبھی غلط رجس کی نفی کے باعث وہ خطا سے باتفاق معصوم نہیں ہوئے اس لئے کہ اہل بیت سے خطا دور کر دینے کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کیونکہ شیعی عقیدے کے بموجب یہ ارادہ کرنا اسکی قدرت ہی میں نہیں ہے شیعی علماء رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ

ائمہ کو بھی معصوم مانتے ہیں مگر ان کے معصوم ہونے کی کوئی حجت اور دلیل وہ پیش نہیں کرتے۔ اب خیال تو کیجیے کہ خواہ مخواہ آیۂ تطہیر کو عصمت اور امامت کے ثابت کرنے کے لیے کس بے تکے اور بھونڈے پن سے حجت اور دلیل بنالی مگر اس امر کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی کہ جھوٹ بولنا بھی پلیدی میں داخل ہے یا نہیں تاکہ اللہ کی پلیدی دور کرنے سے جھوٹ بولنا بھی دور ہو جاتا اور اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ پلیدی دور ہو گئی تھی تو اس پلیدی کے دور ہونے سے کسی جھوٹ کا دور ہونا لازم نہیں آتا۔ سب سے زیادہ تماشے کی بات ہے شیعی علماء ادھر تو یہ دعو کرتے ہیں کہ ہم قرآن سے اپنی حجت بیان کرینگے مگر ساتھ ہی ساتھ اپنی حجت کو قوی کرنیکے لیے ایک غلط اور موضوع روایت پیش کر دیتے ہیں اخیر تک اسی پر زور دیے چلے جاتے ہیں قرآن شریف میں تو کوئی لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو امامت اور عصمت تو ایک طرف اس پلیدی ہی کے دور کرنے پر دلالت کرتا ہو نہ اسکی کوئی دلیل ہے کہ جھوٹ اور خطا اس پلیدی میں داخل ہے جسکے دور کرنے کا اللہ نے ارادہ کیا تھا اور نہ کہیں اسکی کوئی دلیل ہے کہ حضرت علی نے یہ بات کہی لیکن یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی صحیح بھی ہو تو وہ بھی بغیر چند مقدمات کے صحیح نہیں ہو سکتی جو قرآن مجید میں نہیں ہیں پھر بھلا امامت پر دلالت کرنے والی براہین قرآن مجید میں کہاں سے آئیں اسپر بھی اگر کوئی مجنونانہ دعویٰ کرے کہ قرآن مجید میں امامت پر دلالت کرنے والی براہین موجود ہیں تو اس شخص کو سوا فاتر العقل کے اور کیا کہہ سکتے ہیں

شیعی علماء کی چھٹی برہان

اول قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی گئی ہے۔ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا بالغدو والاصال ہ رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب والابصار یعنے جن مکانوں میں اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم کیجائے اور ان میں اس کا نام پڑھا جائے ان مکانوں میں صبح شام اسکی پاکی بیان کرتے ہیں وہ لوگ کہ انھیں اللہ کی یاد کرنے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ کوئی

تجارت غافل کرتی ہی اور نہ کوئی خرید و فروخت وہ ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔ فقط۔

(بقول شیعی علمار) ثعلبی نے اسناد کے ساتھ انس اور بریدہ سے روایت کی ہو وہ دونوں کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تو ایک آدمی نے کھڑے ہوکے پوچھا یا رسول اللہ وہ مکانات کونسے ہیں۔ حضور نے فرمایا انبیار کے مکانات پھر ابوبکر نے کھڑے ہوکے کہا یا رسول اللہ یہ گھر بھی ان ہی میں سے ہی یعنی علیؓ اور فاطمہ زہرا کا گھر فرمایا ہاں یہ ان سے بھی افضل ہے۔

پس اس آیۃ سے اس گھر کے مردوں کی ایسی تعریف کی گئی ہو جو اُن کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہو بنا اس دلیل کے علی ہی امام ہوئے ورنہ مفضول کا مقدم کرنا اور افضل کا مؤخر کرنا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں ہی۔

جواب

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

گر ہمیں مکتب است وایں ملا
کار طفلان تمام خواہد شد

ہمارے خیال میں اس قسم کی بے ربطی اور لغویت کسی جاہل کے استنباط مسائل میں بھی نہ ہوگی نفس آیت کو تو امامت وغیرہ سے کچھ سروکار ہی نہیں مگر جو فرضی روایت پیش کی گئی ہو وہ بھی کچھ ایسی بے سروپا اور اٹکل پچو ہے کہ الٰہی توبہ۔

تماشہ تو یہ ہو کہ بیچارا ایک ثعلبی ہاتھ لگ گیا ہو بس! جو روایت اُسنے گھڑ دی وہی آنکھوں پر رکھ لی گئی اور اس سے سروکار نہ رکھا گیا کہ یہ صحیح ہو یا غلط ایسی ہی باتوں سے اس مذہب کی پوری شان پائی جاتی ہو اور شیعی مذہب کی صداقت پر بھی اس سے پوری روشنی پڑتی ہو خیال تو کیجئے کہ اس روایت کی صحت کی کیا سند ہو دوسرے محض ثعلبی کی طرف اسے منسوب کرنا نہ شیعوں اور نہ سنیوں میں حجت ہو سکتا ہو۔ اور نہ یہ درست ہو کہ اگر جمہور میں سے کسی نے نقل کر دیا ہو وہ جمہور کے نزدیک ضرور ہی حجت ہو بلکہ علمائے جمہور سب اسپر متفق ہیں کہ جو حدیث ثعلبی اور اس جیسے اور روایت کریں وہ کبھی حجت نہیں

ہو سکتی۔ خواہ وہ ابوبکر و عمر کی فضیلت میں ہو خواہ احکام میں سے کسی حکم کے ثابت کرنے میں ہو ہاں اسوقت وہ قابل توجہ ہو سکتی ہے کہ اس کا ثبوت کسی طریقہ سے بخوبی ہو جائے۔

یہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ ثعلبی وغیرہ صحیح و ضعیف دونوں طرح کی حدیثیں روایت کرتے ہیں اسپر علماء کا اتفاق ہے کہ محض ثعلبی کا روایت کر دینا اس کے اتباع کرنے کو واجب نہیں کرتا۔ علماء اسے حاطب لیل کہتے ہیں (اس کا بھی ذکر اوپر ہو چکا ہے) چونکہ اس کی جمع کردہ روایتوں میں صحیح غلط دونوں کا انبار ہے اس لیے ابو محمد حسین بن مسعود بغوی نے بہت کچھ اسکی روایتوں میں کتر بیونت کر کے اسکا خلاصہ کر لیا ہے۔ ثعلبی حدیث و فقہ میں کچھ بڑے پایہ کا شخص نہیں ہے اسے تو مفسرین اور نحویوں کے اقوال اور انبیاء علیہ السلام کے قصے خوب یاد تھے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ابو محمد حسین نے اپنی تفسیر میں ثعلبی کی موضوع احادیث کو بالکل نہیں لیا اور ان موضوعات میں یہ روایتیں داخل ہیں جو شیعی علماء اپنی برہانوں میں پیش کر رہے ہیں۔

ابو محمد حسین نے جن صحیح حدیثوں کو ثعلبی سے لیا ہے اُنھیں بھی ثعلبی کی طرف منسوب نہیں کیا اس خیال سے کہ علماء ثعلبی کا نام دیکھ کے چونکتے ہیں اس لیے اُسنے ان احادیث کو صحیح بخاری سے منسوب کر دیا ہے۔

دوسرے یہ کہ ماہرین حدیث کے نزدیک یہ حدیث بالکل موضوع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے حدیث نے اسے اپنی ان کتابوں میں ذکر نہیں کیا جن کا حدیث میں اعتبار کیا جاتا ہے جیسے صحاح۔ سنن۔ مسانید۔ باوجودیکہ ان کتابوں میں کبھی کبھی کوئی ضعیف حدیث بھی نکل آتی ہے بلکہ صریح جھوٹی بھی لیکن ایسی حدیثیں شاذ و نادر ہی نکلتی ہیں۔

باقی یہ حدیث جسپر بحث ہو رہی ہے ایسی ظاہر باہر غلط ہے جس کا ذکر ان کتابوں میں آہی نہیں سکتا۔

تیسرے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مسجدوں کے بارے میں ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ الخ بھلا خیال تو کیجئے کہ حضرت علی کا گھر اس صفت

کے ساتھ کیونکر موصوف ہو سکتا ہے۔

چوتھے۔ سب مسلمانوں کا اسپر اتفاق ہے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ کا گھر علی کے گھر سے بدرجہا افضل ہے اور باوجود اس فضیلت کے وہ اس آیۃ میں داخل نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی بابت تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ لا تدخلوا بیوت النبی اور فرمایا واذکرن ما یتلی فی بیوتکن۔

پانچویں یہ کہنا کہ وہ انبیا علیہم السلام کے گھر ہیں بالکل جھوٹ ہے کیونکہ اگر یہ اس طرح مان لیا جائے تو باقی مسلمانوں کا تو اس میں کوئی حق اور حصہ نہ رہے گا حالانکہ اللہ کا یہ فرمانا یسبح لہ فیھا بالغدو والآصال ان پر عاید ہوتا ہے جو اس صفت کے ہوں۔

چھٹے فی بیوت اذن اللہ ان ترفع میں نکرہ موصوفہ ہے کوئی معین نہیں ہے۔ نکرہ کے بعد اللہ کے اس قول ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ سے اگر وہ ذکر اور نماز مراد لیجائے جو مسجدوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ جو گھروں میں ہوتی ہے تو پھر اس میں اپسے مسلمانوں کے اکثر گھر داخل ہوجائیں گے جو اس صفت کے ساتھ متصف ہیں اسوقت انبیاء علیہ السلام کے گھروں کی کچھ خصوصیت نہیں رہے گی۔

اور اگر اس سے اس ذکر کا ہونا مراد ہے جو پانچوں وقت کی نمازوں میں ہوتا ہے اور جو مساجد ہی سے خصوصیت رکھتا ہے تو پھر یہ آیت مسجدوں ہی کے ساتھ مخصوص رہے گی۔

اب رہے انبیاء کے گھر اور مساجد ان میں کس کو کس پر فضیلت ہے اس کا فیصلہ آسان ہے ایک معمولی شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ خدا اور رسول میں جتنا فرق ہے اتنا ہی فرق خانہ خدا اور خانہ رسول میں ہے

ساتویں اگر انبیاء کے گھروں میں سے وہ گھر مراد ہیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم رہتے تھے تو مدینہ میں سوائے حضور انور کی پاک ازواج کے اور کسی کا گھر نہیں تھا۔ پھر اس آیت میں حضرت علی کا گھر کیونکر داخل ہو سکتا ہے۔

اور اگر اس سے وہ گھر مراد ہیں جن میں ایک آدھ دفعہ انبیاء کا گزر ہو چکا ہے تو اس طرح حضور انور رسول خدا اپنے اکثر اصحاب کے گھر گئے ہیں۔

غرض اس حدیث میں جونسی بھی صورت مراد لیجائے یہ تخصیص ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی کہ انبیاء کے گھروں میں صرف ایک علی ہی کا گھر ہو باقی ابوبکر، عمر اور عثمان وغیرہ کے گھر ان میں نہیں ہیں جب یہ خصوصیت ثابت نہ ہوئی تو رجال کے لفظ میں جو آیت میں آیا ہے علی وغیرہ سب برابر ہیں

آٹھواں جواب

جن لوگوں کا اس آیت میں ذکر ہو اُن کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ اُنھیں اللہ کے ذکر سے نہ کوئی تجارت غافل کرتی ہو اور نہ کوئی خرید و فروخت. باقی اس آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہو جو اس بات پر دلالت کرے کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے نہ اس میں اللہ کے اس وعدہ کا ذکر ہو جو اس نے اسکی جزا دینے کا اُن سے کیا بلکہ اسمیں فقط ان کی تعریف ہو مگر اس تعریف سے یہ لازم نہیں آتا کہ جبکی اللہ تعریف کرے اور جنت دینے کا اس سے وعدہ کرے تو وہ اوروں سے افضل ہو جائے. پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہو جیسا کہ شیعی علما کہتے ہیں کہ جناب امیر ہی حضرت علی اور صحابہ سے افضل ہیں۔

نواں جواب

بفرض محال ہم تھوڑی دیر کے لیے مان لیتے ہیں کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہو کہ جنکی تعریف کی گئی ہو وہ محض اسی تعریف کی حیثیت سے اُن لوگوں سے افضل ہیں جن میں یہ صفت نہیں پائی جاتی لیکن شیعی علما نے یہ کیونکر تسلیم کر لیا کہ یہ صفت علی ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

نہیں نہیں یہ ہرگز درست نہیں ہے یاد رکھو اس میں کسی کی خصوصیت کبھی نہیں ہوسکتی ہر شخص جو اللہ کے ذکر سے نماز پڑھنے سے. زکوٰۃ ادا کرنے سے نہ کوئی تجارت غافل کرے نہ کوئی خرید فروخت غفلت میں ڈالے ساتھ ہی وہ روز قیامت سے بھی ڈرتا رہے وہی اس صفت کے ساتھ موصوف ہو سکتا ہو۔ شیعی علما کیونکر اس بات کو ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ صفت سوائے حضرت علیؓ کے اور کسی میں نہیں تھی۔

دیکھو آیت میں رجال کا لفظ آیا ہے اس سے صاف پایا جاتا ہو کہ جنکی یہ صفت بیان کی گئی ہو وہ بہت سے آدمی ہیں نہ کہ ایک آدمی پس یہ آیت اس بات پر صاف دلالت کرتی ہو کہ یہ کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں ہو بلکہ اس میں علیؓ وغیرہ سب برابر ہیں اور سب برابر ہوئے تو ان میں ایک دوسرے کو افضل قرار دینا محال بلکہ ناممکنات سے ہے۔

دسواں جواب

اس کے بعد ہم شیعی علمار کی خاطر سے یہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ اس صفت میں حضرت علی اوروں سے افضل ہیں مگر یہ افضل ہونا امامت کو کیونکر ثابت کر سکتا ہو باقی مفضول کو فاضل سے مقدم ہونے کا امتناع اگر تسلیم کر لیا جائے تو وہ اُن مجموعی صفات میں ہے جو امامت کے مناسب ہوں ورنہ یہ بات نہیں ہو سکتی کہ جو شخص کسی عمدہ خصلت میں افضل ہو جائے وہ ہی امام ہونے کا بھی مستحق ہو اور اگر اس بات کو قرار دے لیں تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہو کہ صحابہ میں ایسے بہت سے موجود ہیں جنھوں نے دین خدا کی حمایت میں سرکش، عہد شکن اور باغی مشرکوں کو زیادہ قتل کیا ہو اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے حضرت علیؓ سے کہیں زیادہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا ہو اور بعض ایسے ہیں جو نماز روزہ میں حضرت علیؓ سے کہیں زیادہ تھے۔ بعض ایسے ہیں جنکا علم حضرت علیؓ سے بہت بڑھا ہوا تھا یاد رکھو جس طرح انبیا میں سے ایک نبی میں وہ تمام اوصاف نہیں ہو سکتے جو کل انبیا میں ہوں اسی طرح صحابہ میں بھی ایک صحابی میں وہ اوصاف نہیں ہو سکتے جو کل صحابہ میں ہوں بلکہ خود مفضول میں ان امور کی ایک قسم ہو سکتی ہو جسکی وجہ سے وہ فاضل سے ممتاز ہو جاتا ہے لیکن تفضیل میں ہمیشہ مجموعی صفات کا اعتبار ہوا کرتا ہو اور اس سے کوئی بالغ نظر انکار نہیں کر سکتا۔

شیعی علما کی ساتویں بُرہان

(بقول شیعی علما) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ یعنی (اے نبی) کہدو کہ میں تم سے اس (دین کی تبلیغ) پر کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر (میرے ساتھ قرابت داروں کی سی محبت کرو) شیعی علما کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے قرابت دار کون لوگ ہیں جن سے محبت کرنا ہم پر واجب ہے؟ حضور نے فرمایا علی اور فاطمہ اسی طرح ثعلبی کی تفسیر میں ہے اور ایسے ہی صحیحین میں بقول شیعی علما اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ علی کے سوا اور صحابہ سے محبت کرنا واجب نہیں ہے لہذا علی ہی افضل ہوئے اور وہ ہی امام ہوئے پھر شیعی علما دوسری دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی مخالفت کرنا محبت کرنے کے منافی ہے اور ان کے حکموں کی اطاعت اور پیروی کرنا ان سے محبت کرنا ہے پس انکی اطاعت واجب ہوئی اور یہی معنے امامت کے ہیں۔ فقط

جواب

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

لاحول ولا قوۃ الا باللہ اسقدر جھوٹ تو ہمارے خیال میں ایسے صاف اور کھلے الفاظ میں کسی نے بھی نہیں بولا ہوگا سب سے پہلے تو ہم اس حدیث کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہمیں اس بات کا کامل یقین ہے کہ تمام شیعی دنیا مل کے بھی اس کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتی۔ اسکے علاوہ اس سفید جھوٹ اور طوفان عظیم کو دیکھیے جو امام احمد پر اٹھایا گیا ہے امام احمد کی مسند میں کہیں بھی یہ روایت نہیں ہے مگر اس سے بھی زیادہ طوفان عظیم اور دلخراش جھوٹ اور غلیظ بہتان صحیحین پر باندھا گیا ہے حالانکہ صحیحین میں اس روایت کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے بلکہ لطف یہ ہے کہ تینوں کتابوں یعنے مسند اور صحیحین میں اس کے منافی حدیث موجود ہے اس سے زیادہ ناواقفیت مسلمانوں کی کتابوں سے اور کیا ہو سکتی ہے ایسی بہت سی کتابیں شیعی علما کی ہماری نظر سے گذری ہیں جنمیں نہایت ہی غلط طور پر جس حدیث کو چاہا اسکی سند دیا کبھی صحیحین کیطرف حدیثوں کو منسوب کر دیا کبھی مسند امام احمد کی طرف کبھی مغازی کی طرف کبھی موفق خطیب

خوارزم کی طرف کبھی ثعلبی وغیرہ کی طرف. سب سے بڑی چوٹی کی کتاب شیعوں میں اس قسم کی اس نام کی ہو طرائف فی الرد علی الطوائف. یہ کتاب عجیب تماشے کی ہے جو شخص اسے دیکھے وہ سناٹے میں رہجائے کہ کتنا دلیر مصنف ہو کہ اُس نے چند روایتیں خود گھڑیں یا اپنے کسی دوستوں سے عاریتاً لیں اور پھر صاف طور پر لکھدیا کہ یہ مسلمانوں کی فلاں فلاں کتاب میں ہیں اس کے علاوہ اور دوسری کتاب لیجیے وہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کے ہو اور اس کا نام عمدہ رکھا گیا ہے اس کے مصنف کا نام ابن البطریق ہو اس سے زیادہ اور تماشے کی بات سنئے ابو جعفر محمد بن علی اس صفت میں سب سے بڑھا چڑھا ہو اسکی بھی کئی کتابیں تصنیف سے ہیں اُسکی اور اسکے احباب کی اکثر روایتیں جو مسند اور صحیحین وغیرہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں ہم نے خود ایک ایک روایت کو اچھی طرح سے ان کتابوں میں دیکھا جن سے وہ نسبت دی گئی ہیں. معلوم ہوا کہ بڑی سخت چالاکی کیگئی ہے اور نسبت سراسر باطل اور جھوٹ ہو۔

امام احمد نے ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی۔ چاروں کے فضائل میں ایک کتاب تصنیف کی ہو اس کتاب میں وہ ایسی حدیث بھی روایت کرتے ہیں جو اُن کی مسند میں نہیں ہو مگر یہ یاد رکھیے کہ اگر امام احمد اپنی مسند میں کوئی حدیث روایت کریں تو اُس سے یہ کبھی لازم نہیں آسکتا کہ وہ حدیث امام احمد کے نزدیک ضروری حجت ہو امام احمد کے حالات سے جو شخص واقف ہو وہ اُسے اچھی طرح جانتا ہو کہ امام احمد وہ حدیثیں روایت کردیتے ہیں جو اہل علم نے روایت کی ہیں ہاں یہ بات ضروری ہو کہ اُنھوں نے مسند میں ایک شرط کی ہو اور وہ یہ ہو کہ جو لوگ اُن کے نزدیک جھوٹ میں مشہور ہوں گے اُن کی کوئی حدیث روایت نہ کریں گے اور یہ ہم علے الاعلان کہتے ہیں کہ مسند میں بہت سی ضعیف حدیثیں موجود ہیں. اسی طرح ابو داؤد نے بھی اپنی سنن میں یہی شرط لگائی ہو. اب رہی فضائل کی کتابیں ان میں وہ حدیثیں روایت کردیتے ہیں جو اُنھوں نے اپنے استادوں سے سُنی ہیں خواہ وہ صحیح ہوں یا ضعیف کیونکہ اسمیں اُنھوں نے مثل مسند کے یہ قصد اور التزام نہیں کیا تھا کہ جو حدیث میرے نزدیک ثابت ہوگی وہ روایت کردوں گا۔

سب سے زیادہ آفت یہ نازل ہوئی ہی کہ امام احمد کے صاحبزادے نے اس میں بہت سی زیادتیاں کردی ہیں اور جو کچھ اس نیک نصیب سے کسر رہ گئی تھی وہ ابوبکر قطیعی نے پوری کردی۔ جتنی حدیثیں ابوبکر قطیعی نے بڑھائی ہیں اُن میں بہت سی موضوع ہیں پس فاضل شیعی علماء نے اس ہاتھا چھانٹی سے فائدہ اُٹھا کے اہل علم کی آنکھوں میں خاک ڈالنی چاہی اور اُنھوں نے ایک حد تک جہلا کو گمراہ کردیا مگر علماء نے اس پردہ کا تار تار الگ کرکے دکھا دیا جس سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوگیا۔

بزیر جامہ نہاں کردہ برص لیکن بچشم اہل بصیرت برہنہ مے آئی

اہل علم سے کوئی بات نہیں چھپی رہ سکتی ممکن ہی کہ کچھ عرصہ کے لیئے بے علم اس سے دھوکہ کھا گئے ہوں مگر اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ امام احمد نے صحابہ کے فضائل میں جو کتاب لکھی ہی اسمیں سب طرح کی حدیثیں موجود ہیں۔ کیونکہ اس میں امام موصوف نے کسی طرح کا التزام نہیں کیا۔ پھر قطیعی کی زیادتیوں نے اور بھی غضب ڈھا دیا کیونکہ وہ ان لوگوں سے نقل کرتا ہی جو امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ کے طبقے میں ہیں اور اگر اُسنے کہیں بڑا کمال کیا ہی اور وہ درحقیقت یہی کمال کرسکتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ امام احمد سے روایت کرتا۔ مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہی کہ امام موصوف نے اپنے اخیر زمانہ میں حدیث کا روایت کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا خلیفہ وقت نے جب امام سے حدیث پڑھنی چاہی تو امام ڈر گئے اور اُنھیں یہ خوف ہوا کہ میں کہیں فتنہ میں نہ پھنس جاؤں اس خوف سے اُنھوں نے حدیث کا توغل چھوڑ دیا تاکہ اس بلائے عظیم سے جان بچ جائے آپ کا یہ قاعدہ تھا کہ اپنے اُستادوں کی کوئی حدیث سند کے ساتھ ذکر کردیتے تھے مگر یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم سے فلاں نے یہ حدیث بیان کی اُب جو لوگ اس قسم کی حدیث کو اُن سے سنتے تھے وہ اُن کی طرف سے اُسے روایت کردینے پر خوش ہوتے تھے اور پھر عام طور پر وہ حدیث اُنھیں کی روایت کردہ قرار پا جاتی تھی۔

قطیعی جسکا ذکر اوپر ہوچکا ہے جب اس نے اندھا دھند روایتیں ذکر کرنا شروع کیں تو لوگ یہ سمجھ گئے کہ یہ سب امام احمد کی روایتیں ہیں حالانکہ بالکل غلط ہی ایسی موضوع روایتوں کو اُن سے کبھی نسبت نہیں دے سکتے وجہ یہ ہی کہ ان جھوٹی روایتوں کے راوی نہ تو طبقات کی کچھ خبر

رکھتے ہیں اور نہ انھیں یہ معلوم ہو کہ قطیعی یا اُس کے اُستادوں سے روایت کرنے کو امام احمد اچھا نہیں سمجھتے تھے مگر جہات کا بُرا ہو کہ اُس نے کم علم لوگوں کی نظروں میں وہ دکھا دودھ اور پانی کا پانی الگ نہ کرنے دیا ہر ایک بات یا ہر ایک روایت کی نسبت بے تامل سند سے دیدی اور یہ خیال نہ کیا کہ جب مسند مٹولی جائے گی تو اُس میں یہ روایت نہیں مِلنے کی قطیعی اور اُس کے اُستادوں کی روایتیں بدقسمتی سے سب امام احمد کی طرف نسبت دیدی گئیں۔ جب یہ غلط سلسلہ قطیعی اور اُس کے استادوں کی وجہ سے نکل آیا تو کتاب طرائف اور عمدہ کے مصنفوں نے موضوع حدیثوں کو آنکھ بند کر کے امام احمد کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ وہ روایتیں امام احمد نے کبھی کہیں ذکر نہیں کیں نہ مسند میں نہ اور کسی کتاب میں نہ اُنھیں کبھی سُنا فقط قطیعی کی مہربانی سے وہ کم علم لوگوں کی نظروں میں بدنام ہو گئے کیونکہ اس بے باک شخص نے جسقدر روایتیں جمع کی ہیں اُن میں فی صدی پچانوے بالکل جھوٹ اور موضوع ہیں جسے اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں شیعی علما حسب عادت کتاب العمدہ اور طرائف جیسی پُر از موضوعات کتابوں سے روایتیں نقل کیا کرتے ہیں۔ اَب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ حدیث جسپر بحث ہو رہی ہے اور جسے امام احمد کی مسند کی طرف نسبت دیا گیا ہو آیا کتاب العمدہ سے لی گئی ہو یا طرائف سے جبکہ مسند اور صحیحین سے اسلامی دنیا کا گوشہ گوشہ پُر ہو پھر یہ دلیری سمجھ میں نہیں آتی کہ اس جھوٹی حدیث کو کیوں ایسی مشہور کتابوں کی طرف نسبت دیدی ایسی جھوٹی حدیث تو وہی روایت کرتا ہو جو حاطب اللیل ہو اور یہ صفت ثعلبی وغیرہ میں ہو جو بلا تمیز کھوٹی کھری سب کو نقل کر دیتے ہیں۔

دوسری وجہ

تمام محدثوں کا اسپر اتفاق ہو کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی اور موضوع ہو حدیث کے پرکھنے میں اہل علم ہی کیطرف رجوع کیا جاتا ہو اور اُنھیں کا فیصلہ معتبر ہوتا ہو یہ حدیث ان کتابوں میں جن کے معتبر ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہو نہیں پائی جاتی۔

تیسری وجہ

یہ آیت سورۂ شوریٰ میں ہے اور تمام علمار اسلام کا اسپر اتفاق ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے بلکہ تمام حوامیم مکی ہیں اسی طرح الم احسب بھی مکی ہیں یہ سب جانتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی شادی حضرت خاتون محشر یعنی فاطمۃ الزہرا سے غزوہ بدر کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی تھی اور حسنین جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے ۳ھ ہجری میں پیدا ہوئے تو اس شادی اور ان کے پیدا ہونے سے کئی برس پہلے یہ آیت نازل ہو چکی تھی پھر بھلا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اس آیت کی تفسیر حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اُن قرابت دار دن کی محبت سے کرتے جو ابھی عالم ظہور میں نہیں آئے تھے۔

چوتھی وجہ

صحیحین میں اسی آیت کی تفسیر ابن عباس سے مروی ہے جو شیعی علما کی گھڑی ہوئی تفسیر کے بالکل خلاف اور متناقض ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ابن عباس سے کسی نے اس آیت کا مطلب پوچھا تو انھوں نے یہ بیان کیا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کی قرابت داری کے بارے میں تم کسی طرح کی ایذا نہ پہنچاؤ۔ پھر ابن عباس نے مجھے فرمایا کہ تمنے جواب کے دینے میں جلدی کر دی اصل بات یہ ہے کہ قریش میں کوئی خاندان ایسا نہیں ہے جس سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی قرابت داری نہ ہو اس لیے آپ نے فرمایا تھا کہ اس دین کی تبلیغ پر میں تم سے کچھ نہیں مانگتا صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس قرابت داری کا خیال رکھو اور اسی کی وجہ سے سلوک سے رہو جو مجھ میں اور تم میں ہے۔ فقط

یہ سمجھ لو کہ ابن عباس ترجمان اور مفسر قرآن ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ حضرت علی کے سوا تمام اہلبیت کا یہ قول تھا کہ اس آیت کے یہ معنے نہیں ہیں کہ قرابت داروں سے محبت رکھو بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اے اہل عرب اور اے قریشی خاندانو! اس دین پر تم سے میں کسی طرح کی مزدوری نہیں مانگتا لیکن اتنا چاہتا ہوں کہ تم اس قرابت کا خیال رکھو جو میرے اور تمہارے درمیان میں ہے۔ غرض یہ ہے کہ آپ نے اس خیال کے رکھنے اور صلۂ رحمی کرنیکا سوال اُن سب لوگوں سے کیا تھا جن کی طرف آپ اول مبعوث ہوئے تھے کہ وہ لوگ آپ پر

کسی طرح کی زیادتی نہ کریں تاکہ آپ اپنے پروردگار کی رسالت کی تبلیغ پورے طور پر آسانی سے کرسکیں۔

پانچوین وجہ

قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے یہ فرمایا ہو لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ یہ نہیں فرمایا کہ الا المودۃ للقربےٰ نہ یہ فرمایا الا المودۃ لذوی القربیٰ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر قرابت داروں ہی سے محبت رکھنے کی مراد ہوتی تو الا المودۃ لذوی القربیٰ فرمایا جاتا جس طرح خداوند تعالیٰ نے اور جگہ فرمایا ہو واعلموا انما غنمتم من شئ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربےٰ پھر فرمایا ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ فللہ وللرسول ولذی القربےٰ اور اسی طرح یہ آیت فآت ذا القربےٰ حقہ والمسکین وابن السبیل اسی طرح اور کئی جگہ قرآن مجید میں موجود ہی، خلاصہ یہ ہی کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں اور دوسرے شخص کو اپنی قرابت داروں کے حقوق ادا کرنے کی بابت قرآن شریف میں جہاں کچھ ذکر کیا گیا ہو وہاں سب جگہ ذوی القربیٰ کہا گیا ہو فی القربیٰ کہیں نہیں کہا گیا جب اللہ نے یہاں اسم یعنے ذی القربیٰ کو چھوڑ کے مصدر یعنے القربیٰ فرمایا ہو تو اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ اللہ کی منشا یہاں ذوی القربیٰ امراد نہیں ہو۔

چھٹی وجہ

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کی رسالت کی انجام دہی پر کبھی کسی سے اُجرت نہیں مانگی بلکہ آپ کی مزدوری یا اُجرت اللہ پر تھی (اس کا ذکر اوپر بھی کہیں آچکا ہو) خداوند تعالیٰ نے کئی مقامات پر اسکی نسبت فرمایا ہو قل لا اسئلکم علیہ من اجر وما انا من المتکلفین اور ام تسئلھم اجرا فھم من مغرم مثقلون اور فرمایا قل ما سألتکم من اجر فھو لکم ان اجری الا علی اللہ ایسی کوئی مسلمان شک نہیں کرسکتا کہ حضور انور کے اہلبیت سے ہر مسلمان کو محبت رکھنی واجب ہی لیکن اسکا واجب ہونا اس آیت سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا نہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان سے محبت رکھنا حضور انور کی مزدوری یا اُجرت ہو۔ سنن میں حضور انور سے مروی ہو آپ نے فرمایا قسم ہو اللہ کی لوگ جنت میں نہ جائیں گے

جب تک اللہ سے اور میرے قرابت داروں سے محبت نہ رکھیں اُب جس نے اہلبیت سے محبت رکھنے کو حضور کی مزدوری ٹھیرا دیا ہے اور اپنے خیال میں آپ کی مزدوری آپ کو ادا کر چکا تو اسنے بہت بڑی غلطی کی کیونکہ اگر یہ محبت کرنی آپ کی مزدوری ہی ہوتی تو ہمیں اسپر کیا ثواب ملتا اس لیے کہ ہم نے آپ کی وہی مزدوری دی ہے جس کے رسالت کی وجہ سے آپ مستحق تھے کبھی کوئی مسلمان ایسی بات موئھ سے نہیں نکال سکتا۔

ساتوین وجہ

القربیٰ معرف باللام ہے لہذا جن لوگوں کے بارے میں حضور انور کو یہ حکم ہوا ہے کہ تم اُن سے یہ کہدو کہ میں اسپر کچھ مزدوری نہیں مانگتا اسوقت جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے نہ حضرت علی رض کا فاطمۃ الزہرا سے نکاح ہوا تھا نہ حسنین پیدا ہوئے تھے پس ایسی حالت میں وہ قرابت جسے اس آیت کے مخاطب لوگ جانتے تھے وہ یہ قرابت یعنے حسنین اور علی وغیرہ کی ہرگز نہیں ہوسکتی برخلاف اس قرابت کے جو حضور انور اور ان لوگوں میں تھی اور اس سے وہ خوب واقف تھے۔

آٹھوین وجہ

اگر بفرض محال یہ مان لیں کہ اس آیت میں بغیر استدلال کے حضرت علی سے محبت رکھنا اور ان کی موالاۃ کا قائل ہونا واجب ہے تو بھی یہ کیونکر پایا گیا کہ اس محبت اور اس موالاۃ کے واجب ہونے میں ایسا کوئی امر موجود ہے جس سے ان کی امامت کی خصوصیت نکل آئے کہ وہی امام ہوں اور اُن کے سوا کوئی دوسرا امام نہ ہو اور نہ یہ صفات ان کی فضیلت کی کوئی دلیل ہوسکتے ہیں۔

اُب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ خلفائے ثلاثہ کی موالاۃ واجب نہیں ہے محض لغو اور بیہودہ ہے مثل حضرت علی رض کے اُن سے بھی محبت رکھنا اور اُن کی بھی موالاۃ کا قائل ہونا یقیناً واجب ہے کیونکہ یہ صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ اُن سے محبت رکھتا ہے اور جس سے اللہ محبت رکھے اُس سے محبت رکھنا ہم پر واجب ہے اس لیے کہ محبت اور عداوت اللہ کی رضامندی کی ہونی چاہئیں اور یہی

اعلیٰ درجہ کا ایمان ہی۔ قرآن مجید صاف طور پر شہادت دے چکا ہی کہ اللہ اُن سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور جس سے اللہ راضی ہوا اس سے وہ محبت بھی ضرور رکھتا ہی صحیحین میں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہی آپ نے فرمایا آپس میں محبت رکھنے اور ترحم اور تعاطف سے پیش آنے میں سارے مسلمان مثل ایک جسم کے ہیں اگر جسم کے ایک حصّہ میں کچھ دکھ درد ہو جائے تو سارے اعضا مضمحل ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ ہی جیسا کہ حضور انور نے ہمیں صاف طور پر بتا دیا ہو کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور تراحم و تعاطف سے پیش آتے ہیں ہٰذا جس طرح حضرت علی کا ایمان ثابت ہوا ہی اسی طرح راشدین صحابہ کا ایمان ثابت ہو چکا ہی یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ جو شخص ان لوگوں کے ایمان میں قدح کرے وہ علیؓ کے ایمان کو ثابت کر سکے۔ یاد رکھو اور خوب سمجھ لو کہ جو دلیل علیؓ کے ایمان کی دوگے وہی دلیل راشدین خلفاء کے ایمان پر اور بھی زیادہ قوی ہوگی اور جس طریقہ سے تم ان صحابہ میں قدح کروگے اُسی طریقہ پر اس کا اُس کی بہتر کی جواب دیا جائیگا تمام شیعی دنیا بلکہ بھی راشدین صحابہ پر کوئی ایسا اعتراض نہیں کر سکتی جو حضرت علیؓ پر وارد نہ ہوتا ہو۔ کسی کی مجال نہیں کہ جن باتوں سے راشدین صحابہ پر قدح ہو سکتا ہی اس سے حضرت علیؓ علیحدہ کر دئے جائیں

اَب اس بات کو سمجھیے کہ جو فرقے حضرت علی سے بغض و عداوت رکھتے ہیں یہاں تک کہ سرے سے اُن کے مسلمان ہی ہونے کے قائل نہیں ہیں اُن پر شیعی علماء کسی طرح بھی حجت قایم نہیں کر سکتے۔ اگر خارجی شیعی علماء سے یہ دریافت کریں کہ تمھیں علی کا مسلمان اور نیک ہونا کس طرح معلوم ہو گیا اگر وہ یہ جواب دیں کہ ان کا مسلمان اور نیک ہونا نقل متواتر سے معلوم ہوا ہی تو اُن سے یہ کہا جائے گا کہ یہی نقل ابوبکر۔ عمر۔ عثمان اور ان کے علاوہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سب کے بارے میں موجود ہی بلکہ ان بزرگان دین کی نیکیاں کرنے کی متواتر نقلیں معارضہ سے سالم اور اُس متواتر نقل سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہیں کہ جو علیؓ کے بارے میں ہی۔ اور اگر شیعی علماء زبردستی کرکے یہ بات پیش کریں کہ حضرت علیؓ کے ایمان لانے پر قرآن دلالت کرتا ہی تو اس کا جواب یہ ہی کہ قرآن مجید تو کسی خاص نام پر کبھی دلالت نہیں کرتا بلکہ عام ناموں پر دلالت کرتا ہی جیسا کہ اللہ کا یہ قول ہی لقد رضی اللہ عن المومنین

اُب رہا حدیثوں کے متعلق حجت پیش کرنی کہ حدیثوں سے حضرت علی کا ایمان اور فضیلت ثابت ہوتی ہو یا نزول قرآن سے جو اُن کی شان میں ہو اُن کی اعلیٰ درجہ کی فضیلت کا ثبوت ملتا ہو اسکا جواب یہ ہو کہ راشدین صحابہ کے فضائل کی حدیثیں حضرت علی کے فضائل کی حدیثوں سے بہت زیادہ اور صحیح ہیں اس کے علاوہ دوسری یہ بات ہو کہ یہ حدیثیں جو حضرت علی کے فضائل ہیں ہیں اُنھیں فقط اُنہیں صحابہ نے نقل کیا ہو جن کی مشتبہ حالت ہو پس اگر ان پر شبہ کرنا صحیح ہو تو اُن کا نقل کرنا قابل اعتبار نہیں اور اگر فرض کیجیے کہ شبہ غلط ہو تو اُن کی روایت کردہ اُن حدیثوں کو بھی لیا جاے گا جو صحابائے ثلاثہ کے فضائل میں ہیں۔ مطلب یہ ہو کہ شیعی علماء کا یہ قول بالکل غلط ہو کہ سوائے علی کے صحابائے ثلاثہ سے محبت کرنا واجب نہیں۔ ایسا قول یا قیاس جمہور کے نزدیک بالکل باطل ہو۔ صحیحین میں حضور انور سے مروی ہو کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہو فرمایا عائشہ سے اُس نے عرض کیا مردوں میں فرمایا عائشہ کے باپ سے صحیح میں یہ بھی روایت ہو کہ فاروق اعظم نے سقیفہ کے دن ابو بکر سے یہ کہا تھا کہ آپ ہمارے سردار اور ہم سب سے بہتر ہیں اور حضور انور سب سے زیادہ آپ سے محبت کرتے تھے فاروق اعظم کے قول کی تصدیق اس سے ہوتی ہو جو صحاح میں متعدد طریقوں سے آیا ہو کہ حضور انور نے فرمایا لو کنت متخذا من اهل الارض خليلا لاتخذت ابا بكر خليلا ولكن مودة الاسلام یہ حدیث اس امر کو صاف ظاہر کرتی ہو کہ تمام روے زمین کے آدمیوں میں حضور کی محبت اور دوستی کا حقدار ابو بکر سے زیادہ کوئی نہ تھا جب حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو بکرؓ سے محبت ہوئی تو پھر اس میں کیا کلام رہا کہ خداوند تعالیٰ کو بھی ابی بکر سے ایسی ہی محبت تھی پس جس سے اللہ کو اور اللہ کے رسول کو سب سے زیادہ محبت ہو وہی اس امر کا زیادہ مستحق ہو کہ مسلمان بھی زیادہ اس سے محبت کریں ایمان کی شان یہی ہو کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے پسندیدہ کو پسند کیا جائے۔

وہ دلیلیں جن سے یہ پایا جاتا ہو کہ محبت کرنے میں ابو بکر سب سے زیادہ حقدار ہیں اس کثرت سے ہیں اور ساتھ ہی صحیح بھی ہیں کہ دوسرے شخص کے دلائل ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے چہ جائیکہ اب کوئی یہ کہے کہ مفضول سے محبت کرنی واجب ہو اور فاضل سے محبت

کرتی واجب نہیں باقی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ علیؓ کی مخالفت کرنا محبت کرنے کے منافی ہو اور اُن کے حکموں کی پیروی کرنا اُن سے محبت رکھنا ہو لہٰذا ان کی اطاعت واجب ہوئی اور یہی امامت کے معنے ہیں۔

اس کا جواب بھی کئی طرح سے ہو اول یہ کہ اگر محبت اطاعت کو واجب کرتی ہو تو محبت ذوی القربیٰ کی بھی واجب ہو اس صورت سے اُن کی اطاعت بھی واجب ہو گئی تو اس سے یہ لازم آئیگا کہ خاتون محشر حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا بھی ضرور امام ہوں کیونکہ ان سے بھی محبت رکھنی واجب ہے اور اگر ان کا امام ہونا باطل ہو تو علیؓ کا امام ہونا اور بھی زیادہ باطل ہوا۔

دوسرے یہ کہ محبت و امامت لازم و ملزوم نہیں فرض کرو کہ جس شخص کی محبت واجب ہو یہ کیونکر کہہ سکتے ہو کہ اسوقت اس کا امام ہونا بھی ضروری ہو اسکی دلیل یہ ہو کہ حسنین سے اُن کے امام ہونے سے پہلے محبت رکھنی واجب تھی اسی طرح حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت علی سے محبت رکھنی واجب تھی حالانکہ وہ امام نہیں تھے اسی طرح اخیر زمانہ تک ان کی محبت واجب رہی یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی کے شہید ہونیکے بعد انھیں امامت ملی۔

تیسرے یہ کہ محبت واجب ہونے کے لیئے امام ہونا واجب ہے تو اس میں یہ قباحت ہو کہ اس لازم کے نہ ہونے سے اس ملزوم کا بھی نہ ہونا لازم آتا ہو کیونکہ شیعی قاعدہ کے مطابق اسکی محبت واجب ہو کہ جو امام معصوم ہے اس سے یہ لازم آئے گا کہ مسلمانوں میں کوئی ایک دوسرے سے محبت نہ کرے کیونکہ وہ امام نہیں ہو نہ علی کے شیعہ نہ اور کوئی مگر یاد رکھو کہ یہ گور کھ دھندا اجماع کے خلاف ہی نہیں ہو بلکہ دین اسلام کے بھی بالکل مخالف ہو۔

چوتھے شیعی علمار کا یہ کہنا کہ مخالفت محبت کے منافی ہوا کرتی ہے اس کا جواب یہ ہو کہ ہم دریافت کرتے ہیں کہ مخالفت محبت کی کس صورت میں منافی ہوتی ہو آیا اسوقت جب اس نے خود اپنی اطاعت کا حکم دیا ہو اور کسی نے اسکی مخالفت کی ہو یا اُسکے بغیر حکم دئے بھی اسکی مخالفت کی ہو۔ دوسری صورت تو صریح باطل ہو کیونکہ اس کے بغیر حکم دئے اسکی مخالفت کسی طرح سے ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اب رہی پہلی صورت اس کا ہمیں یقین ہو اور یہ بات تواتر سے ثابت ہو کہ ابوبکر

عمر و عثمان کی خلافت میں علیؓ نے اپنی اطاعت کرنے کا کسیکو حکم نہیں دیا پھر وہ امام کس طرح ہو سکتے ہیں۔

پانچویں یہ کہ یہی بات بعینہٖ خلفائے ثلاثہ کے حق میں بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ اُن سے محبت اور دوستی رکھنی اور اُن کی موالاۃ ماننی واجب تھی جس کا پہلے بیان ہو چکا ہے اور اس بارے میں اُنکی مخالفت کرنی قباحت پیدا کرتی ہے۔

چھٹے یہ کہ اس حدیث سے خلفائے ثلاثہ کی ترجیح ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگ اُنکی ولایت اور اطاعت کی طرف اوروں کو بلاتے تھے اور اُنہوں نے خود بھی امامت کا دعویٰ کیا تھا اور اللہ نے ان کی اطاعت کرنی واجب کر دی تھی لہٰذا اُنکا مخالف اللہ کا دشمن ہے فقط

شیعی علماء کی آٹھویں برہان

(بقولِ شیعی علماء) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ یعنے اور آدمیوں میں سے کوئی (ایسا بھی) ہے جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان (تک) بیچ ڈالتا ہے۔

(بقول شیعی علماء) ثعلبی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو آپنے علی بن ابی طالب کو اپنا جانشین کر دیا اس غرض سے کہ وہ آپ کا قرضہ ادا کر دیں اور جو امانتیں آپ کے پاس رکھی تھیں وہ واپس دیدیں اس کے علاوہ جس شب کو آپ غار کی طرف روانہ ہوئے تھے اور مشرکوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ اس غرض سے کر لیا کہ آپ کو قتل کر ڈالا جائے اور آپ زندہ نکلنے نہ پائیں تو پیغمبر خدا نے علی سے کہا کہ اے علی تم میری یہ سبز چادر اوڑھ لو اور میرے بستر پر سو جاؤ تمہیں انشاء اللہ تعالیٰ اُن کی طرف سے کوئی تکلف نہ پہونچے گی۔ چنانچہ علی نے حکم کی تعمیل کی اسپر اللہ نے جبرئیل اور میکائیل کی طرف یہ وحی بھیجی کہ میں نے تم دونوں میں بھائی چارہ قایم کر دیا ہے آج سے تم دونوں ایک دوسرے کے بھائی ہو اور تم دونوں میں سے ایک کی عمر میں نے بہت زیادہ کر دی ہے پس تم میں آئیا

کونسا ہی جو زندہ رہنے میں اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دے ان میں سے کسی نے بھی دوسرے کو ترجیح نہ دی بلکہ دونوں نے اپنا ہی زندہ رہنا پسند کیا اسپر اللہ نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ ان دونوں کو دیکھو کہ علی بن ابی طالبؓ بھی مقابلہ نہیں کر سکتے کہ میں نے ان میں اور محمدؐ میں مواخاۃ کر دی تھی پھر علی اپنی جان سپر بنا کے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بستر پر سو گئے اور اُن کے زندہ رہنے کو اپنے پر ترجیح دی اب تم دونوں زمین پر اُترو اور علی کی اُن کے دشمن سے حفاظت کرو۔ یہ دونوں زمین پر اُترے جبرئیل تو علی کے سرہانے کھڑے ہو گئے اور میکائیل جانب پائین۔ جبرئیل نے علی سے کہا اے ابن ابو طالب شاباش تمہاری حالت پر اللہ بھی فخر کرتا ہی پھر خداوند تعالیٰ نے علی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی جو اوپر لکھی جا چکی ہی جسوقت یہ آیت نازل ہوئی رسول اللہ مدینہ منورہ کو جا رہے تھے ابن عباس کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ غار کی طرف چلے اسوقت علی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی یہ فضیلت ایسی ہی کہ علی کے سوا اور کسیکو نصیب نہیں ہوئی۔ اسی فضیلت سے علی تمام صحابہ سے افضل ہیں لہذا وہی امام ہوئے۔

جواب

اول سے آخر تک ثعلبی کا پیٹنا چلا آتا ہی اس مردے خدا کے متعلق ہم گزشتہ صفحات میں جو کچھ لکھ چکے ہیں وہی کافی ہی۔ جس طرح ہم نے اور روایتوں کی صحت کا مطالبہ کیا ہی اس روایت کی صحت کا بھی مطالبہ کرتے ہیں ثعلبی کی یہ روایت کردہ حدیث کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی۔ یہ روایت مرسل متاخر ہی اور ثعلبی نے اسکی اسناد ذکر نہیں کی۔ ممکن ہی کہ ثعلبی نے خود یہ روایت نہ گھڑی ہو بلکہ دوسروں کی گھڑی ہوئی روایت بغیر جانچے اس نے نقل کر دی ہو۔

دوسرے یہ روایت بالاتفاق تمام علمائے حدیث اور علمائے سیر کے جھوٹی ہی۔

تیسرے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مکہ کے قریش صرف حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اور ابو بکر صدیق کے دشمن تھے باقی ان دونوں کے قرابت داروں سے انہیں کوئی تعرض نہ تھا کیونکہ جب ان سب صحابہ نے مکہ سے ہجرت کی ہی تو ان کے

بال بچے مکہ ہی میں رہ گئے تھے اور قریشوں نے کسی قسم کی تکلیف اُن کو نہیں دی حضرت علی اگرچہ کم سن تھے مگر اِس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ قریشوں کی کوئی مخالفت میرے ساتھ نہیں ہو جبکہ حضور ایک عرصہ تک محصور رہے تو حضرت علی برابر شہر میں آیا جایا کرتے تھے اور کوئی شخص اُن سے کچھ تعرض نہ کرتا تھا خود حضور انور کو بھی اس کا یقین تھا کہ اگر میں علی کو اپنے بستر پر سُلا دُونگا تو علی کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوگا اگر حضور کو بھی اسمیں شک ہوتا کہ قریش مجھے نہ پا کے علی پر حملہ کر دیں گے تو آپ کی حمیت ہرگز اسکی مقتضی نہ ہوتی کہ صرف اپنی جان بچانے کے لیے وہ اپنے چھوٹے سے چچازاد بھائی کو اپنے پر قربان کر دیتے کوئی شخص کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو کبھی اس بات کو تسلیم نہیں کرنے کا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) جیسا اولوالعزم نبی محض اپنی جان بچانے کے لئے اپنے چھوٹے سے بھائی کو قربان کرے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ شیعی علما نے کس لحاظ سے اس روایت پر اعتبار کر لیا کہ حضرت علی آپ پر جان دینے کے لیے تیار ہوئے۔ جان دینے کا تو وہاں کوئی موقع ہی نہ تھا جبکہ پورا یقین تھا کہ قریش کو ان سے کچھ مزاحمت نہیں ہی پھر جان دینے کا قیاس کس طرح ہو سکتا تھا۔ ہاں اگر ابوبکر کی طرف خیال کریں تو بے شک اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ابوبکر نے اپنا سر ہتیلی پر رکھ کے اپنی نبی کا ساتھ دیا انہیں اس بات کا یقین تھا کہ اگر نبی پر کوئی آنچ آئیگی تو میں نہیں بچ سکتا کیونکہ قریشوں نے دو انعام جاری کئے تھے ایک نبی کی گرفتاری کا اور ایک ابوبکر کی گرفتاری کا۔ قریشوں نے ڈھنڈورا پٹوا دیا تھا کہ اگر کوئی محمد کو پکڑ کے لائے گا تو اُسے یہ انعام ملے گا اور ابوبکر کو پکڑ کے لائے گا تو اسے یہ انعام ملے گا یہ ایسی حدیث سے ثابت ہی جس کے صحیح ہونے میں کوئی اہل علم شک نہیں کر سکتا جس صورت سے ابوبکر اپنے نبی کے ساتھ غار تک پہنچے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ حضور انور کی جان بچانے کے لیے اور پوری حفاظت کرنے کے لیے آپ کو کسقدر تلا ملی اور گھبراہٹ تھی کبھی آپ آگے آگے چلتے تھے کبھی پیچھے پیچھے اور کبھی چکر کھاتے۔ غرض ان حکمتوں کے ساتھ اپنے نبی کو لیکے غار تک پہنچے اس کے علاوہ اور بہت سے صحابہ ایسے ہیں جنہوں نے لڑائیوں کے موقعوں پر حضور انور پر واقعی اپنی جان قربان کر دی تھی ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ کے سامنے

سینہ سپر ہو کر قتل ہو گئے اور آپ پر آنچ نہ آنے دی طلحہ بن عبد اللہ کا حال کس کو پوشیدہ ہی جنہوں نے دشمنوں کے تیروں کی بوچھاڑ کو صرف حضور انور کے بچانے کے لیے اپنے ہاتھ پیروں پر روکا اور اُن کا سارا جسم چھلنی ہو گیا مگر اُن کا قدم نہیں ڈگمگایا اور وہ برابر سینہ سپر رہے۔ اسمیں حضرت علی کی کچھ خصوصیت نہیں کیونکہ اگر ہم اسے فضیلت گردانتے ہیں تو نہ صرف علی بلکہ اور بھی صحابہ ان کے ساتھ اس امر میں برابر ہیں اس لیے کہ حضور انور کا سینہ سپر ہونا ہر مسلمان پر واجب ہی مگر صحیح واقعات پر نظر کر کے بلا رعایت یہ کہنا پڑتا ہی کہ حضرت علی کو اسوقت کچھ بھی خوف نہ تھا لہذا وہ ان صحابہ کی برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے علانیہ تلواروں کے سایہ میں حضور انور پر اپنی جان تصدق کر دی اور قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔

ابن اسحٰق باوجودیکہ حضرت علی ہی کی طرف مائل ہیں اور حمایت کرنے میں ان کا درجہ اوروں سے بڑھا ہوا ہے اُنھوں نے بھی اپنی سیرت میں یہ لکھا ہی کہ جس شب کو کفار نے آنحضرت صلعم کے قتل کرنے کا مشورہ کیا تو جبریل آپ کے پاس آئے اور یہ کہا کہ آج آپ اپنے بستر پر نہ سوئیے یہ کہکر جبریل چلے گئے جب اندھیرا ہو گیا تو مشرکین جمع ہو کر دروازہ پر آپ کی گھات میں بیٹھ گئے تاکہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سو جائیں تو وہ آپ پر حملہ کریں جب نبی نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو آپ نے علی سے کہا کہ تم میرے بستر پر سو جاؤ اور میری یہ سبز چادر اوڑھ لو کیونکہ تمہیں کسیطرح کی تکلیف نہیں پہنچ سکتی معمر بن کعب قرظی سے مروی ہی وہ کہتے ہیں جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے تو نبی کے مکان کے دروازہ پر آ کر کھڑے ہوئے اُن میں ابوجہل بھی تھا وہ ان لوگوں سے کہنے لگا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) یہ کہتا ہی کہ اگر تم اسکے حکم پر چلوگے اور اُسکی پیروی کروگے تو عرب و عجم کے تم ہی بادشاہ ہو جاؤگے اور مرنے کے بعد تم اُٹھائے جاؤگے اور تمہیں باغات ملیں گے اگر تم ایسا نہ کروگے تو تمہیں ذبح کر دیا جائے گا اور مرنے کے بعد جب تمہیں اٹھایا جائے گا تو تمہیں آگ میں ڈالدیا جائیگا ابوجہل یہ ذکر کر رہا تھا کہ حضور انور دروازہ پر آئے اور اُن کے بیچ میں سے ہو کر نکل گئے مگر آپ کو کسی نے نہ دیکھا۔ پھر ان کے پاس ایک شخص آیا اُس نے کہا تم کس کا انتظار کر رہے ہو بولے محمد کا وہ شخص بولا تم بھی عجیب بے وقوف ہو اللہ کی قسم محمد تو ابھی تم میں سے ہو کر گئے ہیں

تم سب کے مونہوں پر خاک پڑ گئی وہ اپنا کام پورا کر کے چلے گئے اور تم اُنھیں نہ دیکھ سکے گر قریش شبہ میں رہے اُنھوں نے کواڑوں کی دڑاڑوں میں سے جھانکا تو بستر خالی نہ پایا خوش ہوئے کہ یہ شخص غلط کہتا ہے محمد ابھی اپنی چادر اوڑھے ہوئے سو رہے ہیں قریش رات بھر اس بات کا انتظار کرتے رہے کہ محمد بستر پر سے اُٹھیں تو انھیں قتل کریں مگر صبح کو جب اُنہوں نے بجائے محمد کے علی کو اٹھا ہوا دیکھا تو سخت مایوس ہو گئے اور کہنے لگے کہ وہ شخص سچ کہتا تھا واقعی محمد نکل گئے اپنا مونہ نوچتے اور دانت پیستے رہ گئے۔

پھر قرآن شریف کی یہ آیت ملاحظہ ہو فاذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین یعنے (اے نبی وہ وقت یاد کرو) جب کافر تم سے فریب کرتے تھے تاکہ تمہیں قتل کر دیں یا تمہیں مکہ سے نکالدیں اور وہ (اسکی) تدبیر کرتے تھے اور اللہ (بھی اپنی) تدبیر کرتا تھا اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے فقط اس آیت پر غور کرو اور اس کا مطلب سمجھو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بچانے والا سوائے اللہ پاک کے اور کوئی نہیں ہے اسی نے اپنے پیارے نبی کو مدد دی اور وہی مشرکوں کے نرغہ سے بچا کے لیگیا۔

اس کے علاوہ خداوند تعالیٰ نے اپنے برحق نبی کو ہجرت کرنے کی اجازت دیدی تھی حضور انور نے چلتے وقت حضرت علی سے صاف طور پر یہ فرما دیا تھا میری یہ سبز چادر اوڑھکے تم سو رہو کیونکہ تمہیں مشرکین مکہ کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ گویا حضور کا علی کے ساتھ یہ وعدہ تھا اور آپ کا وعدہ یقیناً سچا ہوتا تھا۔ حضرت علی پر کیا منحصر ہے کوئی کیسا ہی مسلمان کیوں نہ ہوتا وہ حضور کے حکم کی تعمیل کرتا اور حضور کے وعدہ پر اُسے پورا بھروسہ ہوتا علیؓ کو چونکہ اپنی جان کا پورا اطمینان ہو گیا تھا اسلیئے وہ بلا تامل آپ کی سبز چادر اوڑھ کر آپ کے پلنگ پر سو رہے۔

چوتھے شیعی علماء کا فرشتوں والی حدیث کا گھڑ لینا ایک پُرانی مشق ہے جو آغاز زمانہ سے چلی آتی ہے۔ جبرئیل اور میکائیل میں مواخاۃ کا قایم کرنا اور پھر زیادہ زندہ رہنے پر دونوں فرشتوں کی باہم گلغپ یہ ایسا فسانہ ہے جو خود اپنی آپ تردید کرتا ہے۔ فرشتوں میں کہیں مواخاۃ

ہونے کی کوئی اصل نہیں ہو اسکی بابت ہم زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے غضب خدا کا خوشنودی
شد بحث پھر اُن میں عداوت کا ہونا۔ پھر اُنہیں حضرت علی کے پاس سبق سیکھنے کے لئے
بھیجنا ایک ایسا سفید جھوٹ ہو جو بلا ضرورت خداوند تعالیٰ پر بولا گیا ہے اور جس کی
لغویت عیاں ہے۔

پانچویں یہ کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کبھی حضرت علی سے مواخاۃ کی نہ
اور کسی سے۔ اس بارے میں جتنی روایتیں آئی ہیں سب جھوٹی ہیں۔ اور مواخاۃ کی وہ
حدیث جسمیں یہ چڑے چڑیا کی کہانی روایت کی گئی ہے نہ صرف ضعیف ہو بلکہ یقیناً باطل
ہو اس کے علاوہ مواخاۃ کا فرضی قصہ مدینہ منورہ سے تعلق رکھتا ہو نہ کہ مکہ سے اسی طرح
اسے ترمذی نے روایت کیا ہو باقی مکہ میں علی سے مواخاۃ ہوتی ہر صورت سے باطل اور غلط ہے
اس کے علاوہ تمام محدثوں کا اسپر اتفاق ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور اس کا ذکر پہلے
بھی ہو چکا ہو کہ نہ وہاں حضرت علی کو اپنی جان کا قربان کرنا مقصود تھا نہ حضور انور کے زندہ
رہنے کو ترجیح دینا تھا۔

چھٹے۔ یہ کہ آیت سورۂ بقرہ میں ہو اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہو کہ سورۂ بقرہ اسوقت
نازل ہوئی کہ جب حضور انور مدینہ منورہ میں تشریف لا چکے تھے۔ بعض کا یہ قول ہو کہ یہ اسوقت
نازل ہوئی تھی جب صہیب نے ہجرت کی اور مشرک قریشوں نے اُن کا پیچھا کیا تو انہوں نے
اپنا سارا مال قریشوں کے حوالہ کر دیا اور۔۔۔۔ خود مدینہ آ گئے اسپر حضور نے فرمایا تھا کہ ابو یحییٰ
کی یہ تجارت بہت ہی نفع کی ہوئی۔ اکثر تفسیروں میں یہ قصہ لکھا ہوا ہو اور یہ ممکن معلوم ہوتا ہو
کہ ایسا ہوا ہو۔۔ کیونکہ صہیب نے مکہ سے مدینہ منورہ کی ہجرت کر لی تھی۔

ابن جریر کا قول ہو کہ اہل تاویل کا اسمیں اختلاف ہو کہ یہ آیت کس کے حق میں نازل ہوئی
اور اس سے کون مراد ہو بعض کہتے ہیں مہاجرین و انصار کے حق میں نازل ہوئی تھی اور
بعض کہتے ہیں اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو جہاد کرتے ہیں۔ اس قول کو اسناد کے ساتھ قتادہ
نے نقل کیا ہو۔ بعض یہ کہتے ہیں یہ آیت خاص لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہو قاسم نے
سند کیساتھ عکرمہ سے روایت کی ہو وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت صہیب۔ اور ابوذر جندب کے

حق میں ہے ابوذر کو اُن کے خاندان کے لوگوں نے پکڑ لیا تھا۔ یہ اُن سے چھوٹکر حضور کی خدمت میں آ گئے مگر وہ دوبارہ اُنھیں پھر لے گئے۔ مگر جس وقت بیمر الظہران میں پہنچے تو پھر چھوٹ کر چلے آئے اسی طرح صہیب کو بھی اُن کے خاندان کے لوگوں نے پکڑ لیا تھا اُنھوں نے اپنے عوض میں اپنا سارا مال اُنھیں دیدیا اور خود مہاجر ہو کر وہاں سے نکل آئے۔ پھر اُنھیں منقذ بن عمیر بن جدعان نے پکڑ لیا اُنھوں نے باقیماندہ مال اُسکے حوالہ کر دیا اُس نے مال لیکر اُنھیں چھوڑ دیا۔

بعض کا یہ قول ہے کہ اس سے ہر ایسا شخص مراد ہے جو اللہ کی طاعت میں اپنا جان و مال وقف کر دے اور امر بالمعروف کرنے میں اُسے ذرا پس و پیش نہ ہو یہ قول حضرت فاروق اعظم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور ابن عباس کی طرف بھی اس قول کی نسبت دیجاتی ہے اور اخیر میں صہیب ہی کو اس آیت کا باعث نزول قرار دیا گیا ہے۔

ساتویں یہ کہ اس آیت کے الفاظ مطلق اور عام ہیں ان میں کسی کی کچھ تخصیص نہیں۔ جس نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیئے اپنی جان کو بیچ دیا وہ یقیناً اس آیت کے حکم میں داخل ہو گیا اور اُن داخل ہونے والوں میں سب سے زیادہ حقدار خود حضور انور اور آپ کے صدیق ابو بکر ہیں کیونکہ اوّل انھیں دو پاک نفوس نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیئے اپنی جانوں کو بیچا اور انھیں دونوں نے خدا کے رستہ میں ہجرت کی تھی اور انھیں دونوں کی فکر میں دشمن لگے ہوئے تھے۔ اُنھیں کی گرفتاری کے لیئے قریشیوں نے انعام شائع کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔

آٹھویں شیعی علماء کا یہ کہنا کہ یہ فضیلت علی کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی لہٰذا وہی امام ہوئے محض غلط اور لغو ہے۔ اسمیں کون شک کر سکتا ہے کہ ہجرت کے بارے میں جو فضیلت ابوبکر کو حاصل ہوئی تھی وہ فضیلت صحابہ میں سے اور کسی کے لیئے ہوئی قرآن احادیث صحیحہ اور اجماع سے کہیں ثابت نہیں ہوتی یہ فضیلت تو ابوبکر ہی کے لیئے ثابت ہے نہ عمرؓ کے لیئے نہ عثمانؓ کے لیئے نہ صحابہ میں اور کسی کے لیئے لہٰذا ابوبکر ہی امام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا یعنی اگر تم نبی کی مدد نہ کرو گے تو بیشک اللہ نے اُن کی (خود) مدد کی جب اُنھیں کافروں نے (مکہ سے) نکالا اُن کے ہمراہ صرف ایک آدمی تھا (اور وہ) دو میں کے دوسرے (تھے) جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہتے تھے۔

رنج نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ایسی فضیلت سوائے ابوبکر کے یقیناً اور بلا شک کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ اب رہی یہ فضیلت کہ کوئی شخص حضور کو بچانے کے لئے اپنی جان آڑے کر دے تو اسمیں علیؓ کی کچھ خصوصیت نہیں ہے۔ بشرطیکہ یہ ثابت بھی ہو جائے کہ علی نے ایسا کیا تھا یہ فضیلت تو اور بھی بہت سے صحابہ میں ہے کہ انھوں نے اپنی جان سپر کر کے حضور کو مختلف موقعوں پر بچایا۔ ہر مسلمان پر یہی واجب ہے لہذا یہ فضیلت اُن فضیلتوں میں سے نہیں ہے جو اکابر صحابہ ہی کے ساتھ مخصوص ہو۔ حالانکہ افضلیت خاص ہی خاص امور سے ہوتی ہے نہ کہ ایسے امور سے جو سب میں مشترک اور برابر ہوں۔

اَب یہ بات اچھی طرح ثابت ہو گئی کہ علی کو نبی کے بستر پر سونے میں کسی قسم کی تکلیف نہیں اُٹھانی پڑی۔ کسی کتاب میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے اُن کے مقابلہ میں دوسرے صحابہ کو دیکھو جنھیں حضور کے بچانے میں بڑے بڑے صدمے اُٹھانے پڑے ہیں کسی پر لاٹھیاں پڑیں اور پتھر پڑے۔ کوئی نیزوں اور برچھیوں سے گھائل کیا گیا۔ کوئی تلواروں سے قتل کیا گیا۔

یاد رکھو جس نے نبی پر اپنی جان قربان کی اور اُسمیں اُسے تکلیف بھی پہنچی تو وہ اُس شخص سے درجہ میں بہت بڑھا ہوا ہے جس نے اپنی جان تو قربان کی لیکن اُسے کوئی تکلیف نہیں پہنچی جیسے علی۔

اسپر کل علماء کا اتفاق ہے کہ جو فضائل علی کے ثابت ہوتے ہیں وہ سب مشترک ہیں۔ ان میں بہت سے صحابہ اُن کے برابر ہیں۔ اسکے مقابلہ میں ابوبکر کو لو اول تو اُن کے فضائل بے حد ہیں۔ پھر اکثر فضیلتیں ایسی ہیں جو اُنھیں کے ساتھ مخصوص ہیں اور کسی میں نہیں پائی جاتیں اور اس سے دنیا میں کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

شیعی علماء کی نویں برہان

(بقول شیعی علما) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے فمن حاجك فيه من بعد ما جاءك من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءكم ونساءنا ونساءكم وانفسنا وانفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين۔ یعنے پھر اگر کوئی اس بارے میں تم سے جھگڑے تو تم کہدو آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو (بلاؤ) اور ہم اپنی بی بیوں کو (بلائیں) اور تم اپنی بی بیوں کو اور خود ہم بھی ہوں اور تم بھی ہو پھر یوں التجا کریں

کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ فقط شیعی علماء اسپر یہ گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ جمہور کا اسپر اتفاق ہو کہ اس آیت میں ابناءنا کا اشارہ حسن اور حسین کی طرف ہے اور نساءنا کا اشارہ فاطمہ زہرا کی طرف ہے اور انفسنا کا اشارہ علیؑ کی طرف ہے۔ اس آیت سے حضرت علی کی امامت پورے طور پر ثابت ہوتی ہے کیونکہ علی کو اللہ نے رسول اللہ کا نفس ٹھہرادیا ہے دونوں کا ایک ہونا تو محال ہے مگر آنحضرت سے علی کی ایسی مساوات قائم کردی ہے جس سے ولایت مراد ہے۔ اسکے علاوہ اگر اور لوگ بھی اُن کے برابر ہوتے یا اس دعا کے مستجاب کرانے میں وہ اُن سے افضل ہوتے تو اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو اُنھیں لوگوں کی معیت کا حکم دیتا کیونکہ یہ موقع بہت ہی اہم اور نازک تھا مگر ایسا نہیں ہوا حسنین۔ علی اور فاطمہ ہی کو بلایا گیا۔ لہذا علی کا افضل ہونا اس سے لازم ہوگیا۔ جب وہ افضل ہوئے تو امامت بھی اُن کے لیئے مقرر ہو جائیگی۔ شیعی علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ اس آیت کی دلالت ایسی نہیں ہے جو کسی پر بھی پوشیدہ رہے۔ سوائے ایسے شخص کے جسپر شیطان نے اپنا پورا پورا تسلط کر رکھا ہو اور اُس کے دل پر شیطان نے ہر طرح قابو پالیا ہو یا اُس کے دل میں دنیا کی ایسی محبت شیطان نے بھر دی ہو جو کسی طرح نکل ہی نہ سکتی ہو اور اُسکی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالدیا ہو کہ حقداروں کا حق اُسے نہ سوجھتا ہو شیعی علماء کی گوہر افشانی ختم ہوگئی۔

جواب

مباہلہ میں علی اور حسنین کا ساتھ لینا تو بے شک صحیح حدیث سے ثابت ہے جو مسلم نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے مگر ایک طویل حدیث میں یہ آیا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے علی۔ فاطمہ زہرا حسن اور حسین چاروں کو اپنے پاس بلایا اور عرض کیا خداوندا میرے گھر کے تو یہ آدمی ہیں۔ بس سوا اسکے کوئی لفظ آپ نے ایسا نہیں فرمایا جس سے حضرت علی کی امامت کا کوئی اشارہ پایا جاتا ہو امامت تو امامت افضلیت بھی ثابت نہیں ہوتی۔ پھر حضرت علی کو نفس بنانا اور اُن کو حضور انور کا مساوی قرار دینا ایسا لغو اور مہمل ہے کہ معمولی واقفیت کا آدمی بھی اُسے نہیں مان سکتا۔ اس حدیث میں نہ اُن کے مساوی ہونے کی کوئی صورت ہے جس سے ولایت مراد لیجائے اور نہ یہاں اسپر کوئی دلیل ہو۔ اس حدیث کو اس مطلب پر حمل کرنا اور اسکے یہ

معنی لینا ہرگز جائز نہیں کیونکہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی برابر نہیں ہو سکتا نہ علی نہ اور کوئی۔ اس لفظ کا مفہوم لغت میں مساوات نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگنے کے قصہ میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے لولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات بانفسہم خیرا یعنے جب تم نے اِس (تہمت) کو سُنا تھا تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلائی کا گمان کیوں نہ کیا فقط انفسہم سے یہاں ہرگز یہ مراد نہیں ہو سکتی۔ نہ خداوند تعالےٰ نے یہ واجب کیا ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں سب برابر ہو جائیں۔ پھر بنی اسرائیل والے قصہ کی آیت کو دیکھو خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم ذلکم خیر لکم عند بارئکم۔ اِس آیت میں بھی اُن کے مساوی ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بھلا کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ شخص جس نے گوسالہ پرستی کی اُس شخص کے برابر ہو جائے جس نے گوسالہ پرستی نہیں کی بعض مفسروں نے بھی اِس آیت کی وَلا تقتلوا انفسکم یعنے تم میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرے اگرچہ وہ مساوی نہ ہو۔ یہ تفسیر کی ہے۔ پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ لا تلمزوا انفسکم۔ یعنے ایک دوسرے کی بُرائی میں نہ رہے۔ کہ اُس پر طعن اور اُسکی عیب جوئی کرے یاد رکھو یہ نہی سب مسلمانوں کے لیئے ہے کہ اس قسم کا کام نہ کیا کریں باوجودیکہ وہ سب مساوی نہیں ہیں نہ احکام میں اور نہ فضیلت میں۔ نہ ظالم مثل مظلوم کے ہو سکتا ہے اور نہ امام مثل ماموم کے۔

اَب خیال کرنے کی بات ہے کہ مذکور آیت میں انفسنا و انفسکم کے جو الفاظ آئے ہیں وہ بعد میں لکھی ہوئی آیتوں کے انفسکم کے الفاظ کے مثل ہیں جب اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ان آیتوں میں مساوات ہونی ضرور نہیں بلکہ منع ہے تو پھر شیعی علماء کی پیش کردہ آیت میں کیونکر انفسنا سے مساوات قایم ہو سکتی ہے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیجے کہ انفسکم کا لفظ مجانست اور مشابہت پر دلالت کرتا ہے۔ مشابہت تو ایمان میں شریک ہو جانے کی وجہ سے ہو جاتی ہے کیونکہ ایمان میں سب مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ کبھی مشابہت دین میں شریک ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اگرچہ ان میں منافق بھی ہوں جیسا کہ ظاہری اسلام میں سب مسلمان شریک اور برابر ہیں اسکے علاوہ اگر نسب میں بھی اشتراک ہو تو اُس کی اور زیادہ پختگی ہو جاتی ہے پس اللہ تعالےٰ کے اس قول ندع ابناءنا و ابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم سے یہ مراد ہے کہ ہمارے مرد اور تمھارے

مرد یعنی وہ مرد جو دین میں اور نسب میں ہماری جنس سے ہوں اور وہ مرد جو تمہاری جنس سے ہوں۔ یہ مجانست فقط قرابت میں ہونی مراد ہے کیونکہ اس آیت ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم سے صاف ثابت ہے کہ اولاد اور مردوں کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی مرد اور عورتیں اور اولاد مراد ہے جس سے بہت زیادہ ہماری قرابت داری ہو۔ اسی وجہ سے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اولاد میں سے حسن اور حسین کو عورتوں میں سے فاطمہ زہرا کو اور اپنے مردوں میں سے حضرت علی کو بلایا تھا کیونکہ نسب کی رُو سے آپ کا قرابت دار کوئی اُن سے زیادہ نہ تھا اُنھیں کو آپ نے چادر اُڑھائی تھی۔ مباہلہ اُنھیں لوگوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے جو سب سے زیادہ قرابت دار ہوں ورنہ اگر آپ دُور کے رشتہ داروں کے ذریعہ سے مباہلہ کرتے اگرچہ وہ اللہ کے نزدیک ان قرابت داروں سے افضل بھی تھے لیکن اصل مقصود حاصل نہ ہوتا۔ مدعا تو یہ تھا کہ وہ لوگ بھی اسی طرح اپنے قرابت داروں کو بلائیں اور یہ ایک فطری امر ہے کہ ایسے قسما قسمی کے موقعوں پر دوسرے فریق کے یقین دلانے کے لیئے بال بچوں ہی کو پیش کرتے ہیں یہ ایک پُرانی مشرقی رسم ہے اور جواب تک یوں ہی چلی آتی ہے کوئی شخص اپنے دُور کے رشتہ دار کی کبھی قسم نہیں کھاتا اور اگر مباہلہ ہو تو اُسے شریک نہیں کرتا۔ مخالف یہ جانتے تھے کہ حضور انور خداوند تعالےٰ کے رسول ہیں اور اُنھیں یہ بھی معلوم تھا کہ اگر ہم اُن سے مباہلہ کرینگے تو ہم پر اور ہمارے قرابت داروں پر تباہی آجائیگی اسلیئے اُنھیں اپنے سے زیادہ اپنے بال بچوں کا ڈر ہوگیا۔ ہلاکت کے خطرناک موقعوں پر انسان اپنے بچوں پر اپنی جان قربان کر دیتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح سے میرے بچے بچ جائیں۔ اسی لیئے حضور نے اُن سے مباہلہ کی درخواست کی جسمیں دونوں فریق کی طرف کے مرد اور عورتیں بھی ہوں بچے اور قرابت دار بھی ہوں غرض اِس سامان سے آپ اُن سے مباہلہ کرنے کے لیئے تیار ہوئے تھے۔

یہ مباہلہ کی آیت ۱۰ سنہ ہجری میں نازل ہوئی تھی اُسوقت کہ جب نجران کا وفد آیا تھا حضور انور کے چچاؤں میں سے سوائے عباس کے کوئی باقی نہ تھا مگر عباس سابقین اولین میں سے نہ تھے نہ علی سے زیادہ عباس کو حضور انور سے اتنی خصوصیت تھی نہ آپ کے چچا کی اولاد میں مثل حضرت علی کے کوئی تھا۔ جعفر اس واقعہ سے پہلے ہی جنگ مؤتہ میں ۸ سنہ ہجری میں شہید ہو چکے تھے اسلیئے اِس مباہلہ میں علی ہی کو بُلایا گیا۔ ایسی صورت میں اِن کا مباہلہ کے لیئے مقرر ہونا جبکہ حضور انور کے قریب تر

رشتہ داروں میں اور کوئی نہ تھا کسی طرح اُنھیں حضور انور کا مساوی نہیں بناتا نہ اِس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ سب صحابہ سے افضل تھے ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس مباہلہ کے ذریعہ سے ایک طرح کی فضیلت حضرت علی کو حاصل ہو گئی مگر وہ فضیلت حضرت علیؓ۔ فاطمۃ الزہرا۔ حسنؓ اور حسینؓ چاروں پر مشترک اور برابر ہے مگر اس فضیلت کو امامت کے خصائص سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ امامت کے خصائص عورتوں کے لیئے نہیں ہوا کرتے نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جس شخص کے ذریعہ سے حضور انور نے مباہلہ کیا وہ تمام صحابہ سے افضل ہو جیسا کہ اُس سے فاطمۃ الزہراؓ۔ حسنؓ اور حسینؓ کا تمام صحابہ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔

باقی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ اگر اس دعا کے قبول کرانے میں اور لوگ ان کے مساوی یا اُنسے افضل ہوتے تو اللہ تعالےٰ آنحضرت کے لیئے اُنھیں کو اپنے ساتھ لینے کا حکم دیتا کیونکہ یہ ضرورت کا موقع تھا۔

جواب

یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ یہاں دعا کا قبول کرانا مقصود نہ تھا اور اگر یہ مقصود ہوتا تو اُسکے لیئے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا ہی کافی تھی۔ اسکے علاوہ اگر حضور انور کا مقصود کسی کو اپنے پاس بلانے سے اُسکی دُعا کا مقبول ہو جانا ہوتا تو آپ سارے مسلمانوں کو بُلا لیتے اور اُن سب کے ذریعہ سے دعا کرتے جیسا کہ بارش ہونے کی دعا کرنے میں آپ ایسا کیا کرتے تھے اور جیسا کہ اکثر تنگدست فقرائے مہاجرین کے ذریعہ سے آپ اپنے فتحیاب ہونے کی دعا مانگا کرتے تھے اور مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے کہ تمھاری مدد تمھارے اِن ضعیف لوگوں کی وجہ سے کیجاتی ہے اور اُن کی دعا۔ نماز اور اخلاص کی برکت سے تمھیں رزق ملتا ہے۔ یہ ہم قبول کرتے ہیں کہ مثل اور مسلمانوں کے اہلبیت بھی مستجاب الدعوات تھے لیکن قبول ہونے میں کثرت سے دعاؤں کے ہونے کا اور زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو کہ یہاں اہلبیت کے بُلانے سے حضور انور کا مقصد اپنی دعا کا قبول کرانا ہرگز نہ تھا بلکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں دونوں طرف کے قرابت داروں کا مقابلہ کرانے کی غرض سے تھا اور ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ اگر مباہلہ میں حضور انور ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ طلحہ۔ زبیر۔ ابن مسعود۔ ابی بن کعب اور معاذ بن جبل وغیرہ کو بلاتے تو آپ کے حکم کی بجا آوری میں یہ سب سے بڑھ جاتے اور دعا کے قبول ہونے میں ان لوگوں کی دعا کا سب سے زیادہ اثر ہوتا لیکن خداوند تعالےٰ نے حضور کو حکم نہیں دیا کہ اُنھیں اپنے

ساتھ لے لو کیونکہ اُن کے ساتھ لیجانے سے اصلی مقصد خبط ہوتا تھا مطلب یہ تھا کہ مخالف بھی اپنے ساتھ اپنی اولاد یا بیوی بچوں کو لائیں۔ کیونکہ طبعًا جو محبت بیوی بچوں سے ہوگی وہ اُنھیں غیروں سے نہیں ہوسکتی۔ اگر یہاں حضور انور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو نہ لے جاتے تو مخالفوں کو ایک حیلہ ملجاتا اور وہ بھی غیروں کو اپنے ساتھ لے آتے اور اُن کی تباہی یا بربادی کا اثر ان پر زیادہ نہ پڑتا۔ بس قرابت داروں کے بلانے کی حضور انور کے لیئے صرف یہی وجہ تھی۔

غرض یہ ہے کہ اس آیت میں شیعی علمار کے مطلب پر کوئی دلیل نہیں ہے تعجب ہے کہ نصوص صریحہ کو چھوڑکے یہ لوگ کس دلیری اور بے باکی سے اپنی من گھڑت باتوں کا تتبع کرتے ہیں اور اسی کو اُنھوں نے اپنا ذریعہ نجات سمجھ رکھا ہے۔

پھر یہ تماشا دیکھیئے کہ شیعی علمار یہ کہتے ہیں کہ انفس سے مراد ان سب کا مساوی ہونا ہے۔ حالانکہ یہ لغت عرب کے بالکل خلاف ہے اسکی بحث ہم اُوپر کر چکے ہیں پھر نساءنا کو فاطمۃ الزہرا کے ساتھ مخصوص کرنا شیعی علما کی صریح دھوکہ دہی ہے۔ حضور انور کو اختیار تھا کہ چاہے اپنی جس صاحبزادی کو بلاتے وہ اُسوقت بمنزلہ فاطمہ زہرا ہی کے ہوتی۔ اُسوقت حضور انور کی کوئی صاحبزادی نہ تھی۔ کیونکہ رقیہ۔ ام کلثوم اور زینب کا تو اس واقعہ سے پہلے ہی انتقال ہوچکا تھا۔ اسی طرح انفسنا بھی حضرت علی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کیونکہ مثل نساءنا کے یہ جمع کا صیغہ ہے اسیطرح ابناءنا بھی جمع کا لفظ ہے۔ حضور انور نے حسنین کو اسلیئے بلایا تھا کہ عام طور پر لوگ اُنھیں ابن رسول اللہ کہا کرتے تھے اگرچہ اُسوقت ابراہیم آپ کا صاحبزادہ زندہ تھا مگر وہ شیر خوار بچہ تھا لہذا حضور نے مباہلہ میں اُسے لیجانا مناسب خیال نہیں کیا۔

شیعی علمار کی دسویں بُرہان

(بقول شیعی علمار) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے فتلقیٰ آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ۔ یعنے پھر آدم نے اپنے پروردگار سے (معذرت کے) چند کلمے سیکھ لیئے تو خدا نے اُن کی توبہ قبول کرلی۔ شیعی علمار فرماتے ہیں کہ ابن مغازی شافعی نے سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کسی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے وہ کلمے پوچھے تھے جو آدم نے اپنے پروردگار سے سیکھ لیئے تھے جن پر اللہ نے اُن کی توبہ قبول کرلی تھی۔ آنحضرت نے فرمایا کہ آدم نے اللہ کو۔ محمد۔ علی۔ فاطمہ۔ حسن۔ حسین کے

حق کی قسم دیکر دعا مانگی تھی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی ۔ اسپر شیعی علمار بڑے زور سے یہ کہتے ہیں کہ صحابہ میں کسی کو بھی یہ فضیلت نصیب نہیں ہوئی پھر وہ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب علی اللہ کی طرف وسیلہ بنے ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر ہو گئے تو پھر اُن کے سوا امام کون ہو سکتا ہے لہذا وہی امام ہوئے ۔

جواب

اِس قسم کی چڑے چڑیا کی کہانیوں پر بحث کرنی اگرچہ ہم اپنے خلافِ شان سمجھتے ہیں لیکن جبکہ شیعی علمار نے اُسکو جعلی یا فرضی روایت کا جامہ پہنا کے پیش کیا ہے لہذا ہم اُسی پہلو سے بحث کرتے ہیں حالانکہ یہ ایسی روایت ہے کہ بالغ نظر تو ایک طرف رہا اگر کسی معمولی عقل کے آدمی کے آگے پیش کیجائے تو وہ بھی مارے ہنسی کے لوٹ جائے ۔

ہم سب سے پہلے مثل اور پیش کردہ روایتوں کے اس روایت کی صحت کا بھی مطالبہ کرتے ہیں اسپر کُل اہل علم کا اتفاق ہے اور اُسکی بحث پہلے بھی ہو چکی ہے کہ فقط ابن مغازی کی روایت کو حجت بنانا اور اُسے دلیل سے تعبیر کرنا کبھی جائز نہیں ہے ۔

دوسرے تمام اہل علم کا اسپر اتفاق ہے کہ یہ حدیث یقیناً جھوٹی اور موضوع ہی ابوالفرح بن جوزی نے اس حدیث کو دار قطنی کے طریق سے موضوعات میں نقل کیا ہے کیونکہ افراد اور غرائب کے بیان میں اُن کی بہت سی کتابیں ہیں دار قطنی کا بیان ہے کہ اِس روایت کو عمرو بن ثابت نے اپنے باپ سے اُسنے ابوالمقدام سے نقل کیا ہے مگر ابوالمقدام سے سوائے حسن اشقر کے اور کسی نے نقل نہیں کیا ۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ عمرو بن ثابت ہمیشہ موضوع حدیثیں نقل کیا کرتا ہے ۔

تیسرے یہ کہ وہ کلمے جو آدم نے سیکھے تھے خود خداوند تعالےٰ نے نہایت تفصیل اور تفسیر کے ساتھ اپنے کلام پاک میں بیان کر دیئے ہیں اور وہ یہ ہیں ۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین ۔ تمام سلف سے یہی مروی ہے کسی نے بھی بخل شیعی علمار کے ایسی کسی چڑے چڑیا کی کہانی کا ذکر نہیں کیا ۔

چوتھے یہ کہ ہر شخص بالاضطرار اس بات کو جانتا ہے کہ آدم تو در کنار اگر کفار اور فساق میں سے بھی کوئی اللہ کے آگے توبہ کرے تو وہ اُس کی بھی توبہ قبول کر لیتا ہے اگرچہ وہ اللہ کو کسی کی قسم نہ دے پھر عقل

ہاور نہیں کرتی کہ آدم کو توبہ کرنے میں ایسی چیز کی کیوں ضرورت پڑنے لگی جسکی گنہگاروں میں سے کسیکو ضرورت نہ پڑی ہو نہ مومن کو نہ کافر کو۔

ایک ایسے فرقے کا پتہ لگا ہے جسکا عقیدہ یہ ہے کہ آدم نے جب حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا وسیلہ ٹھیرایا تو اُسوقت اُن کی توبہ قبول ہوئی لیکن یہ بھی سفید جھوٹ ہے یار لوگوں نے ایک حکایت خود گھڑی ہے اور بے گناہ امام مالک کے سر چیپک دی ہے اور قاضی عیاض نے دھوکہ کھاکے اس حکایت کو شفا میں نقل کردیا ہے حالانکہ ہم صاف طور پر کہتے ہیں کہ امام مالک پر یہ نرا بہتان ہے کہ اُنھوں نے منصور سے مباحثہ کرنے میں ایسی بے سر و پا کوئی بات کہی تھی۔

پانچویں یہ کہ توبہ میں اِس قسم کی دعا کرنے کا حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کِسی کو حکم نہیں دیا نہ صرف توبہ میں بلکہ اور کسی دعا میں بھی حضور انور نے کسی کو اجازت نہیں دی کہ وہ اللہ کو کسی مخلوق کی قسم دیا کرے یاد رکھو اگر یہ دعا شروع ہوتی تو حضور انور اپنی امت کے لیئے اُسے ضرور شروع کردیتے

چھٹے یہ کہ اللہ کو فرشتوں اور پیغمبروں کی قسمیں دینا ایک ایسا امر ہے جسکا پتہ نہ قرآن مجید میں لگتا ہے نہ صحیح حدیث میں بلکہ اکثر فقہا مثلاً امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف وغیرہ اس امر کی صاف تصریح کرچکے ہیں کہ اللہ کو مخلوق کی قسم دینا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

ساتویں یہ کہ اگر اس طرح توبہ کرنا مشروع اور جائز بھی ہو تو یہ بات دیکھنے کی ہے کہ آدم خود ایک اولوالعزم نبی تھے اور بے شک یہ ہم یقین کرتے ہیں کہ ہمارے ہادیِ برحق محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم آدم سے ضرور افضل تھے لیکن بحیثیت نبی ہونے کے بلا خوف تردید ہم کہہ سکتے ہیں کہ آدم۔ علی فاطمہ زہرا حسن اور حسین سے یقیناً افضل ہیں پھر وہ خدا کو اِن کی قسم کیوں دینے لگے۔

آٹھویں یہ کہ یہ فضیلت ائمہ کی خصوصیتوں میں سے نہیں ہے کیونکہ یہ تو فاطمہ زہرا کے لیئے بھی ثابت ہے اور ائمہ کی خصوصیتیں عورتوں میں نہیں ہوا کرتیں جب یہ خصوصیت نہ رہی تو یہ فضیلت امامت کے لیئے مستلزم نہیں ہے اسلیئے کہ امامت کی دلیل تو ایسی ہونی چاہیئے کہ اُسکے ہونے سے امامت کا استحقاق لازم آجائے اب اگر اس فضیلت کو ہم امامت کی دلیل ٹھیرائیں تو جس میں یہ فضیلت ہوگی وہی امامت کا مستحق ہوجائے گا اور پھر یہ فضیلت فاطمہ زہرا میں بھی ہے حالانکہ نص اور اجماع سے عورت امام نہیں ہوتی۔

شیعی علماء کی گیارھویں بُرہان

(بقول شیعی علماء) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے انی جاعلك للناس اماما ط قال ومن ذریتی الخ یعنے بے شک میں تمھیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں (ابراہیم نے) عرض کیا کہ میری اولاد میں سے بھی شیعی علماء کا قول ہے کہ فقیہ ابن المغازی شافعی نے ابن مسعود سے روایت کی وہ کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا یہ دعا مجھ پر اور علی پر پوری ہوگئی ہے کیونکہ ہم دونوں میں سے کسی نے بھی کسی بُت کے آگے سر نہیں جھکایا اسلیئے اللہ نے مجھے نبی بنایا اور علی کو میرا وصی بنا دیا اور یہ اس بارے میں نص ہی۔ شیعی علماء کا قول ختم ہوگیا۔

جواب

اس روایت کا بھی وہی رونا ہے جو پہلی روایتوں کا ہو چکا ہے۔ کُل محدثین کا اسپر اجماع ہے کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی اور موضوع ہی۔

دوسرے یہ قول کہ یہ دعا ہم پر پوری ہوگئی ایسا کلام ہے کہ اسے حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت دینا ہرگز جائز نہیں کیونکہ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ ہمسے پہلے اس کا کوئی مصداق نہیں بنا تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے بہت سے انبیاء اسکے مصداق بن چکے ہیں جیساکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ ووھبنا لہ اسحٰق ویعقوب نافلۃ وکلا جعلنا صالحین۔ وجعلناھم ائمۃ یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ۔ یعنے اور ہم نے ابراہیم کو انعام میں اسحٰق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عنایت کیا اور اُن سب کو ہم نے نیک بنایا اور انھیں ہم نے پیشوا بنایا ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کی طرف ہم نے نیکیوں کے کرنے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی بھیجی تھی پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے و اٰتینا موسی الکتاب وجعلناہ ھدی لبنی اسرائیل۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) عنایت کی اور بنی اسرائیل کے لیئے اُسے ہدایت بنایا۔

پھر بنی اسرائیل کے قصہ میں ارشاد خداوندی ہوتا ہی۔ وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بایاتنا یوقنون۔ یعنی اور ہم نے بنی اسرائیل میں سے پیشوا پیدا کیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت

کرتے تھے جبکہ انھوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

اُمت مرحومہ سے پہلے ابراہیم کی اولاد میں سے اللہ نے بہت سے ہدایت کرنے والے اور پیشوا پیدا کئے جسکے ثبوت کے لیے قرآن مجید کی مذکورہ آیتیں بس ہیں تو اس جھوٹی روایت کا پہلا مطلب تو بالکل جاتا رہا اب دوسرا مطلب لیجئے کہ اگر اس پیش کردہ روایت سے یہ مراد ہے کہ یہ دعا ہم پر پوری ہوگئی یعنے اب ہمارے بعد کوئی امام نہ ہوگا تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نہ حسن حسین امام ہوں نہ اُن کی اولاد میں سے کوئی امام بنے حالانکہ یہ بھی غلط ہے۔

اسکے علاوہ یہ وجہ بیان کرنی کہ ہم نے کسی بُت کے سامنے سر نہیں جھکایا تو یہ وصف اُنکے بعد کے کل مسلمانوں میں موجود ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد کسی شخص نے کسی بت کے آگے سر جھکایا ہو۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ بُت کو سجدہ نہ کرنا تو ایک ایسی فضیلت ہے جسمیں وہ سب آدمی شریک ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اسمیں کسی کی خصوصیت نہیں پھر اس فضیلت کو خاص کرنا اور اس سے امامت کا مرتبہ پیدا کرنا ایک ایسا لغو فعل ہے جسکی لغویت عیاں ہے۔

چوتھے یہ کہ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت علی نے بُت کو کبھی سجدہ نہیں کیا کیونکہ وہ بالغ ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے نہ اُنھوں نے مسلمان ہونے کے بعد ایسا کیا اس کا جواب یہ ہے کہ سارے مسلمان ایسے ہی ہیں اب رہا نابالغ لڑکا وہ غیر مکلف ہوتا ہے نابالغی کی حالت میں اس قسم کے فعل کرنے نہ کرنے کا اعتبار نہیں ہوا کرتا۔ اب رہی یہ بات کہ اسلام لانے سے پہلے حضرت علی نے کبھی بُت کو سجدہ نہیں کیا کسی معتبر شہادت سے ثابت نہیں ہوتا۔ نہ شیعی علمار نے کوئی ایسی دلیل بیان کی جس سے اس بات کی صداقت ہو خالی دعوی سے تو کام نہیں چلتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ضرور نہیں ہے کہ جس نے کبھی کفر نہ کیا ہو یا وہ کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہوا ہو ایسا آدمی اُس شخص سے افضل ہو جسنے کفر یا کبیرہ گناہ کرکے توبہ کرلی ہو بلکہ برخلاف اسکے کفر اور فسق کرکے اُن سے توبہ کرنے والا کبھی اُس سے افضل ہو جاتا ہے جس نے کفر اور فسق کیا ہی نہ ہو۔ چنانچہ قرآن مجید اسپر صاف دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کو جنھوں نے مکہ فتح ہونے سے پہلے اپنا روپیہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا اُن پر فضیلت دی ہے جنھوں

نے مکہ فتح ہونے کے بعد اللہ کی راہ میں روپیہ بھی خرچ کیا اور جہاد بھی کیا اُن لوگوں میں بہت سے ایسے بھی تھے جو اسلام میں پیدا ہوئے تھے اسی طرح سابقین اولین کو تابعین پر فضیلت دی ہے حالانکہ وہ پہلے کافر تھے اور بعد میں ایمان لائے تھے مگر تابعین اسلام ہی میں پیدا ہوئے تھے اُنھوں نے کبھی کفر نہیں کیا تھا اس سے زیادہ اور بین ثبوت کیا چاہتے ہو کہ کفر وفسق کر کے توبہ کرنے والے اُن لوگوں سے افضل ہیں۔ جنھوں نے نہ کفر کیا نہ فسق کیا۔

شیعی علمار کی بارھویں بُرہان

(بقول شیعی علمار) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمٰن وُدًّا یعنے بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک کام کیے اُنکے لیے رحمان عنقریب محبت قائم کردے گا۔ فقط

شیعی علمار قرآن مجید کی اِس آیت پر یہ گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ حافظ ابونعیم اصفہانی نے سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اُن کا قول ہے کہ وہ اِس محبت کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کے دلوں میں ہو۔ پھر شیعی علمار یہ فرماتے ہیں کہ ثعلبی کی تفسیر میں برار بن عازب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علیؓ سے فرمایا تھا کہ اے علی تم اللہ سے یہ دعا کرو اللھم اجعل لی عندک عھدا واجعل لی فی صدور المومنین مودۃ اسپر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی چونکہ یہ مرتبہ سوائے حضرت علی کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا لہٰذا شیعی علمار کے خیال کے بموجب حضرت علیؓ ہی امام ہوئے۔

جواب

من چہ گویم وطنبورہ من چہ سراید۔ ہر مقام پر آپ دیکھ لیجے کہ قرآن مجید کی آیت کے معنے کچھ ہیں اور اُس سے استدلال کچھ کیا گیا ہے اگر اسی طرح قرآن مجید کی ساری تفسیر کردی جائے تو یقیناً منشاے باری تعالیٰ ایسا تبدیل ہو جائے جو کسی کے وہم میں بھی نہیں آسکتا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ حضرت علی کی فرضی امامت ثابت کرنے کے لیئے کس بے باکی اور دلیری سے کلام خدا کے مضامین کو اُلٹ پلٹ دیا ہے اور کچھ بھی خوف اُس معبود حقیقی کا نہیں کیا۔ تحریف معنی اِس سے زیادہ ہو نہیں سکتی

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں - ایک بیچارہ ثعلبی شیعی علمار کو ملگیا ہے اُسی کی پشت پناہی میں یہ سارا جوش وخروش ہی حالانکہ جو کچھ اُس کی حقیقت ہے گزشتہ صفحات میں ہم صاف صاف کھول چکے ہیں ہم ایسی باتوں کے جواب دینے میں التفات نہ کرتے کیونکہ ان پر تو یہی بات صادق آتی ہے -

این است جوابش کہ جوابش نہ دہی

مگر چونکہ عوام الناس حدیث کا لفظ سنکے دھوکے میں آجاتے ہیں اسلیئے محققانہ بحث اور جواب کی ہمیں ضرورت پڑی اور ہم ابتدا سے برابر ہر جھوٹی روایت کا تار تار الگ کرتے چلے آئے ہیں تاکہ کم علم لوگ شیعی علمار کی دست بُرد سے بچ جائیں -

اب ملاحظہ فرمایئے اس شیعی فرضی بُرہان کا جواب کئی طرح سے ہے اول تو ہم مثل سابق کے روایت کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہمیں اس بات کا پورا یقین ہی کہ اسکی صحت کا ثبوت دنیا میں کوئی نہیں دے سکتا - پھر خیال تو فرمایئے کہ ایسی دلیل سے استدلال کرنا جس کے مقدمے بھی ثابت نہ ہوں کس طرح باطل نہ ہوگا - تمام سنی اور شیعہ اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ کسی روایت کا کسی کی طرف منسوب کر دینا اُسکے صحیح ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتا -

دوسرے سب محدثین کا اسپر اتفاق ہے کہ دونوں مذکورہ روایتیں بالکل جھوٹی ہیں -

تیسرے - قرآن مجید کی مذکورہ آیت سب مسلمانوں کے حق میں ہے اسمیں صرف حضرت علیؓ کی خصوصیت کرنا ہرگز جائز نہیں - بلکہ یہ علی وغیرہ سب کو شامل ہی اسکی دلیل یہ ہے حسنین وغیرہ یعنے وہ جن کی شیعہ بھی تعظیم کرتے ہیں اس آیت میں یقیناً داخل ہیں اس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوگیا کہ اس آیت کے علی کے ساتھ مخصوص نہ ہونے پر اجماع ہی باقی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ صحابہ میں سے سوائے علی کے کسی کو یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوا بالکل غلط ہے - جس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں -

چوتھے - خداوند تعالےٰ نے اپنی طرف سے یہ بیان کیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک کام کیئے اُن کے لیئے ہم محبت قایم کردیں گے - خداوند تعالےٰ کا یہ وعدہ یقیناً سچا ہوا کیونکہ اُس باری تعالےٰ نے مسلمانوں کے دل میں صحابہ کی محبت ڈالدی تھی خاصکر خلفا کی اور ان میں بھی خاصکر ابوبکر وعمر کی کیونکہ تمام صحابہ وتابعین عام طور پر شیخین سے محبت رکھتے تھے اور وہ خیر القرون

ہیں اُن کے مقابلہ میں حضرت علی کو یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوا کیونکہ اکثر صحابہ اور تابعین حضرت علی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور اُن کی باتیں اُنھیں ناپسند تھیں۔ شیخین یعنے ابوبکر و عمر سے تو فقط رافضی نصیریہ اور اسماعیلیہ فرقہ والے بغض رکھتے اور بُرا کہتے ہیں لیکن اسے سب جانتے ہیں کہ شیخین سے محبت رکھنے والے رافضیوں وغیرہ سے بدرجہا افضل اور کہیں زیادہ ہیں بخلاف علی کے کیونکہ جن لوگوں نے اُنھیں اچھا نہیں سمجھا اور اُن کا مقابلہ کیا وہ اُن سے بدرجہا بہتر ہیں جنھوں نے ابوبکر و عمر سے بغض رکھا اور اُنھیں اچھا نہیں سمجھا یہ تو یہ عثمان کے شیعہ بھی جو عثمان سے محبت رکھتے ہیں اور علی کو اچھا نہیں سمجھتے وہ اُن لوگوں سے جو علی کے شیعہ مشہور ہیں علم اور دینداری میں کہیں زیادہ ہیں اس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ جو محبت خلفائے ثلاثہ سے کیگئی ہے وہ بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔

اگر شیعی علماء یہ کہنے لگیں کہ علی کے بارے میں معبود ہونے اور نبی ہونے تک کا دعویٰ کیا گیا ہے لہٰذا ان کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خوارج سب کے سب اُنھیں کافر کہتے ہیں اسی طرح مروانیہ بھی اُنھیں اچھا نہیں سمجھتے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ لوگ اُن رافضیوں سے بہتر ہیں جو ابوبکر و عمر کو بُرا کہتے ہیں اب رہے غالیہ فرقہ کے لوگ اُن کی طرف ہم التفات کرنا غیر ضروری جانتے ہیں۔

شیعی علماء کی تیرھویں بُرہان

(بقول شیعی علما) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے انما انت منذر و لکل قوم ھاد یعنے بے شک تم ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ہدایت کرنے والے۔ (شیعی علماء کہتے ہیں) کتاب الفردوس میں ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں ڈرانے والا ہوں اور علی ہادی ہیں اور فرمایا اَے علی ہدایت پانے والے لوگ تیرے ہی ذریعہ سے ہدایت پاتے ہیں۔ اسی طرح ابونعیم نے نقل کیا ہے اور بقول شیعی علماء اس سے زیادہ ولایت و امامت کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ فقط

جواب

اِسکا جواب بھی چند طرح سے ہے اول یہ کہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی شیعی علمانے کوئی دلیل بیان نہیں کی لہٰذا اس سے حجت کرنا جائز نہیں۔ اب رہی کتاب الفردوس یہ کتاب موضوعات

کا مجموعہ ہے۔ دیلمی اس کا مصنف ہے یہ حدیث بھی دیلمی ہی کی ساختہ و پرداختہ ہے لہٰذا عقل باور نہیں کرتی کہ دیلمی کی کوئی روایت کردہ حدیث حجت ہو سکے۔ اب رہے ابونعیم ان کا بھی کسی حدیث کا روایت کرنا اس کی صحت پر دلالت نہیں کرتا اور ابونعیم کون صاحب ہیں اُنکی نسبت ہم پہلے لکھ چکے ہیں

دوسرے تمام محدثین کا اسپر اتفاق ہے کہ یہ حدیث جھوٹ اور موضوع ہے۔

تیسرے ایسے کلام کو حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا ایک مسلمان کے لیئے تو جائز نہیں کتنے غضب کی بات ہے کہ حضور انور یہ فرمائیں کہ مَیں تو ڈرانیوالا ہوں اور علی ہدایت کرنے والے ہیں اسکے معنی یہ ہوئے کہ ہدایت علی سے ہو سکتی ہے اور حضور انور سے نہیں ہو سکتی حالانکہ کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہیں ہو سکتا خداوند تعالے جب کھُلے الفاظ میں اپنے نبی محمد عربی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ہادی کہتا ہے پھر دوسرے شخص کی کیا مجال ہی کہ حضور انور کے مقابلہ میں ہادی بن سکے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے وانک لتھدی الی صراط مستقیم صراط اللہ الخ جسکی اللہ نے یہ تعریف کی ہو پھر کیونکر ہو سکتا ہی کہ وہ ہادی نہو اور دوسرا ہادی بنایا جائے۔

چوتھے یہ کہنا کہ اَے علی ہدایت پانے والے تیرے ہی ذریعہ سے ہدایت پاتے ہیں اس کے یہ معنی ہوئے کہ محمدؐ کی اُمت میں سے جسے ہدایت ہو گی علی ہی کے ذریعہ سے ہدایت ہو گی یہ بالکل جھوٹ سخت گستاخی اور نبی کے ساتھ بے ادبی ہی۔ بھلا کون شخص آفتاب پر خاک ڈال سکتا ہے اور کس طرح اُس کا رخ انور چھپا سکتا ہے ہزاروں آدمی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور اُنھوں نے آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہدایت پائی۔ علی سے اُنھوں نے ایک کلمہ بھی نہیں سنا۔ اسکے بعد وہ صحابہ جنھوں نے دین کی اشاعت کی اسکے مستحق ہیں کہ اُنھیں مخلوق کے ایک حصہ کا ہادی قرار دیا جائے۔ علی سے تو آجتک کسی نے ہدایت نہیں پائی اسکا شمہ برابر بھی ظہور کسی تاریخ میں یا کسی صحیح روایت میں نہیں ہے +

پانچویں بعض مفسرین نے اس آیت کے یہ معنی لکھے ہیں کہ یہاں ہادی سے مراد اللہ تعالیٰ ہی بعض نے لکھا ہے کہ ہر قوم کے لیئے ڈرانے والے اور ہدایت کرنے والے تم ہی ہو یہ دونوں قول ضعیف ہیں اور ان قولوں میں آیت کے صحیح صحیح معنی نہیں اسکا صحیح مطلب یہ ہے کہ بیشک تم ڈرانے والے ہو جیسا کہ تم سے پہلے ڈرانے والے پیغمبر آچکے ہیں اور ہر قوم کے لیئے ایک ڈرانے والا ہوتا ہے۔

جو اُسے ہدایت کرتا ہے یعنے اللہ کی طرف بُلایا کرتا ہے جیساکہ اس آیت میں ہے وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر۔ مفسرین میں قتادہ۔ عکرمہ۔ ابوالضحےٰ۔ عبدالرحمن بن زید وغیرہ کا یہی قول ہے کہ ڈرانے والا ہی ہدایت کرنے والا ہوتا ہے۔ پھر ابن جریر طبری نے سند کے ساتھ عکرمہ اور منصور سے اس آیت کی بابت روایت کی ہے۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ محمد ہی ڈرانے والے اور وہی ہادی ہیں۔ بقول ابن وہب۔ ابن زید کہتے تھے کہ ہر قوم کے لیئے ایک نبی ہے۔ نبی اُس قوم کو ڈراتا بھی ہے اور اُسے ہدایت بھی کرتا ہے۔ اسکے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔ جن سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں علی کو ہادی ٹھیرانا کسقدر خطرناک امر ہے اسکے علاوہ خداوند تعالےٰ یہ فرماتا ہے ولکل قوم ھاد اِس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہادی الگ الگ ہیں۔ اس صورت میں بہت سے ہادی ہو جائینگے۔ پھر اولین و آخرین میں سے ہر قوم کے لیئے علی کو ہادی کسطرح ٹھیرا سکتے ہیں۔

چھٹے یہ کہ کسی شخص کے ذریعہ سے ہدایت ہوتی ہے تو کبھی بغیر حاکم ہوئے بھی ہو جاتی ہے جسطرح عالم سے ہدایت ہوتی ہے جیساکہ ایک حدیث میں آیا ہے اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ لہذا امامت کے ثبوت میں یہ ہرگز صریح نہیں ہے جیساکہ شیعی علما نے گمان کیا ہے۔

ساتویں یہ کہ لکل قوم ھاد نکرہ ہے جو سیاق اثبات میں ہے اور یہ کسی معین پر دلالت نہیں کرتا پس حضرت علی کی امامت پر قرآن شریف کی دلالت کا دعوی کرنا بالکل باطل ہے اور پھر باطل کا باطل حدیث سے حجت کرنا اور بھی ایک خطرناک امر ہے۔ اس کے علاوہ ایسی باطل حدیث سے حجت کرنا قرآن شریف سے حجت کرنا نہیں ہوتا۔

شیعی علماء کی چودھویں بُرہان

(بقول شیعی علماء) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے وقفوھم انھم مسئولون یعنے اور اُنھیں کھڑا کرو بیشک اُن سے پوچھا جائیگا۔ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ابونعیم نے شعبی سے اُنھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے ابن عباس اس آیت کی بابت فرماتے تھے کہ لوگوں سے علی کی ولایت کے بارے میں پوچھا جائیگا (پھر بقول شیعی علماء) کتاب الفردوس میں ابوسعید خدری سے مروی ہے اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے اسی طرح روایت کی ہے پھراب علی کی امامت میں کس طرح شک ہو سکتا ہے فقط

جواب

وہی ابونعیم اور الفردوس کا رونا چلا آتا ہے۔ شیعی علماء نے بھی کمال کیا اسلامی دنیا کی موضوعات کا ڈھیر اُٹھا لائے اور اندھا دھند جو کچھ جی میں آیا اُسمیں سے پیش کرنا شروع کر دیا۔ جس طرح ثعلبی اور ابونعیم کی حقیقت آپ پر کھل چکی ہے اسی طرح کتاب الفردوس کی حقیقت بھی آپ ابھی معلوم کر چکے ہیں مگر ہم اسکا جواب وہی محققانہ دینگے اگرچہ ایسی باتیں قابل التفات نہیں ہوا کرتیں مگر وہی بات ہے کہ امت مرحومہ کے کم علم آدمی ایسی جھوٹی باتوں سے نہ بہک جائیں اور اپنا دین خراب نہ کر دیں اسلیئے ہمیں ایسی محققانہ بحثوں کی ضرورت ہوئی ہے۔ اس کا جواب کئی طرح سے ہے اول تو یہ کہ پہلے اس نقل کی صحت کا مطالبہ ہم کرتے ہیں اور اس بات کو جانتے ہیں کہ ہندوستان اور ایران کے شیعی مجتہد ملکر بھی اس نقل کی صحت ثابت نہیں کر سکتے۔

دوسرے یہ بات پہلے ظاہر ہو چکی ہے کہ فردوس اور ابونعیم کی طرف کسی روایت کی نسبت دیدینا قیامت تک حجت نہیں ہو سکتا اور اسپر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ روایت باتفاق بالکل جھوٹی، اور موضوع ہے۔

تیسرے خداوند تعالیٰ کا یہ قول نہایت غور اور توجہ سے ملاحظہ کرو بل عجبت ویسخرون ۝ واذا ذکروا لا یذکرون ۝ واذا راوا اٰیۃ یستسخرون ۝ وقالوا ان ھذا الا سحر مبین ۝ أاذا متنا وکنا ترابا وعظاما أانا لمبعوثون ۝ او اٰباؤنا الاولون ۝ قل نعم وانتم داخرون ۝ فانما ھی زجرۃ واحدۃ فاذا ھم ینظرون ۝ وقالوا یاویلنا ھذا یوم الدین ۝ ھذا یوم الفصل الذی کنتم بہ تکذبون ۝ احشروا الذین ظلموا وازواجھم وما کانوا یعبدون ۝ من دون اللہ فاھدوھم الی صراط الجحیم ۝ وقفوھم انھم مسئولون ۝ ما لکم لا تناصرون ۝ بل ھم الیوم مستسلمون ۝ واقبل بعضھم علی بعض یتساءلون ۝ قالوا انکم کنتم تاتوننا عن الیمین ۝ قالوا بل لم تکونوا مومنین ۝ وما کان لنا علیکم من سلطان بل کنتم قوما طاغین ۝ فحق علینا قول ربنا انا لذائقون ۝ فاغوینا کم انا کنا غاوین ۝ فانھم یومئذ فی العذاب مشترکون ۝ انا کذلک نفعل بالمجرمین ۝ انھم کانوا اذا قیل لھم لا الہ الا اللہ یستکبرون ۝ ویقولون ائنا لتارکوا اٰلھتنا لشاعر مجنون ۝ بل جاء بالحق وصدق المرسلین ۝۔ یعنے بلکہ (اے نبی) تم ان (کافروں کی حالت) پر تعجب کرتے ہو اور یہ مسخراپن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو

ہے (اور کہتے ہیں کہ) کیا جب ہم مرجائیں گے اور خاک اور ہڈی ہوجائینگے کیا بیشک یقیناً ہم (پھر) زندہ کئے جائینگے۔ آیا ہمارے اگلے باپ دادا (بھی زندہ کئے جائیں گے۔ اے نبی) کہدو کہ ہاں (تم سب زندہ کئے جاؤگے) اور تم ذلیل ہوگے پس سوا اسکے نہیں کہ وہ (یعنے اُن کا زندہ کیا جانا بذریعہ) ایک سخت نعرہ (کے) ہوگا پس فوراً یہ (زندہ ہوکر) دیکھنے لگیں گے۔ اور کہیں گے کہ اے ہماری خرابی یہی روز جزا ہے (اُس وقت اُن سے کہا جائیگا کہ) یہی فیصلہ کا دن ہے جسکی تم تکذیب کرتے تھے (اور فرشتوں کو حکم دیا جائیگا کہ) ظالموں کو اور اُن کے ہمراہیوں کو جمع کرو اور جن کی وہ خدا کے سوا پرستش کرتے تھے پھر اُنھیں دوزخ کی راہ دکھاؤ۔ اور اُنھیں کھڑا کرو بے شک اُن سے پوچھا جائیگا کہ تمھارا کیا حال ہے کہ تم (اسوقت) ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے (اسوقت وہ بالکل سرکشی نہ کرینگے) بلکہ وہ اُس دن فرمان بردار بن جائینگے اور بعض اُن کے بعض کی طرف متوجہ ہوکر ایک دوسرے سے پوچھیں گے (اور) کہیں گے کہ بیشک تم ہمارے داہنی طرف سے اور بائیں طرف سے (ہمیں گمراہ کرنے کو) ہمارے پاس آتے تھے (تم ہی نے ہمیں گمراہ کیا) وہ جواب دینگے (کہ ہمنے گمراہ نہیں کیا)، بلکہ تم (خود) ایماندار نہ تھے اور ہمکو تم پر کچھ قابو نہ تھا بلکہ تم (خود) سرکش لوگ تھے پس (اب) ہمپر ہمارے پروردگار کا وعدہ صادق آگیا کہ بیشک یقیناً (اب) ہم (عذاب کا مزہ) چکھنے والے ہیں پس ہمنے تمھیں گمراہ کیا بیشک ہم (خود بھی) گمراہ تھے پس یقیناً وہ اُسدن عذاب میں شریک ہونگے بیشک ہم گناہگاروں کے ساتھ ایسا ہی (برتاؤ) کرتے ہیں بے شک وہ (ایسے سرکش تھے کہ) جب اُن سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو سرکشی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم بیشک ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں (اے بدبختو ہمارے نبی دیوانہ شاعر نہیں ہیں)، بلکہ وہ (دین) حق لائے ہیں اور اُنھوں نے (اگلے) پیغمبروں کی تصدیق کی ہے۔ فقط

اسے آپنے اچھی طرح سمجھ لیا کہ یہ بیان اُن مشرکوں کا ہے جو حساب وکتاب کے دن کو جھٹلاتے ہیں توحید۔ پیغمبروں پر ایمان لانے اور روز قیامت پر صدق دل سے ایمان لانے کی بابت اُنھیں سے پوچھا جائیگا۔ اس سوال میں علی کی محبت کو کیا دخل ہوسکتا ہے۔ سمجھو تو سہی کہ اگر یہ لوگ باوجود اس کفرو شرک کے علی سے محبت رکھیں تو کیا یہ محبت رکھنا اُنھیں کچھ نفع دیسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یا یہ لوگ اگر علی سے بغض رکھیں تو اُن کے اس بغض کو اللہ کے پیغمبروں۔ اُسکی کتاب اور اُسکے دین سے بغض رکھنے سے کیا نسبت ہے کتنا اندھیر ہے کہ کس بے دردی اور خیرہ چشمی سے قرآن مجید کی ایسی تفسیر

کیجاتی ہے جو سوائے زندیق اور ملحد کے کوئی نہیں کر سکتا یہ تو در حقیقت کلام خدا سے مضحکہ کرنا ہے اسکے علاوہ علی۔ طلحہ۔ زبیر۔ سعد۔ ابوبکر۔ عمر اور عثمان ان سب سے محبت رکھنے میں کیا فرق ہو سکتا ہے اور اگر کوئی شیعی علماء کے مقابلہ میں یہ دعوے کر بیٹھے کہ نہیں ابوبکر کی محبت کے بارے میں سوال کیا جائیگا تو یہ دعوے شیعی علما کے دعوے سے کچھ زیادہ بعید نہیں ہے۔ اس آیت میں تو کوئی بھی ایسا لفظ نہیں ہے کہ شیعی علما کے قول کے راجح ہونے پر دلالت کرے بلکہ اس آیت کی دلالت ان دونوں کی محبت ہونے نہ ہونے پر برابر ہے۔ ابوبکر کی محبت کے واجب ہونے کی اور بہت سی قوی دلیلیں ہیں جن کا ذکر موقع پر کہیں آئیگا۔

چوتھے یہ کہ اللہ کا قول مسئولون مطلق لفظ ہے اُسکے ساتھ کوئی ضمیر نہیں ہے جس سے کسی کی خصوصیت معلوم ہو اور نہ سیاق میں کوئی ایسا امر ہے جو علی کی محبت کے ذکر کا مقتضی ہو۔ پس شیعی علماء کا یہ دعوے کہ ان لوگوں سے علی کی محبت کا سوال ہونے پر یہ لفظ دال ہیں اعلےٰ درجہ کا جھوٹ اور بہتان ہے۔

پانچویں یہ کہ اگر کوئی یہ دعوے کرے کہ ان لوگوں سے ابوبکر و عمر سے محبت رکھنے کی بابت سوال کیا جائیگا تو یہ دعویٰ کسی طرح باطل نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی وجہ ہوگی تو اُس سے علی کی محبت کا سوال ہونے کا دعوے بدرجۂ اولیٰ باطل ہو جائیگا۔

شیعی علماء کی پندرھویں برہان

(بقول شیعی علما) خداوند تعالےٰ فرماتا ہے ولتعرفنہم فی لحن القول یعنی ضرور بلاشبہ تم اُنھیں (اُنکے) بات کے لہجہ سے پہچان لوگے شیعی علما فرماتے ہیں کہ ابونعیم نے سند کے ساتھ ابوسعید خدری سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے اس سے یہ مراد ہے کہ بیشک تم اُنھیں اُن کی بات کے لہجہ سے علی کے بغض رکھنے کو پہچان لوگے اور یہ فضیلت صحابہ میں سے اور کسی کے لئے ثابت نہیں ہے پس سب سے افضل علی ہی ہوئے لہذا وہی امام ہوں گے۔

جواب

اول ہم اس نقل کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہمیں اچھی طرح یقین ہے کہ شیعی دنیا کے کل عالم

ملکہ بھی اِس نقل کی صحت ثابت نہیں کر سکتے۔

دوسرے کل محدثین کا اسپر اتفاق ہے کہ ابو سعید خدری پر محض بہتان باندھا گیا ہے۔ اُنھوں نے ہرگز یہ روایت نہیں بیان کی۔

تیسرے ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ ابو سعید ہی نے ایسا کیا تھا تو اُن کا کہنا صرف ایک صحابی کا قول ہوگا۔ یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیجیے کہ صحابہ کے اقوال میں جب ایک قول دوسرے کے مخالف ہوتا ہے تو وہ باتفاق تمام علما کے حجت نہیں ہو سکتا۔

چوتھے یہ کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اکثر منافقین کی بات کے لہجہ سے علی کا بغض ہرگز نہیں پہچانا جا سکتا اور قرآن مجید کی یہ تفسیر کرنی بالکل صریح بہتان ہے ؛

پانچویں یہ کہ کفار اور منافقین کو حضرت علی سے اتنی عداوت ہرگز نہیں تھی جتنی کہ فاروق اعظم سے تھی کسی تاریخ یا کسی نوشتہ اور روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ کفار یا منافقین کو حضرت علی سے کبھی کوئی تکلیف پہونچی ہو۔ اِسلیئے فطرتاً یہ بات لازمی ہے کہ وہ ہرگز ایسے شخص سے عداوت نہ کریں جس سے اُنھیں کوئی تکلیف نہ پہونچی ہو۔

چھٹے صحیح میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپنے فرمایا ہے۔ ایة الایمان حب الانصار و آیة النفاق بغض الانصار۔ یعنے ایمان کی علامت انصار سے محبت رکھنا ہے اور نفاق کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔ پھر حضور انور نے فرمایا لا یبغض الانصار رجل یومن باللہِ و الیوم الاخر یعنے انصار سے ایسا آدمی بغض نہیں رکھ سکتا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ حدیثیں اور روایتیں اُس حدیث سے زیادہ صحیح ہیں جو بعض راوی حضرت علی سے نقل کرتے ہیں یعنے حضرت علی نے فرمایا تھا لعھد النبی الامی الیّ انہ لایحبُنی الا مومن ولا یبغضنی الا منافق۔ یعنی مجھسے نبی امی نے یہ عہد کر لیا تھا کہ مجھسے وہی محبت رکھے گا جو مومن ہوگا اور وہی بغض رکھے گا جو منافق ہوگا۔ یہ روایت فقط مسلم نے نقل کی ہے۔ بخاری نے اس روایت کو نہیں لیا۔ برخلاف انصار کی احادیث کے کہ اُن پر اہل صحاح ستہ یعنے بخاری وغیرہ سب کا اتفاق ہے اور کل اہل علم اسے یقیناً جانتے ہیں کہ بیشک حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے

برخلاف اُس روایت کے جو حضرت علی کی طرف منسوب کی گئی ہے اُس میں محدثین کے ایک طبقہ کو شک ہے۔

ساتویں یہ کہ نفاق کی علامتیں بہت سی ہیں جیساکہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آیۃ المنافق ثلث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان۔ یعنے منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کہے تو جھوٹ بولے وعدہ کرے تو اُسکا ایفا نہ کرے اور جب اُسکے پاس امانت رکھی جائے تو اُسمیں خیانت کرے۔ یہ علامتیں ظاہر ہیں اس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ منافق کی علامتیں کسی ایک شخص یا ایک جماعت کی محبت کے لیئے مخصوص نہیں ہیں اور نہ کسی کے بغض کے ساتھ اُن کا کوئی تعلق ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ جو شخص حضرت علی کے ساتھ اللہ کے واسطے محبت رکھے اسوجہ سے کہ وہ اسکے مستحق ہیں تو یہ محبت ضرور اُسکے ایمان کی دلیل اور علامت ہوگی۔

اسی طرح جو شخص انصار سے اسوجہ سے محبت رکھے کہ اُنھوں نے اللہ کے دین اور اللہ کے رسول سے محبت کی تھی تو یہ بھی اُسکے ایمان کی علامتوں میں سے ہے ہاں اگر کوئی ایسا شخص ہے جو حضرت علی سے اور انصار سے اسوجہ سے بغض رکھتا ہے کہ اللہ پر اور اللہ کے رسول پر اُن کا ایمان تھا اور خدا کی راہ میں جہاد کرتے تھے تو یہ شخص بے شک منافق ہے۔

اب محبت کا دوسرا پہلو لیجیے یعنے اگر کوئی شخص انصار سے یا حضرت علی سے یا اور کسی سے کسی امر طبعی کی وجہ سے محبت رکھے مثلاً دونوں میں رشتہ داری ہو تو یہ ایسی محبت ہوگی جیسے ابو طالب کو حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے تھی۔ یہ محبت محبت کرنے والے کو خداوند تعالےٰ کے ہاں کوئی نفع نہیں دیگی۔ اور جو شخص انصار یا حضرت علی وغیرہ کی محبت میں حد سے بڑھ جائے اور اُن کے مرتبہ سے اُنھیں بڑھا دے تو یہ بیشک حقیقت میں اُن سے محبت نہیں رکھتا بلکہ اُسے اُس چیز سے محبت ہے جس کا دُنیا میں کبھی ظہور ہی نہیں ہوا۔

اب سنئے بغض کی صورت اگر کسی شخص نے کسی انصاری سے ایسی بات سنی جس سے اُسکے دل میں انصاری کی طرف سے نفرت پیدا ہوگئی اور اُس کی وجہ سے وہ اُس سے بغض کرنے لگا تو ہم اس بغض کرنے والے شخص کو گمراہ اور گناہگار کہیں گے منافق ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح اگر کسی صحابی کی بابت کسی شخص نے کوئی خلاف عقیدہ کرلیا اور اپنے دل میں یہ سمجھ لیا کہ یہ کافر یا منافق ہے اور اُس کی وجہ

سے اُس سے بغض رکھنے لگا، اسپر بھی ہم اُس شخص کو ظالم اور جاہل کہیں گے منافق نہیں کہیں گے۔

اِس روشن استدلال اور برہان قاطع سے اُن روایتوں کا جھوٹ ہونا صاف ظاہر ہوتا ہے جو بعض صحابہ کی طرف سے نقل کی گئی ہیں۔ مثلاً بعض راوی جابرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اُنھوں نے یہ فرمایا تھا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم سوائے ایک علامت کے منافق کو نہیں پہچان سکتے تھے اور وہ علامت علی سے بغض رکھنے کی تھی۔ ان ناپاک روایتوں نے ایک طوفان برپا کر رکھا ہے۔ اور اس طوفان بے تمیزی کا یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت علی اپنی اُس وجاہت سے جو خداوند تعالےٰ کی طرف سے اُنھیں عطا ہوئی تھی بہت ہی آگے بڑھا دیئے گئے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُن کی اصلی حالت بالکل چھپ گئی اور وہ اب کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی۔ کوئی صحابی ہو اُس کا قول اگر قرآن مجید کے صریح خلاف ہوگا تو ہم ہرگز نہیں ماننے کے بشرطیکہ یہ ثابت بھی ہوجائے کہ یہ فلاں صحابی کا ہے۔ قرآن مجید میں صاف طور پر منافقوں کی علامتیں بیان کی گئی ہیں تو پھر کیونکر خیال ہوسکتا ہے کہ جابر جیسا جلیل القدر صحابی قرآن مجید کی ایسی کھلی آیتوں سے بالکل بے خبر تھا۔ قرآن مجید کی ان صریح آیتوں نے کہیں بھی حضرت علی سے بغض رکھنا نفاق کی علامت نہیں قرار دیا۔ قرآن مجید کی آیتیں حسب ذیل ہیں۔ ومنهم من يقول ائذن لي ولا تفتني الا في الفتنة سقطوا۔ اور ومنهم من يلمزك في الصدقات فان اعطوا منها رضوا وان لم يعطوا منها اذا هم يسخطون۔ اور ومنهم الذين يؤذون النبي ويقولون هو اذن قل اذن خير لكم يؤمن بالله۔ اور ومنهم من عاهد الله لئن اتانا من فضله لنصدقن ولنكونن من الصالحين۔ اس کے علاوہ خداوند تعالےٰ نے منافقوں کی علامتیں اور صفتیں اور بھی بہت بیان کی ہیں اور اُن اسباب کا بھی ذکر کیا ہے جو موجب نفاق ہیں جو چیز موجب نفاق ہو وہی اُسکی دلیل اور علامت ہے پھر ایک بالغ نظر یہ کیونکر کہہ سکتا ہے کہ منافقین کی علامت سوائے حضرت علی سے بغض رکھنے کے اور کوئی نہیں ہے۔

منجملہ بہت سی علامتوں کے منافقین کی ایک یہ بھی علامت تھی کہ حضور انور کے زمانہ میں جو شخص جماعت سے رہ جاتا تھا اُسے منافق سمجھتے تھے۔ چنانچہ صحیح میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا اے لوگو پانچوں نمازوں کی محافظت کرو جس وقت اذان سُنو فوراً حاضر ہوجایا کرو کیونکہ یہ نمازیں ہدایت کے طریقے ہیں جو اللہ نے اپنے نبی کے لیے مشروع کردیئے تھے اور اگر تم نے اپنے اپنے

گھروں میں نماز پڑھی تو یاد رکھو تم نے نبی کے طریقہ کو چھوڑ دیا - اور جب نبی کے طریقہ کو چھوڑ دیا تو تم یقیناً گمراہ ہو گئے - حضور انور کے زمانہ میں ہم میں جماعت سے کوئی نہ رہتا تھا سوائے ایسے منافق کے جس کے نفاق کی اطلاع سب کو ہوتی تھی بلکہ بعض بیمار آدمی جو خود اپنے پیروں سے نہیں چل سکتے تھے انھیں آدمی سہارا دیکر مسجد میں لاتے اور صف میں کھڑا کر دیتے تھے - فقط

نفاق کی اکثر علامتیں اور اسباب اُمت مرحومہ کے کل فرقوں میں سے ہمارے شیعہ اصحاب میں اس کثرت سے پائے جاتے ہیں جکا شمار نہیں اس لیئے کہ ان کے دین کا شعار تقیہ ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ زبان سے ایسی بات کہے جو دل میں نہ ہو اور یہی نفاق کی بہت بڑی علامت ہے جیسا کہ خداوند تعالےٰ نے فرمایا وما اصابکم یوم التقی الجمعان فباذن اللہ ولیعلم المؤمنین ولیعلم الذین نافقوا وقیل لھم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا قالوا لو نعلم قتالا لاتبعناکم ھم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان یقولون بافواھھم ما لیس فی قلوبھم واللہ اعلم بما یکتمون -

یعنے جس دن دو جماعتیں باہم مقابل ہوئیں اُس دن جو کچھ بھی تمھارے سامنے آیا تو اللہ کے حکم سے آیا تاکہ اللہ (خالص) ایمان والوں کو معلوم کرلے اور اُن لوگوں کو معلوم کرلے جو منافق تھے اُن سے کہا گیا تھا آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دشمن کو دفع کرو تو وہ کہنے لگے اگر ہم لڑنا جانتے تو بیشک تمھارا ساتھ دیتے یہ لوگ ایمان کے اعتبار سے اُس روز کفر سے بہت نزدیک تھے اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُنکے دلوں میں نہیں ہیں اور اللہ اُسے خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں - پھر فرمایا یحلفون باللہ ما قالوا ولقد قالوا کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم وھموا بما لم ینالوا ..... اور پھر فرمایا فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون -

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نفاق مثل جھوٹ - خیانت - وعدہ خلافی اور بے وفائی کے اتنا کسی فرقہ میں نہیں پایا جاتا جتنا اس فرقہ میں پایا جاتا ہے جس کے مذہب کا سب سے بڑا اصول تقیہ ہے -

صحیحین میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے وہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپنے فرمایا اربع من کن فیہ کان منافقا خالصا ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعھا اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا عاھد غدر واذا خاصم فجر - یعنے چار خصلتیں ایسی ہیں جس شخص میں وہ چار ہونگی وہ خالص منافق ہے اور جس میں

اُن میں سے کوئی خصلت ہے اُس میں نفاق کی ایک خصلت سمجھنی چاہیئے یہانتک کہ وہ اُسے چھوڑدے (وہ چاروں خصلتیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے - وعدہ کرے تو ایفا نہ کرے - جب کوئی عہد کرلے تو بیوفائی کرے اور جب لڑے تو گالی گفتار دے - اُس کا مفصل بیان دوسری جگہ آیا ہی یہاں مقصود فقط یہ ہے کہ یہ کہنا کہ نفاق کی علامت سوائے علی سے بغض رکھنے کے اور کوئی نہیں ہے - یہ بالکل ٹھیک نہیں ہے نہ صحابہ میں سے کسی نے یہ کہا اور اگر کسی ایک آدہ صحابی نے کہا بھی ہی تو صرف اتنا کہا ہے کہ علی سے بغض رکھنا بھی نفاق کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے - جیساکہ ایک مرفوع حدیث میں ہے - لَا یبغضنی الا منافق - یعنے مجھ سے منافق ہی کو بغض ہوتا ہی اسکی یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ جس شخص کو علی کی یہ حالت معلوم ہوجائے کہ وہ اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان رکھتے تھے اور راہ خدا میں جہاد کرتے تھے اِس علم ہونے پر بھی وہ اُن سے بغض رکھے تو وہ بیشک منافق ہے مگر انصار سے بغض رکھنے والے کا نفاق اِس سے بھی زیادہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ انصار واجب التعظیم ہیں مدینہ منورہ اُن کا شہر ہے - اسلام اور مہاجرین کو اُنھوں ہی نے پناہ دی - اُنھیں کے شہر کی طرف ہجرت کرنے سے اسلام کو اعزاز ہوا اہل اسلام کی شہرت ہوئی - اُنھوں نے ہی اللہ اور اللہ کے رسول کی ایسی مدد کی کہ نہ کسی اور شہر والوں نے کی اور نہ کسی قبیلہ نے کی - لہذا ان سے سوئے منافق کے اور کوئی بغض نہیں رکھ سکتا حالانکہ یہ لوگ مہاجرین سے افضل نہیں ہیں بلکہ مہاجرین ہی اُن سے افضل ہیں - اس سے ایک بہت بڑی بات یہ ثابت ہوگئی کہ جس شخص سے بغض رکھنا نفاق کی علامت قرار دی جائے اُس کا افضل ہونا ضروری نہیں ہے - لہذا حضرت علی صحابہ سے صرف اس بات پر افضل نہیں ہوسکتے -

جن لوگوں کو صحابہ کے حالات معلوم ہیں اُن میں سے کسی کو ذرا بھی شک نہیں ہے کہ کفار اور منافقین کو حضرت علی کی بہ نسبت فاروق اعظم سے بہت ہی بڑی عداوت تھی اسلام کی مدد کرنے اُس کو ترقی دینے کفار اور منافقین کو نیچا دکھانے میں حضرت علی کی بہ نسبت فاروق اعظم نے بہت بڑا حصّہ لیا ہے اسی وجہ سے اُنھیں فاروق اعظم سے بہت سخت عداوت تھی - یہی وجہ تھی کہ ایک بیدین کافر نے فاروق اعظم کو شہید کر ڈالا - آپ کا قاتل یقیناً کافر تھا - دین اسلام سے رسول سے اور رسول کی امت سے بہت بغض رکھتا تھا اور اسی بغض کی وجہ سے اُس نے آپ کو شہید بھی کیا تھا مگر جس نے حضرت علی کو شہید

کیا وہ نماز پڑھتا تھا روزے رکھتا تھا۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا مگر اُسکا یہ عقیدہ تھا کہ علی کے قتل کر دینے کو اللہ اور اللہ کا رسول پسند کرتے ہیں اسی لیئے اُس نے آپ کو شہید کر ڈالا اپنے خیال میں اُس نے یہ فعل اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کی وجہ سے کیا تھا اگرچہ وہ اپنے اس خیال میں گمراہ اور خطا پر تھا۔

مقصود یہ ہے کہ علی سے بغض رکھنے کی بہ نسبت عمر سے بغض رکھنے میں نفاق زیادہ ہے اسی لیئے ہم تقیہ والے گروہ کو نفاق میں سب فرقوں سے زیادہ سمجھتے ہیں شیعہ حضرت فاروق اعظم کو اُمت مرحومہ کا فرعون کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ابو لولو کی حمایت لیتے ہیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

شیعی علماء کی سولھویں برہان

(قول شیعی علماء) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے والسابقون السابقون اولئك المقربون یعنے اور آگے والے آگے والے ہی ہیں یہی لوگ (ہمارے) مقرب ہیں شیعی علماء کہتے ہیں کہ ابو نعیم نے ابن عباس سے روایت کی ہے اُنھوں نے اس آیت کی بابت فرمایا ہے کہ اِس امت کے آگے ہونے والے علی بن ابو طالب ہیں۔ پھر شیعی علماء یہ گوہر افشانی کرتے ہیں کہ فقیہ ابن المغازی شافعی نے مجاہد سے اور اُنھوں نے ابن عباس سے اس آیت کی بابت یہ روایت کی ہے کہ یوشع بن نون نے موسیٰ کی طرف سبقت کی اور موسیٰ نے ہارون کی طرف اور صاحب یٰس نے حضرت عیسےٰ کیطرف اور حضرت علی نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ یہ فضیلت صحابہ میں اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی لہٰذا علی ہی امام ہوئے۔

جواب

اس کا جواب کئی طرح پر ہے اول اِس روایت کی صحت کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی ہم علے الاعلان اس بات کو کہتے ہیں کہ شیعی دنیا کے کل علماء ملکر بھی اس حدیث کی صحت کا ثبوت نہیں دیسکتے ابو نعیم اور ابن مغازی کی نسبت پہلے لکھا جا چکا ہے اِس لیئے ہم اُن پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے صرف اِسی قدر لکھدینا کافی ہے کہ ابو نعیم اور ابن مغازی جو کچھ نقل کرتے ہیں اُس میں جھوٹ زیادہ ہوتا ہے۔

دوسرے ابن عباس کے اوپر یہ محض بہتان ہے ہرگز ابن عباس نے اُسے روایت نہیں کیا- اور اگر ہم تھوڑی دیر کے لیئے اِسے صحیح مان لیں توجب اِس روایت کے مخالف بڑے بڑے صحابی ہیں توکسی طرح یہ روایت حجت نہیں ہوسکتی-

تیسرے دیکھو خداوند تعالےٰ کیا فرماتا ہے والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعد لھم جنات تجری تحتھا الانہار یعنے مہاجرین وانصار میں سے پہلے سبقت کرنے والے اور جو لوگ نیکی کرنے میں اُن کے تابع ہیں اللہ اُن سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اللہ نے اُن کے لیئے ایسے باغات تیار کیئے ہیں جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہیں پھر خداوند تعالےٰ فرماتا ہے- ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ یعنے پھر ہم نے قرآن اپنے بندوں میں سے اُن لوگوں کو عنایت کیا جنھیں ہم نے برگزیدہ کرلیا پس کوئی اُن میں اپنی جان پر ظلم کررہا ہے کوئی اُن میں میانہ رو ہے اور کوئی اُن میں نیکیوں کی (طرف) خدا کے حکم سے سبقت کررہا ہے-

اِس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجیئے اور اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ وہ پہلے سبقت کرنے والے جنھوں نے مکہ فتح ہونے سے پہلے راہ خدا میں خرچ کیا اور جہاد کیا وہ اُن گوں سے یقیناً افضل ہیں جنھوں نے یہ کام فتح مکہ کے بعد کیا اور ان میں بیعت الرضوان والے بھی داخل ہیں اُن کی تعداد چودہ سو سے زیادہ تھی پھر یہ کون جاہل سے جاہل شخص کہہ سکتا ہے کہ سبقت کرنیوالا اس اُمت میں صرف ایک ہی آدمی ہے-

چوتھے شیعی علما کا یہ کہنا کہ یہ فضیلت حضرت علی کے سوا اور کسی صحابہ کو حاصل نہیں ہوئی محض غلط اور بالکل غلط ہے- کیونکہ اسمیں علما کا اختلاف ہے کہ سب سے پہلے اسلام کون لایا تھا- بعض کا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے ابوبکر مسلمان ہوئے تھے اب گویا ابوبکر مسلمان ہونے میں علی سے سبقت لے گیئے بعض کا قول یہ ہے کہ ابوبکر سے پہلے علی مسلمان ہوگئے تھے اگر اس قول کو تسلیم کرلیا جائے تو بھی یہ بات باقی رہتی ہے کہ علی اس وقت بچہ تھے بچہ کے مسلمان ہونے میں علمار کا اختلاف ہے کہ آیا اس کے مسلمان ہونے کا اعتبار کیا جائے یا نہیں مگر اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ ابوبکر کا اسلام واقعی سب سے اکمل اور انفع تھا- پس بالاتفاق سبقت میں یہی اکمل ہوئے اور پہلے قول کے مطابق تو اسلام میں سب سے سابق یہی ہیں اب اس برہان قاطع کے مقابلہ میں جب تک کسی معتبر شخص کا مشاہدہ نہ پیش کیا جائے ہم کیونکر یقین

کر سکتے ہیں کہ علی ان سے سابق تھے۔

پانچویں یہ افضلیت سابقین اولین کے لیئے ہے اور اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ جو اسلام میں سابق ہو وہ سب سے افضل ہو جائے ہاں سابقین کے افضل ہونے کی قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہو سکتی ہے۔ لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ یعنے (اے مسلمانو) تم میں سے کوئی اس کے برابر نہیں ہے جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا وہی لوگ باعتبار مرتبہ کے اُن لوگوں سے جنھوں نے فتح کے بعد خرچ کیا۔ اور جہاد کیا بہت بڑے ہیں اور (ان دونوں فریق ہیں) ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔ فقط

پس جو لوگ خرچ کرنے اور جہاد کرنے میں جنگ حدیبیہ سے پہلے سبقت حاصل کر چکے ہیں وہ اس واقعہ کے بعد والوں سے افضل ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں فتح کی تفسیر حضور انور نے واقعۂ حدیبیہ ہی سے فرمائی ہے اور جب سبقت کرنے والے یہ لوگ ہیں تو اُن میں کوئی پہلے اسلام لایا اور کوئی بعد لہٰذا ان دونوں آیتوں میں ایسا کوئی امر نہیں ہے کہ جو حضرت علی کے مطلقاً افضل ہونے کو چاہتا ہو۔ بلکہ اسلام میں وہ لوگ جو پہلے مسلمان ہوئے اُن سے وہ لوگ افضل ہیں جنھوں نے خدا کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا اور اسی سے اُنھیں یہ فضیلت حاصل ہوئی۔ دیکھو فاروق اعظم اگرچہ اُنتالیس آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے تو بھی نصوص صحیحہ صحابہ اور تابعین کا اجماع اس بات کو پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ وہ بہت سے صحابہ سے افضل ہیں۔ اور یقیناً میں اپنی غیر معمولی تحقیق کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ کسی شخص کا آج تک ایسا پتہ نہیں لگا جو یہ کہتا ہو کہ زبیر وغیرہ عمر سے افضل ہیں۔ حالانکہ زبیر عمر سے پہلے ایمان لائے تھے٭ اور اگر سبقت کرنے کی فضیلت مال خرچ کرنے اور جہاد کرنے سے حاصل ہوتی ہے تو یہ فضیلت ابو بکر ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اسمیں کسی کو بھی انکار نہیں ہے کیونکہ ان سے پہلے نہ کسی نے ہاتھ سے جہاد کیا اور نہ زبان سے۔ جس وقت سے ابو بکر حضور انور پر ایمان لائے تھے جہانتک اُن سے ہو سکا اپنا مال بھی خرچ کیا اور ایسے بہت سے آدمیوں کا پتہ لگتا ہے جنھیں مسلمان ہونے پر اُن کے کافر آقا طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دیتے تھے مگر عزیز اور سب سے عزیز اور سب سے زیادہ واجب الاحترام اور سب سے زیادہ خادم اسلام اور سب سے زیادہ رقیق القلب صدیق اکبر یعنے ابو بکر نے اپنے پاس سے روپیہ دے دے کے اُن کے ظالم آقاؤں کے پنجہ سے اُن مسلمان غلاموں کو آزاد کیا جسکی نظیر کسی صحابی میں نہیں ملتی۔ معز صدیق نے حضور انور کے ساتھ ہو کے برابر جہاد کیا جیسا کہ

٭ زبیر تو زبیر حضرت عثمان پر بھی عمر کو فضیلت ہے۔۔۔ حالانکہ عثمان عمر سے پہلے ایمان لائے تھے۔

خداوند تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے وجاھدھم بہ جھادا کبیرا۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ سبقت کرنے والے اور جہاد کی تمام قسموں میں سب سے کامل ابوبکر ہی ہیں۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ساتھ دینے اور مال خرچ کرنے میں ہم پر سب سے زیادہ احسان ابوبکر کا ہے۔ (یہ حدیث پہلے بھی آچکی ہے)

شیعی علماء کی ستر ھویں برہان

(بقول شیعی علما) خداوند تعالےٰ فرماتا ہے الذین امنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسہم اعظم درجۃ عند اللہ یعنے جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک مرتبہ میں بہت بڑے ہیں۔ شیعی علما فرماتے ہیں کہ رزین نے معاویہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب طلحہ بن شیبہ اور عباس کچھ فخر کرنے لگے تو علی کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ فضیلت صحابہ میں کسی کے لیئے ثابت نہیں ہے پس علی ہی افضل ہوئے اور وہی امام ہوئے فقط

جواب

اس کا جواب بھی کئی طرح پر ہے اول تو وہی کہ اس کی صحت کا ہم مطالبہ کرتے ہیں۔ ہم رزین کی کتاب کا اعتبار نہیں کرتے کیونکہ اس نے اپنی کتاب میں بہت سی روایتیں ایسی بڑھادی ہیں جنکا صحاح میں کہیں پتہ نہیں لگتا۔

دوسرے صحیح میں اس طرح نہیں ہے جس طرح رزین نے بیان کیا ہے بلکہ صحیح میں نعمان بن بشیر کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ممبر کے پاس بیٹھا تھا ایک شخص بولا کہ مسلمان ہونے کے بعد کسی نیک عمل کرنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے سوائے اسکے کہ میں حاجیوں کو پانی پلایا کروں۔ دوسرا بولا کہ مجھے بھی مسلمان ہونے کے بعد کسی عمل کی پروا نہیں سوائے اس کے کہ میں مسجد حرام کی مرمت کرادوں۔ تیسرا بولا کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ان سب سے افضل جہاد ہے۔ یہ قصہ جمعہ کے دن کا ہے فاروق اعظم نے اُن لوگوں کو دھمکایا اور فرمایا کہ میں نماز پڑھ کے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور یہ جو تم اپنی طرف سے باتیں بنارہے ہو اس کی بابت حضور انور سے

دریافت کروں گا۔ اسپر یہ آیت نازل ہوئی۔ اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام کمن آمن باللہ والیوم الاخر وجاھد فی سبیل اللہ الایہ۔ اس روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ شیعی پیش کردہ روایت کا ہمیں تو کہیں پتہ نہیں لگا۔ اس کے مقابلہ میں فاروق اعظم کی فضیلت کو دیکھا جائے کہ بعض اوقات آپ نے اپنا ایک خیال ظاہر کیا یا کسی امر میں حضور انور کو رائے دی وہ خیال یا رائے خداوند تعالیٰ کو پسند ہوا اور اُسکے مطابق اللہ تعالےٰ نے حکم دیدیا۔ ایک مرتبہ فاروق اعظم نے حضور انور کی خدمت میں عرض کیا کہ مقام ابراہیم کو آپ مصلےٰ بنالیں تو بہتر ہے اسپر یہ آیت نازل ہوئی واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی پھر ایک بار فاروق نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ازواج مطہرات کے لیئے پردہ کا حکم ہو جائے تو بہتر ہے۔ چنانچہ پردہ کی آیت نازل ہو گئی۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں اور یہ سب صحیح میں موجود ہیں یہ خصوصیت خاص فاروق اعظم کے لیئے تھی باقی ایمان لانے ہجرت اور جہاد کرنے سے جو فضیلت حاصل ہوئی اُنمیں سب صحابہ شریک ہیں کہ جو ایمان لائے ہجرت کی اور جہاد کیا

تیسرے اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ فضیلت حضرت علی میں کسیقدر زیادہ تھی تو پھر بھی یہ بات باقی رہتی ہے کہ اس فضیلت کو امامت کے خصائص میں سے کیونکر شمار کریں اور نہ کوئی شخص یہ ثابت کر سکتا ہے کہ ایسی کوئی فضیلت حضرت علی کے مطلقاً افضل ہونے کا سبب بن سکتی ہے۔ بالکل یہ مثال خضر کی سی ہے۔ خضر کو ایسی تین باتیں معلوم تھیں جنھیں موسےٰ نہیں جانتے تھے اور ان تین باتوں کے جاننے سے خضر، موسےٰ سے افضل نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ہُدہُد نے سلیمان سے جب یہ کہا کہ میں ایسی بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اس سے ہُدہُد سلیمان سے افضل نہیں ہو گیا نہ کوئی شخص اس بات کا قائل ہو سکتا ہے کہ ہدہد کو اس زیادہ جاننے سے سلیمان پر مطلقاً فضیلت حاصل تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کی خصوصیت دونوں صورتوں میں ٹھیک نہیں بنتی بلکہ متواتر حدیثوں سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ابوبکر کا جہاد علی کے جہاد سے بدرجہا بڑھا ہوا تھا کیونکہ وہ دولتمند آدمی تھے جنکی بابت حضور انور فرما چکے ہیں ما نفعنی مال کمال ابی بکر یعنے ابوبکر کے مال نے جیسا مجھے فائدہ دیا۔ کسی کے مال نے نہیں دیا۔ اَب رہے حضرت علی وہ بہت ہی مفلس اور فقیر آدمی تھے خود اُن کا گزارہ مشکل سے ہوتا تھا وہ راہ خدا میں کیا خرچ کر سکتے تھے۔ جان کے اعتبار سے بھی ابوبکر کا جہاد بڑھا

ہوا تھا جس کا ذکر اگر موقع ہوا تو آگے کیا جائیگا۔

شیعی علماء کی اٹھارھویں برہان

بقول شیعی علماء) خداوند تعالےٰ فرماتا ہے یا ایھا الذین امنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقہ یعنے اے مسلمانو جب تم (ہمارے) رسول سے (کچھ) راز کہو تو اپنے راز کہنے سے پہلے کچھ صدقہ دو فقط۔ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ حافظ ابونعیم نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے صدقہ دینے سے پہلے رسول کے ساتھ کلام کرنے کو حرام فرمایا تھا اسپر صدقہ دینے میں سب بخل کرنے لگے۔ یہانتک کہ کسی نے کچھ نہ دیا۔ علی نے فقط صدقہ دیا اور اُن کے سوا یہ فعل کسی اور مسلمان نے نہ کیا۔

پھر شیعی علما فرماتے ہیں کہ تفسیر ثعلبی میں ہے ابن عمر کہتے ہیں علی میں تین باتیں ایسی ہیں کہ مجھ میں اُن میں سے ایک بھی ہو تو وہی میرے لیئے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے وہ تینوں باتیں یہ ہیں۔ فاطمہ زہرا سے نکاح ہونا۔ جنگ خیبر میں جھنڈا ملنا۔ اور آیت نجوے۔

پھر شیعی علما فرماتے ہیں کہ رزین بن معاویہ نے جمع بین الصحاح الستہ میں علی سے روایت کی ہے کہ صرف میری ہی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں بہت کچھ تخفیف کر دی۔ یعنے فرائض مذہبی کو بہت ہلکا اور مختصر کر دیا۔ لہذا یہ بات اوروں پر علی کے افضل ہونے کی دلیل ہے اس لیئے امامت کے سب سے زیادہ حقدار وہی ہوئے۔ فقط

جواب

راز کہنے سے پہلے صدقہ دینے کی فلاسفی ایک عجیب وغریب رنگ اپنے میں رکھتی ہے تمام زمانہ نبوت میں سوائے چند روز کے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول سے کلام کرنے سے پہلے کسی نے صدقہ دیا ہو نہ علی نے نہ ابوبکر نے نہ عثمان نے اور نہ کسی اور صحابی نے۔ شریعت بالکل صاف اور کھُلی ہوئی ہے۔ اس کے متعلق کسی راز کی بات کی ضرورت نہیں۔ نہ شریعت کا کوئی مسئلہ کبھی راز میں پوچھا جا سکتا تھا جبکہ عربوں کی آزادی زن وشوئی کے رازدارانہ تعلقات پر مجالس میں کھلم کھلا روشنی ڈالتی تھی پھر کوئی وجہ نہیں کہ شریعت کی معمولی باتیں راز میں رکھی جائیں اور

حضور انور سے رازدارانہ دریافت کی جائیں۔

اسکی اصلیت یہ ہے کہ چند منافقوں نے حضور انور کے تبلیغ اسلام میں رخنہ ڈالنے کے لیئے اور آپ کا نہایت قیمتی وقت ضائع کرنے کے لیئے یہ رنگ ڈالا تھا کہ آئے اور عرض کیا کہ ہمیں کوئی راز کی بات کہنی ہے حضور انور کے حمیدہ اخلاق اس بات کے مقتضی نہیں تھے کہ آپ کسی کی بات سننے سے انکار کردیتے خواہ وہ منافق ہو یا کافر فوراً اُس کی درخواست قبول کرلی جاتی تھی اور وہ اِدھر اُدھر کی معمولی باتیں کر کے حضور انور کا قیمتی وقت ضائع کردیتا تھا۔ جب اس قسم کے حملے منافقوں کی طرف سے حضور انور کے اوقات گرامی پر پے در پے ہونے لگے تو اخیر یہ آیت نازل ہوئی۔ مگر اس عظیم الشان اور لاثانی خلق کو دیکھئے کہ خطاب دین کے پیروان ہی سے کیا گیا ہے محض منافقوں کی طرف خطاب کیا جانا اُن کی دل آزاری اور ذلت کا باعث تصور کیا گیا۔ اس سبب سے خاص اپنے ہی آدمیوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا گیا کہ اگر ہمارے رسول سے کوئی راز کی بات کہو تو صدقہ دینے سے پہلے نہ کہو۔

اسکے علاوہ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایرانی اور شامی تمدن کا ناپاک اثر جو عرب پر پھیلا ہوا تھا یعنے مجلس میں سینکڑوں آدمی بیٹھے ہیں اور چند آدمی آپس میں کانا پھوسی کر رہے ہیں۔ اس ناپاک رسم کی عربوں میں بہت کثرت تھی اور یہ ایک ایسا ناگوار اور شرمناک امر ہے کہ جس سے زیادہ مجلسی بدتہذیبی اور کسی بات میں نہیں ہے۔ خیال تو کیجیے کہ بیس پچیس یا سو پچاس آدمی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں اور پانچ چار آدمی اُن سے مُنہ موڑ کے سرگوشی کر رہے ہیں کیسی نامعقول حرکت اور دوسروں پر کیسا بُرا اثر ڈالنے والی بات ہے۔ چونکہ عربوں میں یہ زبون ترین عادت ایرانیوں اور شامیوں سے آگئی تھی لہذا وہ عین دربار نبوی میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے کا ارادہ رکھتے تھے باریتعالیٰ کی حکمت بالغہ اس بات کی مقتضی ہوئی کہ اس ناپاک رسم کی بیخ و بنیاد اُکھیڑنے کے لیئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی کہ راز کہنے والا پہلے صدقہ دیدے۔ بس یہ ترکیب حقیقت میں بہت کامیاب ثابت ہوئی اور اب ہر شخص رُکنے لگا۔ یہاں تک کہ چند روز میں عربوں سے یہ عادت جاتی رہی۔ حضرت علی نے چونکہ اس وقت حکمت بالغہ خداوندی پر پوری غور نہیں کی تھی لہذا وہ اللہ تعالیٰ کا اُسے عام احکام مذہبی کی طرح ایک حکم سمجھ کے اُس کی پیروی کرنے کے لیئے تیار ہوگئے۔ اگر

آپ نے اس حکمت بالغۂ خداوندی کو پوری طرح سے سمجھ لیا تھا مگر اتفاق سے اس حکم کے نازل ہوتے
ہی آپ کو کسی راز کے جو خاص خانہ داری سے تعلق رکھتا ہوگا حضور انور سے عرض کرنے کی ضرورت
ہوئی اور آپ نے شرعی حجت پوری کرنے کے لیئے دو چار آنہ کی کوئی چیز صدقہ دیدی اور پھر حضور سے
خانہ داری کے متعلق جو بات کہنی تھی وہ کہدی اسمیں نہ کوئی خوبی ہے نہ کسی قسم کی فضیلت ہے نہ کوئی
بڑی بات ہے۔ ہمیشہ سے دنیا کا یہ قاعدہ چلا آتا ہے کہ کسی شخص کے معتقد یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے
پیر میں واقعی ایسی باتیں بہت کم ہیں جس سے اسکی بزرگی کا راز دنیا کے آگے گایا جائے تو وہ اِدھر
اُدھر کی لنگڑی لولی باتیں زبردستی کھینچ تان کے اُس کے سر چپیک دیا کرتے ہیں اور اُسی سے اُسکی
فضیلت کا راگ گایا کرتے ہیں۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ حضور انور نے جو طریقہ معاشرت اور تمدن مسلمانوں میں قائم
کیا تھا وہ ایسا درجہ مساوات رکھتا ہے کہ مغربی تمدن کے اس عروج کے زمانہ میں بھی ویسی مساوات کا
مرتبہ کسیکو حاصل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ حضور نے شریعت اسلامی کے متعلق کوئی بات کبھی راز
میں نہیں کہی کیونکہ حکم خداوندی بھی صاف طور پر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو کہو علانیہ کہو علی الاعلان
کہو کھلم کھلا کہو اور بھرے مجمع میں کہو جہاں فرمایا ہے یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک پھر کس طرح
ممکن ہو سکتا تھا کہ حضور انور شریعت کے معاملات میں سرگوشی کو گوارا فرماتے۔ ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ معاشرت
کے ایسے بہت سے اُمور ہیں کہ جو پردے میں رکھے جا سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ اُنھیں کے متعلق بعض اشخاص
خواہ وہ منافق ہوں یا مومن حضور سے اگر سرگوشی کرتے ہوں مگر یہ بھی ایک لغو استدلال ہے جیسا کہ ہم
پہلے لکھ آئے ہیں۔ زن و شوئی کے تعلقات جو سب سے زیادہ رازدارانہ ہوتے ہیں اُن میں کوئی پردہ
نہ تھا اور علانیہ دربار نبوی میں بیان کیئے جاتے تھے تاکہ قابل عمل امور پر عمل کیا جائے اور ناقابل عمل سے
اجتناب کیا جائے۔ پس صدقہ دینے سے پہلے راز نہ کہنے کی آیت کا شان نزول یہی ہے اور قریب قریب
کل مفسر اس سے اتفاق رکھتے ہیں۔ اگرچہ اُنھوں نے اس توضیح سے بیان نہیں کیا ہے جیسا کہ ہم نے
تو بھی اُن کا مطلب قریب قریب یہی ہے۔

اَب ہم محدثانہ و محققانہ طور پر روشن دلائل کے ساتھ اسپر بحث کرتے ہیں اور ہمیں اس بات کا
کامل یقین ہے کہ ہماری ہر دلیل یا بُرہان قطعی الدلالت ہے اور کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا خواہ

وہ ہندوستان کا رہنے والا ہو یا شام و روم و ایران کا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعی دنیا میں ایک سکتہ سا پیدا ہوگیا ہے۔ اور کسی کی مجال نہیں کہ ہماری کسی برہان یا تحقیق کا کوئی جواب دے سکے ہماری جرأت اور دلیری کو دیکھئے کہ ہر ہفتہ آٹھ صفحے اس لاجواب کتاب کے ہزاروں آدمیوں کے سامنے پیش کر دیئے جاتے ہیں تاکہ ہفتہ بھر تک اُنپر غور کرنے کا موقع ملے اور کسی مخالف میں جرأت ہو تو اس کا جواب دے مگر صدائے برنخاست۔ ہوں ہاں کچھ نہیں۔ خیر اس سے ہمیں بحث نہیں ہم اپنے یقین اور ایمان سے کہتے ہیں کہ ہماری کسی بات کا معقول جواب نہیں ہو سکتا پھر بھلا کس طرح جواب دیا جائے۔ ہم حقیقت اظہار کرنے کے لیئے یہ کتاب شائع کر رہے ہیں ہمیں اس سے بحث نہیں کہ کوئی اسپر کان لگائے یا نہ لگائے یا کوئی اسکا جواب دے یا نہ دے ہاں یہ بات مسلم ہے کہ تمام بیہودہ شکوک غلط الزامات ناپاک افترا پردازیاں شدید زبانی بے رحمیاں اور غلیظ تحریریں اسلام کے روشن مسائل پر لغو اتہامات سب مٹا دیئے جائینگے اور آج نہیں تو چالیس پچاس برس کے بعد **کتاب شہادت** مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کا دستور العمل بن جائیگی اور اسی کتاب سے مسلمان اپنے دین کی کھوئی ہوئی عظمت کو پالیں گے اور انھیں معلوم ہو جائیگا کہ اسلام کیا ہے اور یاران طریقت نے کیا سمجھ رکھا تھا۔ اصلیت کیا ہے اور بیان کیا کیا جاتا تھا یہ ساری باتیں صاف طور پر عیاں ہو جائیں گی۔

یہ سخت غلط فہمی ہے کہ اس کتاب کے لکھنے کا مدعا شیعی دُنیا میں تہلکہ ڈالنے اور اُن میں زلزلہ پیدا کرنے کا ہے یا اُن کے جھوٹے سچے مذہب پر حملے کرنے کی غرض ہے نہیں ہرگز نہیں حاشا و کلا غرض صرف یہ ہے کہ اسلام اور بزرگان اسلام پر جو اتہامات لگائے گئے ہیں اُن کا تار تار الگ کر کے دکھا دیا جائے اور محدثانہ اور محققانہ بحثوں سے یہ بات ثابت کر دیجائے کہ ایسے غلط اتہامات اور الزامات سے اُن کی شان بہت ارفع و اعلےٰ ہے اسمیں **صدیق اکبر** بھی ہیں **عمر فاروق** بھی ہیں **عثمان غنی** بھی ہیں اور **علی مرتضیٰ** بھی ہیں۔ اُن پر اور اُن جیسے اور جلیل القدر صحابہ پر ناخدا ترسوں نے اسقدر طوفان برپا کیئے ہیں اور ایسے ایسے الزام اُنپر لگائے ہیں کہ ناواقف شخص تو ایک دفعہ کانپ اُٹھے گا اور دل میں یہ خیال کرے گا کہ جس دین خدا کی تعلیم کا یہ اثر ہو جس نبی کی اولوالعزمی اور اعلےٰ درجہ کی شان و عظمت کا یہ دعوےٰ کیا جاتا ہو اُسکے خاص الخاص صحابہ کی یہ کیفیت تھی۔ پھر بھلا دین خدا اور رسول کا کیا اعتبار کیا جائے۔ بس اس بات کو خیال

کر کے اسلام اور بزرگان اسلام و دین خدا اور رسول خدا کی حمایت پر ہمارا قلم اٹھا ہے اور جب تک یہ قلم ہمارے ہاتھ میں ہے ہم ایسی حمایت کو کبھی ترک نہ کرینگے - ہم اسے اپنا ذریعہ نجات سمجھتے ہیں - ناواقف ہمارے خلاف کچھ کہا کریں ہمیں اس کی پروا نہیں - جب تک ہم یہ نہ سمجھیں گے کہ تمام الزامات کی بیخ و بنیاد اُکھیڑ کے پھینک دی گئی اور تمام نامعقول اتہامات برباد ہو گئے - ہمارا قلم زبان حال سے یہ گویائی کرتا رہے گا -

تا دست نمی دہد وصالت   دست من و دامن خیالت

اس جملہ معترضہ کے بعد ہم اپنا اصلی مطلب شروع کرتے ہیں اور اسی معاملہ پر محدثانہ اور محققانہ روشنی ڈالتے ہیں - حضرت علی کے صدقہ دیکر راز کی بات کہنے کی حکایت ایک ایسی عجیب تر ہے جسکا مفصل ذکر کسی کتاب میں نہیں دیکھا گیا - سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آیا صحابہ پر اس آیت نے صدقہ دینا واجب کیا تھا یا نہیں بات فقط یہ تھی کہ جو شخص راز کی بات کہے وہی صدقہ دے اور جب کسی کے پاس راز کی کوئی بات ہی نہ ہو یا وہ حضور انور سے راز کی کوئی بات کہنا ہی نہ چاہے تو اُسے صدقہ دینے کی کیا ضرورت ہے اور کس طرح یہ الزام قائم ہو سکتا ہے کہ فلاں نے صدقہ دیا اور فلاں نے نہ دیا - اَب رہا راز کہنا یہ کچھ واجب نہ تھا نہ حکم خداوندی تھا نہ حضور انور نے کسی کو مجبور کیا تھا کہ تم مجھسے اپنا راز ضرور ہی کہو - لہذا جب راز کہنا واجب نہ تھا تو صدقہ دینا بھی واجب نہ تھا - اور ناواجب کے ترک کرنے پر کسی پر ملامت نہیں ہو سکتی - اب راز کہنے سے پہلے اگر کوئی شخص صدقہ دیدے تو اُس کی نیت پر اُسے اجر ملیگا - اور جس شخص کو راز کہنے کا کوئی سبب ہی پیش نہ آئے وہ صدقہ دینے والے اور راز کہنے والے سے کیونکر ناقص ٹھہرایا جا سکتا ہے - ہاں یہ بات ضرور ہے کہ صحابہ میں سے اگر کسی شخص نے راز بھی کہا اور استطاعت ہونے پر صدقہ بھی نہیں دیا اور بخل کیا تو اُسنے بیشک ایک مستحب فعل کو ترک کیا - مگر یاد رکھو کہ خلفا پر اس قسم کی کوئی شہادت کسی نوشتہ اور کسی دستاویز میں نہیں پائی جاتی -

دوسری بحث یہ ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لیئے ہم یہ فرض کر لیں کہ کسی نے اس مستحب فعل کو ترک کر دیا تھا تو مستحب فعل کے ترک کرنے کے باعث دوسرا شخص اُس سے مطلقاً افضل نہیں ہو سکتا -

صحیح میں یہ بات ثابت ہے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ سے دریافت کیا کہ تم میں کوئی ایسا ہے جو آج روزہ سے ہو ابو بکر بولے کہ مَیں ہوں پھر آپ نے فرمایا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے آج بیمار کی عیادت کی ہو ابو بکر نے کہا حضور مَیں ہوں۔ پھر حضور نے دریافت کیا تم میں کوئی ایسا ہی جو آج کسی جنازہ کے ساتھ گیا ہو ابو بکر نے کہا حضور مَیں ہوں۔ پھر حضور نے دریافت فرمایا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے آج کچھ صدقہ دیا ہو ابو بکر نے عرض کیا۔ مَیں ہوں۔ اسپر حضور نے فرمایا جس بندہ میں یہ خصلتیں ہوں وہ ضرور جنتی ہے۔ فقط

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ چاروں باتیں ایک ہی دن ابو بکر میں ہو جانی نہ کہیں علی کے لیئے منقول ہیں نہ کسی اور کے لیئے۔ صحیحین میں ہے ایک روز حضور انور نے فرمایا جو شخص کسی چیز کا جوڑا راہ خدا میں دے تو وہ جنت کے دروازوں سے پکارا جائے گا اور آواز آئیگی۔ اے اللہ کے بندے یہ تیری نیکی ہے۔ اگر کوئی بڑا نمازی ہے تو وہ باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا اور کوئی بہت روزے رکھتا ہے تو باب الصوم سے پکارا جائیگا۔ اور اگر کوئی زیادہ صدقہ دیتا ہی تو باب الصدقہ سے اُسے آواز ملے گی۔ اسپر ابو بکر بولے یا رسول اللہ میرے خیال میں سب دروازوں سے بلائے جانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اندر داخل ہونا تو ایک ہی دروازے سے ہو گا تو بھی کیا حضور فرما سکتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص ہے جو ان سب دروازوں سے بلایا جائے۔ حضور انور نے فرمایا ہاں ہے اور مجھے اُمید ہے کہ تم ہی وہ شخص ہو فقط۔ سب صحابہ موجود تھے مگر کسی کے لیئے حضور انور نے یہ نہیں فرمایا۔

اس کے علاوہ صحیحین میں حضور انور سے مروی ہے آپنے فرمایا ہے ایک آدمی ایک بیل پر کچھ بوجھ لادے ہوئے لیجا رہا تھا اُس بیل نے اُسکی طرف مونہ کر کے کہا کہ میں اس کے لیئے نہیں پیدا کیا گیا ہوں بلکہ میں تو کاشتکاری کے لیئے پیدا کیا گیا ہوں۔ لوگ یہ سُنکے تعجب سے کہنے لگے کہ ہیں بیل بھی باتیں کرتا ہے۔ پھر آپنے فرمایا ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا ایک بھیڑیئے نے حملہ کر کے ایک بکری کو پکڑ لیا لیکن چرواہے نے اُس بکری کو بھیڑیئے سے چھڑا لیا۔ اس پر بھیڑیا بولا کہ اب تو تو نے اس بکری کو چھڑا لیا ہے۔ اُسدن جب میرے سوا اُن کا کوئی رکھوالا نہ ہوگا تو پھر تو اُسے کیونکر چھڑائے گا۔ لوگ کہنے لگے کہیں بھیڑیا بھی بولا کرتا ہے۔ اسپر حضور انور

نے فرمایا میرا اور ابوبکر و عمر کا اسپر ایمان ہے کہ ایسا ضرور ہوگا۔ فقط اس بات کو سمجھ لیجیے کہ اس وقت یہ دونوں صحابی دربار نبوی میں حاضر نہ تھے۔

ابوبکر کی یہ فضیلت تو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضور نے یہ فرمایا تھا کہ ابوبکر کے مال نے جیسا مجھے فائدہ دیا اور کسی کے مال نے ایسا نفع نہیں دیا۔ اس فضیلت میں ابوبکر کی خصوصیت کی یہ صریح دلیل ہے نہ اس میں ان کے سوا علی شریک ہیں نہ اور کوئی۔

سنن ابوداؤد میں ہے حضور انور نے ابوبکر سے فرمایا تھا اے ابوبکر میری اُمت میں تم سب سے پہلے جنت میں جاؤ گے۔

ترمذی اور سنن ابوداؤد میں عمر فاروق سے مروی ہے وہ کہتے تھے کہ ایک دفعہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا اس وقت اتفاق سے میرے پاس بھی مال تھا میں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ ابوبکر سے سبقت کر جانا میرے مقدر میں ہے تو بس آج میں اُن سے سبقت کر جاؤں گا۔ یہ خیال کر کے مَیں اپنا نصف مال لیکر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور انور نے دریافت کیا کہ گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑ آئے ہو یا نہیں مَیں نے عرض کیا اتنا ہی چھوڑ آیا ہوں تھوڑی دیر کے بعد ابوبکر آئے اور جو کچھ اُن کے پاس تھا سب کا سب لیکر چلے آئے حضور انور نے فرمایا ابوبکر تم نے کچھ گھر والوں کے لیے بھی چھوڑا ہے ابوبکر نے عرض کیا ہاں اللہ کا نام اور رسول کا کلمہ چھوڑ آیا ہوں۔ باقی مال وغیرہ تو اور کچھ نہیں جو کچھ میرے پاس تھا تنکا تنکا سب لے آیا ہوں۔ عمر فاروق کہتے ہیں اس وقت میں نے اپنے دل میں کہا کہ ابوبکر سے سبقت کوئی نہیں لے جا سکتا۔

بخاری میں ابوداؤد سے مروی ہے وہ کہتے ہیں ایک دن میں حضور انور کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ابوبکر اپنی تہبند کا پلہ پکڑے ہوئے آئے اُس سے اُنکے گھٹنے کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا۔ حضور نے یہ دیکھتے ہی ہم سے فرمایا کہ آج ابوبکر کچھ آزردہ معلوم ہوتے ہیں اتنے میں ابوبکر آئے سلام کیا اور پھر یہ عرض کیا کہ مجھ میں اور ابن خطاب میں کچھ نزاع تھا۔ میں اُن سے پہل کر کے بہت شرمندہ ہوا۔ مَیں نے ہر چند ان سے اپنا قصور معاف کرانا چاہا مگر وہ راضی نہ ہوئے اور صاف انکار کر دیا۔ میں وہاں ہی سے آزردہ دل ہو کر آ رہا ہوں۔ اسپر حضور نے تین دفعہ یہ فرمایا ابوبکر تم اطمینان

رکھو تمھاری خطا تو خدا معاف کر دے گا۔ پھر عمر فاروق کو کچھ خیال آیا وہ بہت نادم ہوئے بھاگے ہوئے ابوبکر کے گھر پہنچے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔ وہاں سے عمر فاروق دربار نبوی میں حاضر ہوئے اُنھیں دیکھتے ہی حضور انور کا مبارک چہرہ سرخ ہو گیا۔ ابوبکر اپنے نبی کی یہ حالت غیظ دیکھکر لرز گئے۔ عمر فاروق کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔ اخیر دو زانو ہو کر دست بستہ آنکھ نیچی کر کے حضور کے سامنے بیٹھ گئے اور عرض کیا۔

گر کشی ور جرم بخشی رو د سر آستانم

بندہ را فرماں نباشد ہر چہ فرمائی برانم

میں خطا کا اقرار کرتا ہوں مجھسے دو ظلم ہو گئے ہیں للّٰہ معاف کیجیئے آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے پیغمبر بنا کے تمھارے پاس بھیجا۔ اول اول تو سبنے میری تکذیب کی مجھے جھوٹا بنایا لیکن اُسوقت ابوبکر نے میری تصدیق کی اور اپنے جان و مال سے میرا ساتھ دیا پس کیا تم اب میرے ایسے ساتھی کو چھوڑانا چاہتے ہو۔ دو دفعہ اسی طرح فرمایا۔

ترمذی میں مرفوعا مروی ہے حضور انور نے فرمایا کہ جس جماعت میں ابوبکر موجود ہوں اُس جماعت کا کوئی شخص سوا ابوبکر کے امام نہ بنے یعنی کسی کو نماز پڑھانی ابوبکر کے آگے درست نہیں ہے۔

عثمان غنی کا ایک ہزار اونٹوں کا حضور کی خدمت میں جہاد کے کام کے لیئے پیش کر دینا علی مرتضےٰ کے اس صدقہ سے ہزاروں حصّہ زیادہ ہے جو آپنے راز کہنے سے پہلے دیا تھا۔ جہاد میں خرچ کرنا تو ویسے بھی فرض تھا مگر راز کہنے سے پہلے صدقہ دینا فرض نہیں تھا کیونکہ صدقہ دینے سے پہلے راز کہنے کا ارادہ ہونا شرط ہے مگر جبکا یہ ارادہ ہی نہ ہو اُسپر صدقہ دینا لازم نہیں ہوتا۔

بعض انصار کے حق میں خداوند تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے ویؤثرون علے انفسھم ولو کان بھم خصاصہ۔ یعنے وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں گو اُنھیں کتنی ہی احتیاج اور (بھوک) ہو وے

صحیحین میں ابوہریرہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں ایک دن ایک آدمی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بہت مصیبت زدہ ہوں اور بھوکا ہوں۔ آپ نے کسی اپنی بی بی کے پاس بھیجدیا کہ وہ کچھ دیدیں اُنھوں نے جواب دیا واللہ میرے پاس تو سوا پانی کے کچھ نہیں۔ دوسری کے پاس بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب ملا۔ غرض اسی طرح سب کے پاس بھیجا اور سب

نے یہی جواب دیا پھر آپ نے حاضرین کی طرف خطاب کرکے فرمایا کہ جو شخص آج رات کو اسے کھانا کھلاوے خداوند تعالےٰ اسپر رحمت فرمائے گا - یہ سنتے ہی ایک انصاری کھڑا ہوگیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں اسے آج رات کو کھانا کھلاؤں گا - غرض اس فقیر کو وہ انصاری اپنے گھر لے گئے - اُسے باہر کھڑا کیا آپ اندر گئے اپنی بی بی سے پوچھا کہ کچھ کھانا ہے وہ بولی فقط بچوں کے لیئے تھوڑا سا رکھا ہے - انصاری نے کہا کہ بچوں کو تو بہلا لینا اور کل کھانا مہمان کو کھلا دو ہاں یہ خیال کر لینا کہ جب مہمان گھر میں آجائے تو تم فوراً چراغ گل کر دینا تاکہ اندھیرے میں کچھ معلوم نہ ہو اور وہ یہ سمجھے کہ ہم بھی اُس کے ساتھ کھا رہے ہیں - چنانچہ ایسا ہی ہوا مہمان کو پیٹ بھر کے کھانا کھلا دیا - دوسرے روز جب وہ صحابی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور انور نے صورت دیکھتے ہی فرمایا کہ تمھارے اس فعل سے خداوند تعالےٰ بہت خوش ہوا جو رات کو تم نے اپنے مہمان کے ساتھ کیا - ایک روایت یوں ہے کہ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی جو اوپر لکھی جا چکی ہے -

خلاصہ یہ ہے کہ جہاد وغیرہ کے موقعوں پر مال خرچ کرنے میں مہاجرین اور انصار کی اس قدر فضیلت بڑھی ہوئی ہے کہ حضرت علی کا تو وہاں گزر بھی نہیں - وجہ صرف یہ ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت علی بہت مفلس تھے - مال ہی اُن کے پاس کہاں رکھا تھا جو وہ خرچ کرتے - فقط

شیعی علمار کی اُنیسویں بُرہان

(بقول شیعی علما) خداوند تعالےٰ فرماتا ہے - واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا یعنے اور ہمارے اُن پیغمبروں کا حال پوچھو جنھیں ہم نے تم سے پہلے بھیجا تھا شیعی علما اس آیت پر یہ گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ ابن عبداللہ کہتے ہیں اور ابو نعیم نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے کہ شب معراج میں اللہ تعالےٰ نے تمام انبیا کو حضور انور سے ملوا دیا - پھر فرمایا اے محمد تم ان سے پوچھو کہ تم پیغمبر کس لیئے بنائے گئے تھے - حسب الہدایت آپ نے دریافت کیا تو پیغمبروں نے جواب دیا لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دلانے اور تمھاری نبوت اور علی بن ابو طالب کی ولایت کا اقرار کرانے کے لیئے ہم پیغمبر بنائے گئے تھے - پس اس سے زیادہ علی کی امامت کی اور کونسی صریح دلیل ہو سکتی ہے - فقط

جواب

یہ بات ماننی پڑیگی کہ موجودہ زمانہ کے چانڈو خانوں میں بھی اگر اس قسم کی کوئی گپ ہانکے تو وہ پاگل بنا کے نکال دیا جائے اور پھر اُسے چانڈو خانہ میں جانا کبھی نصیب نہ ہو ایسی بے جوڑ باتیں تعجب ہے کہ کیسے گھڑلی گئیں اور کس طرح لوگوں نے انکا یقین کرلیا۔ بس اعتقاد کے بھوت کا خدا بُرا کرے جس کے رعب میں آگے ساری دور از کار اور غلیظ باتیں ماننی پڑیں۔ ایسی باتیں جو خود اپنے جھوٹ ہونے کی آپ ہی شہادت دے رہی ہیں مگر تو بھی اس غیر معمولی اور عظیم الشان چانڈو خانہ کی گپ پر ہم اُسی طرح محققانہ اور محدثانہ نظر ڈالیں گے تاکہ ہمارے بعض احباب کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم نے صرف اُسے چانڈو خانہ کی گپ کہکے ٹالدیا اور اسپر کچھ بحث نہ کی۔

ہم منقل اور روایتوں کے اس روایت کی صحت کا بھی مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ ہم اُسے بالکل صریح جھوٹ سمجھتے ہیں اور اس کی صحت کا مطالبہ اس لیئے نہیں کرتے کہ ہمیں اس کے اعلےٰ درجہ کے جھوٹ ہونے میں کچھ شک ہو بلکہ مناظرہ میں ادنے درجہ یہی ہوتا ہے کہ اگر کسی بات کا کہنے والا اس کے جھوٹ ہونے کو نہیں جانتا تو جب تک وہ اُسکے صحیح ہونیکو ثابت نہ کروے اُسے اپنی اس بات کو حجت سمجھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جسکی صحت معلوم نہ ہو اس سے استدلال کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہے اس لیئے کہ وہ قول بلا علم ہوتا ہے اور یہ بات قرآن حدیث اور اجماع سب طرح سے حرام ہے۔

دوسرے اس قسم کی روایتوں پر تمام علما کا اتفاق ہے کہ یہ موضوع اور جھوٹی ہیں۔

تیسرے یہ کہ جسے دینداری اور علم کا ذرا بھی پاس ہو وہ یقیناً اس بات کی شہادت دیگا کہ یہ اوپر والی روایت ایسی باطل اور جھوٹ ہے کہ کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی اُس کی تصدیق نہیں کرسکتا بھلا خیال کرنے کی بات ہے کہ انبیا سے ایسا سوال کیونکر ہوسکتا ہے جو اصول ایمان میں داخل نہیں ہے۔ اور اسپر سب مسلمانوں کا اجماع ہوچکا ہے کہ اگر کوئی حضور انور پر ایمان لایا اور ہر طرح آپ کی فرمانبرداری کی اور آپ کی زندگی ہی میں یہ بات جاننے سے پہلے مرگیا کہ اللہ نے ابو بکر و عمر و عثمان و علی کو پیدا کیا تھا تو یہ نہ جاننا اُسے کسی طرح کا نقصان نہیں دیسکتا اور نہ یہ اسکی نجات کو روک سکتا ہے۔ جب اُمت مرحومہ ہی میں یہ حال ہے تو اب کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ آپ کے کسی صحابی کا اقرار کرلینا

انبیا پر بھی واجب تھا۔

چوتھے یہ کہ شب معراج مکہ میں ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی بعض کہتے ہیں اٹھارہ مہینے پہلے اور بعض کہتے ہیں پانچ برس پہلے۔ بعض اور مختلف مدتیں بتاتے ہیں۔ شب معراج کے وقت حضرت علی صغیر سن تھے نہ اُن کی ہجرت قابل لحاظ تھی نہ یہ اُس وقت جہاد کے لائق تھے نہ یہ اس شان کے تھے کہ اُن کا ذکر کرنا انبیا علیہم السلام پر ضرور ہوتا نہ اُنھوں نے اپنی کتابوں میں کہیں اُنکا ذکر کیا اُن کی کتابیں موجود ہیں اُن میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر تو اکثر لوگوں نے دیکھا ہے مگر حضرت علی کی طرف تو کہیں اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ ہاں اس کے خلاف ایک عجیب روایت یہ ہے اور جسکا ذکر اکثر علمار نے کیا ہے کہ وہ تابوت جو مقوقس کے پاس تھا اسمیں اکثر انبیا کی تصویریں تھیں اور ساتھ ہی ہمارے آقائے نامدار حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تصویر بھی تھی اور حضور انور کی تصویر کے ساتھ ابوبکر و عمر کی تصویریں تھیں اور دستاویز میں یہ لکھا ہوا تھا کہ انھیں دونوں کے ذریعہ سے محمد صلی اللہ کے حکم کو قائم کرینگے۔ وہ لوگ جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہو گئے تھے اُنمیں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ہماری کتابوں میں حضرت علی کا ذکر تو ذکر کہیں اشارہ بھی آیا ہے پھر بھلا یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ جتنے نبی ہوئے وہ سب حضرت علی ہی کی ولایت کا اقرار کرنے کے لیے نبی بنائے گئے تھے حالانکہ نہ اُن انبیا نے کہیں اپنی امتوں سے یہ ذکر کیا اور نہ کسی دوسرے شخص نے کسی نبی سے ایسا قول نقل کیا ہے۔ فقط

شیعی علماء کی بیسویں برہان

(بقول شیعی علمار) خداوند تعالےٰ فرماتا ہی وتعیہا اذن واعیہ یعنے اسے یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں شیعی علما گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ تفسیر ثعلبی میں لکھا ہوا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علی سے فرمایا کہ اے علی میں نے اللہ سے یہ دعا کی تھی کہ وہ تیرے کانوں کو یاد رکھنے والا کرے پھر ابو نعیم کہتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ فرمایا کہ اے علی مجھے اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمھیں اپنے پاس بلا کے تمھارے سینہ میں علم بھر دوں اور یہ آیت مجھپر نازل کی ہے وتعیہا اذن واعیہ۔ پس اذن واعیہ تم ہی ہو (یعنے یاد رکھنے والے کان تمھارے ہی ہیں) چونکہ یہ دولت اور

کسی کو حاصل نہیں ہوئی لہٰذا علی ہی امام ہوئے۔ فقط

جواب

یہاں بھی وہی ثعلبی اور ابونعیم کا پیٹنا چلا جاتا ہے۔ سوائے ان دو بیچاروں کے ہمارے شیعی علما کا کوئی پشت پناہ نہیں کہ اُن کے اختراعی خیالات کی تائید کرے۔ بہر حال ہمیں محدثانہ اور محققانہ جواب دینے سے غرض ہے تاکہ کہنے والا یہ نہ کہے کہ کسی بات کا فقط غلط کہہ دینا اس بات کی پوری تردید پر دلالت نہیں کرتا۔

اَب سنیئے اسکا جواب کئی طرح سے ہے۔ اول ہم مثل سابق کے اس روایت کی بھی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہمیں اچھی طرح یقین ہے کہ تمام شیعی دنیا مل کے بھی اس روایت کی صحت ثابت نہیں کر سکتی۔ کیونکہ جیسا کہ ہم بارہا ثابت کر چکے ہیں کہ ثعلبی اور ابونعیم دونوں ایسی روایتیں نقل کیا کرتے ہیں جو بالاتفاق دلیل بننے کے قابل نہیں ہیں۔ پھر ہم یہاں بھی اُسی کا اعادہ کرتے ہیں کہ یہ روایت کسی طرح بھی دلیل بننے کے لائق نہیں۔

دوسرے اسپر کل علما کا اتفاق ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔

تیسرے یہ کہ پوری آیت یہ ہے جس کا صرف اخیر کا حصہ شیعی علما نے لیا ہے اور باقی چھوڑ دیا انا لما طغی الماء حملناکم فی الجاریة لنجعلها لکم تذکرة وتعیها اذن واعیة اس آیت سے فقط ایک آدمی کے کان ہرگز مراد نہیں ہیں کیونکہ خطاب اولاد آدم سے کیا گیا ہے اور اُنہیں کشتی میں سوار کر لینا اللہ کی قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے۔ چنانچہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہی وآیة لهم انا حملنا ذریتهم فی الفلك المشحون وخلقنا لهم من مثله ما یرکبون۔ اور فرمایا الم تر ان الفلك تجری فی البحر بنعمة الله لیریکم من آیاته ان فی ذلك لآیات لکل صبار شکور۔ اِسے دیکھنے کے بعد کون شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کیونکر ہو سکے گا کہ اِسے فقط ایک ہی آدمی یاد رکھے ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ مثل ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی کے کان بھی یاد رکھنے والے تھے اسمیں صرف علی کی کوئی خصوصیت نہیں یہ امر تو ایسا ہے جو بدیہی طور پر ہر شخص جان سکتا ہے کہ صرف تنہا علی کے کان اس آیت سے مراد نہیں ہے کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کان یاد رکھنے والے نہیں تھے نہ حسن۔ حسین۔ عمار۔ ابوذر۔ مقداد۔ سلمان فارسی۔ سہل بن حنیف وغیرہ

کے کان ایسے تھے جنکی فضیلت اور ایمان پر تمام شیعی دنیا سر جھکاتی ہے اچھا جب یہ بات ہوئی کہ یاد رکھنے والے کان علی وغیرہ سب کے ہو گئے تو اب یہ کہنا ہرگز ٹھیک نہیں کہ یہ فضیلت سوائے علی کے اور کسیکو حاصل نہیں ہوئی اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ شیعی علما اکثر اوقات اپنے مطلب کو بالکل بے اصل مقدمات پر مبنی کیا کرتے ہیں اور بعض اوقات اُنھیں اپنی دلیلیں بیان کرنے میں یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ ہمارے معتقدات کیا ہیں جو جی میں آیا کہہ گئے اور آگے پیچھے کی کچھ خبر نہ رکھی معتزلہ اُن سے پھر بھی بہتر ہیں کہ اُن کی حجتیں اور دلیلیں بہت سی ایسی ہیں جنپر اہل علم اور اہل عقل نے ہمیشہ توجہ کی ہے مگر شیعی علما نے شاید ہی کوئی دلیل ایسی بیان کی ہو جو توجہ کے قابل ہو کیونکہ عموماً یہ اُس چیز سے استدلال کرتے ہیں جس سے اُن کا مطلب نکلتا ہو حق اور باطل سے اُنھیں کچھ بحث نہیں رہتی - کبھی شیعی علما کا کسی چیز کی نسبت یہ دعوے ہوتا ہے کہ یہ علی کے فضائل میں سے ہے حالانکہ وہ مطلق علی کے فضائل میں نہیں ہے کبھی یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ یہ فضیلت اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی حالانکہ وہ مشترکہ فضائل میں سے ہوتی ہے - بات یہ ہے کہ جو فضائل حضرت علی کے لیئے ثابت ہیں - ان میں اکثر ایسے ہیں جو دوسرے صحابیوں میں بھی مشترک ہیں برخلاف ابوبکر و عمر کے فضائل کے کیونکہ اُن کے اکثر فضائل اُن ہی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں - جنمیں اُن کا کوئی شریک نہیں ہے اس بنیاد پر یہ دعوے کرنا کہ فلاں فضیلت سے امامت ثابت ہوتی ہے ایک ایسا لغو ہے جس کی لغویت عیاں ہے - یہ سب جانتے ہیں ... کہ کسی امر میں کسی کو جزوی فضیلت ہونی فضیلت مطلقہ کو مستلزم نہیں ہوتی نہ اِس سے امامت ثابت ہوتی ہے نہ وہ امامت کے لیئے مخصوص ہے بلکہ اس کا اطلاق تو امام غیر امام وغیرہ سب پر ہوتا ہے شیعی علماء ہر جگہ یہی دیکھا گیا ہے کہ اپنے مدعا کو انھیں تین مقدموں پر مبنی کیا کرتے ہیں اور یہ تینوں مقدمے محض بے اصل اور باطل ہیں -

شیعی علماء کی اکیسویں برہان

(بقول شیعی علماء) سورۂ ہل اتی سے حضرت علی کی امامت ثابت ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ تفسیر ثعلبی میں مختلف سندوں سے مروی ہے کہ جب حسن اور حسین بیمار ہو گئے تو اُن کے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور بہت سے عرب اُن کی عیادت کو گئے اُنھوں نے حضرت علی سے کہا اے ابو الحسن تم

اپنے بچوں کی کچھ نذر مان لو۔ چنانچہ حضرت علی نے تین روزہ نذر کے مان لیئے اور یہی نذر بچوں کی والدہ یعنے حضرت خاتون محشر فاطمۃ الزہرا اور اُن کی لونڈی فضہ نے بھی مان لی۔ قدرت الٰہی سے دونوں بچے اچھے ہو گئے۔ ان لوگوں نے روزے رکھنے شروع کر دیئے مگر روزہ افطار کرنے کے لیئے آل محمد کے پاس کچھ نہ تھا اخیر مجبور ہو کر حضرت علی نے دس سیر جو قرض لیئے جسمیں سے ایک تہائی خاتون محشر نے لی اور گھر کے پانچوں آدمیوں کے لیئے اُس کی پانچ روٹیاں پکائیں۔ حضرت علی نے مغرب کی نماز حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی نماز پڑھ کے گھر میں آئے خاتون محشر نے روٹی آپکے آگے رکھی۔ ابھی آپ کھانے نہ پائے تھے کہ ایک مسکین آیا اور کہا اے محمدؐ کے اہل بیت السلام علیکم میں ایک مسلمان مسکین ہوں مجھے کچھ کھانا کھلاؤ اللہ تمھیں بہشت کے خوانوں میں سے کھلائیگا حضرت علیؓ نے سنتے ہی حکم دیا کہ کُل کھانا اُسے دیدو گھر والوں نے سارا کھانا اُسکے حوالہ کر دیا یہ سب بھوکے کے بھوکے رہ گئے اور رات اور دوسرا دن صاف کڑاکے سے گزر گیا سوائے دو گھونٹ پانی کے کوئی چیز اُن کے حلق میں نہیں گئی دوسرے دن خاتون محشر نے ایک تہائی جو لے کے چکی میں پیسے اور روٹیاں پکائیں حضرت علی جب حضور انور کے ساتھ نماز پڑھکر گھر واپس آئے تو اُنکے آگے اسی طرح روٹی رکھی گئی ابھی آپ ٹکڑہ توڑنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک یتیم نے آکر سوال کیا اور کہا کہ اے محمدؐ کے اہلبیت السلام علیکم میں مہاجرین کی اولاد میں سے ایک یتیم ہوں میرا باپ جنگ عقبہ میں شہید ہو گیا۔ میں اسوقت بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلاؤ اللہ تمھیں بہشت کے خوان نعمت سے کھلائیگا۔ حضرت علی نے کل کی طرح کل کھانا اُسے اُٹھا کے دیدیا اور سب فاقہ سے سو رہے ایک کھیل کا دانہ بھی اُن کے مُونہہ میں اُڑ کے نہیں گیا۔ اسی طرح یہ دن بھی فاقہ سے گزر گیا کیونکہ دن کو مانا ہوا روزہ رکھا تھا۔ غرض جب تیسرا دن ہوا تو باقیماندہ جو خاتون محشر نے پیسے اور اُن کی روٹی پکائی۔ جب حضرت علی اپنی عادت کے مطابق حضور انور کے ساتھ نماز پڑھکے اپنے گھر آئے تو اُن کے آگے روٹی رکھی گئی۔ آپ نے ابھی روٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ایک قیدی دروازہ پر آیا اور کہا کہ تم ہمیں قید تو کر لیا کرتے ہو لیکن کھانے کو نہیں دیا کرتے۔ میں محمدؐ کا قیدی ہوں اور بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلاؤ اللہ تمھیں بہشت کے خوانوں میں سے کھلائیگا۔ حضرت علی نے اُسکے سوال پر کل کھانا اُٹھا کر اُسے دیدیا۔ غرض تین دن اور تین رات سب پر صاف

کر ڈالے کی گزر گئیں چوتھے دن حضرت علیؓ اپنے دونوں بچوں حسن اور حسین کو ساتھ لیکر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے - مارے بھوک کے ٹانگیں لرزی جاتی تھیں - جب حضور انور نے ان بچوں کو اس حالت میں دیکھا تو یہ فرمایا اے ابو الحسن مجھے ان بچوں کو اس حالت میں دیکھکر بہت صدمہ ہوتا ہے تم انھیں گھر ہی لے چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں - چنانچہ آپ خاتون محشر کے گھر پہنچے - مقدس بی بی حجرہ میں لیٹی ہوئی تھیں آنکھیں گڑھے میں گھس گئی تھیں اور مارے بھوک کے بالکل جانکندنی کی سی نوبت ہو رہی تھی - حضور نے اپنی صاحبزادی کی یہ صورت دیکھی تو آپکو بہت صدمہ ہوا اور آپ نے خداوند تعالی کی جناب میں فریاد کی - خداوندا میرے اہلبیت بھوک کے مارے مرے جاتے ہیں اسی وقت جبرئیل آئے اور کہا لو خداوند تعالے تمہارے اہلبیت کو مبارکباد دیتا ہے حضور نے دریافت کیا اے جبرئیل کیا لوں اس وقت جبرئیل نے سورۂ هل اتی علی الانسان حین آنحضرت کو پڑھائی یہ سورت مجموعہ فضائل پر دلالت کرتی ہی - اتنے فضائل کسی کو نصیب نہیں ہوئے - لہذا علی سب سے افضل ہوئے اور انھیں کی امامت مسلم ہے -

جواب

اسکا جواب کئی طرح پر ہے اول تو وہی سوال ہے کہ آیا اس روایت کی صحت کی بھی کوئی سند ہے یا نہیں - یہاں بھی حضرت ثعلبی اور واحدی براج رہے ہیں انہیں بیچاروں کو پکڑ لیا ہی اور انھیں پر اپنے استدلال کا دار و مدار رکھدیا ہے - ان دونوں کے متعلق ہم اپنے گزشتہ صفحات میں اچھی طرح بحث کر چکے ہیں اسی لئے یہاں اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں - مختصر یہ ہے کہ واحدی اور ثعلبی وغیرہ نہایت سادگی اور آزادی سے جو روایت ان کے ہاتھ لگ گئی اسے درج کر دیتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ یہ صحیح ہے یا ضعیف - اسی طرح اسرائیلیوں کی حدیثیں بھی آنکھ بند کر کے نقل کر دیتے ہیں - پڑھے لکھے آدمی اسے اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اسرائیلی حدیثیں نفس الامر میں باطل اور غلط ہیں - ان دونوں کا طریقہ یہ ہے کہ منقولات کو نقل کر دیا چاہے وہ غلط ہوں یا صحیح باقی کچھ سروکار نہ رکھا -

دوسرے ان تمام محدثوں کا جو اس عظیم الشان کام کے امام اور حاکم ہیں - اس بات پر اتفاق

ہے کہ یہ حدیث بالکل جھوٹ اور موضوع ہے اور ایسے موقع پر انہیں علماء کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اسی واسطے یہ حدیث اُن کتابوں میں سے کسی میں بھی مروی نہیں ہے جسے نقل میں مرجع ٹھیرایا جائے یعنے نہ صحاح میں نہ مسانید میں نہ جوامع میں نہ سنن میں نہ اسے مصنفوں نے فضائل میں نقل کیا ہے اگرچہ مصنف ایسے موقع پر ضعیف حدیثوں کے نقل کرنے کی بھی پروا نہیں کرتے ہم اسکے ثبوت میں نسائی کو پیش کرتے ہیں۔ جنھوں نے حضرت علی کے خصائص نقل کرنے میں ضعیف حدیثوں سے بھی درگزر نہیں کی۔ مگر ایسی غلط اور موضوع حدیث سے اُنھوں نے بھی پہلو بچایا اور کبھی اُسکی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھا۔ پھر ابونعیم کو لو جسنے خصائص علی میں اور ابن ابی خثیمہ ابوبکر بن سلیمان اور ترمذی نے اپنے جامع میں حضرت علی کے فضائل کی بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ جنمیں اکثر ضعیف ہیں لیکن یہ حدیث ایسی جھوٹی اور کھلی ہوئی موضوع ہے کہ اُنھوں نے اُسے نہیں لیا۔ اسیطرح اصحاب سیر مثلاً ابن اسحاق وغیرہ فضائل میں بہت سی ضعیف روایتیں نقل کر دیتے ہیں مگر اس حدیث کو اُنھوں نے بھی ہاتھ نہیں لگایا۔

تیسرے ان سب باتوں کے علاوہ اس حدیث کے جھوٹ ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ حضرت علی کی شادی فاطمۃ الزہرا سے ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوئی ہے اور وداع جنگ بدر کے بعد ہوئی جیساکہ صحیح میں ثابت ہوچکا ہے اور تین یا چار برس کے بعد حسنین پیدا ہوئے اور اسپر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت علی سے فاطمۃ الزہرا کی شادی مدینہ میں ہوئی ہے اور سوائے مدینہ کے اور کہیں ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ اِدھر تو آپ نے یہ ملاحظہ کر لیا۔ اُدھر یہ دیکھئے کہ سورۂ ہل اتیٰ مکی ہے جو ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھی اسپر تمام مفسروں اور محدثوں کا اتفاق ہے۔ مثل اور مکی سورتوں کے اس سورت میں بھی خداوند تعالےٰ نے دین کے وہ اصول ثابت کیئے ہیں جو اور انبیا میں مشترک ہیں جیسے اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لانا وغیرہ حضور انور جمعہ کے دن صبح کی نماز میں الم تنزیل کے ساتھ اسے پڑھا کرتے تھے کیونکہ اُسی دن آدم پیدا ہوئے اُسی دن جنت میں داخل ہوئے تھے اور اسی دن قیامت آئے گی۔ غرض یہ دونوں سورتیں آسمان زمین اور انسان کی ابتدا و پیدائش سے لیکے اس وقت تک کے حال کے متعلق سمجھنی چاہئیں توجب حضرت علی کی فاطمۃ الزہرا سے

شادی ہونے سے پہلے یہ سورت مکہ میں نازل ہوچکی تھی تو پھر سخت نادانی اور شرارت انگیز بے باکی ہے کہ بیان کیا جائے کہ یہ سورت حسنین کے بیمار ہونے پر نازل ہوئی تھی۔

چوتھے خود اس حدیث کے طرز بیان اور الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکا وضع کرنیوالا بالکل جاہل اور کوتاہ اندیش ہے۔ مضمون حدیث یہ ہے کہ حسنین کے نانا اور تمام عرب انکی عیادت کے لیئے گئے۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ بھلا کون کہہ سکتا ہے کہ تمام عرب مدینہ میں تھے۔ تھوڑے سے عرب بیشک تھے جنکا شمار انگلیوں پر ہو سکتا ہے۔ ان میں سے اکثر کافر تھے اور وہ کبھی حسنین کی عیادت کے لیئے نہیں آئے۔ دوسرے شیعی علماء کا یہ کہنا کہ عربوں نے حضرت علی سے کہا کہ اے ابو الحسن تم اپنے دونوں صاحبزادوں پر نذر مان لو یہ بھی غلط ہے اسمیں حضرت علی کی سخت توہین ہوتی ہے۔ آپ نے علم دین عربوں سے نہیں حاصل کیا بلکہ خود رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اس امر میں اگر طاعت تھی تو ایسے حکم دینے کے حقدار سوائے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں ہو سکتا تھا اور اگر اس امر میں طاعت نہ تھی تو حضرت علی کی شان ایسی نہیں تھی کہ وہ اس کہنے سے اُس کو کر لیتے اور حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم سے بغیر دریافت کیئے وہ عربوں کے قول کی اتباع کر لیتے۔

پانچویں یہ کہ صحیح میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے نذر ماننے سے منع فرمایا ہے اور صاف طور پر یہ کہہ دیا کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہاں اسکے ذریعہ سے بخیل سے کچھ لے لیا جاتا ہے۔ اب اگر حضرت علی اور فاطمۃ الزہرا کو اتنی بھی خبر نہ تھی تو پھر انکے بے پایاں علم کا کیوں راگ گایا جاتا ہے اور کیوں انھیں قوانین الٰہی کا محرز سمجھا جاتا ہے۔ ساتھ ہی حضرت علی کی عصمت میں بھی اس لاعلمی سے بہت بڑا فرق پڑتا ہے ایسے واقعات کے ہوتے کس کی مجال ہے کوئی ہوں ہاں کر سکے یعنے حضرت علی کی عصمت کا دعویٰ کر سکے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ علی اسکو جانتے تھے اور جان بوجھکر انھوں نے ایسا کیا جس میں نہ اللہ کی طاعت ہے نہ رسول کی تو اس سے ان کے دین میں نقص ہونا لازم آتا ہے اور اُن کی عقل وعلم سب معرض خطر میں پڑ جائیں گے۔ یہ درحقیقت اہلبیت کی ہجو ملیح ہے کہ اُن کے فضائل میں ایسی حدیثیں نقل کی جائیں جس سے صریح بُرائی نکلتی ہو۔ یہ ایک مشہور

بات ہے کہ اہلبیت میں سے ایک شخص نے اپنے وقت کے شیعوں سے کہا تھا کہ تمھارا ہم سے محبت کرنا ہمپر عار ہوگیا ہے ہم تمھاری محبت سے باز آئے۔ تمھاری محبت ہماری صریح ذلت کو ظاہر کرتی ہے۔ خداوند تعالے نے نذر پورا کرنے کی تعریف کی ہے نہ کہ نذر ماننے کی اس کی مثال یہ ہے کہ ظہار کرنے سے انسان منع کیا گیا ہے اور اگر کسی نے کر لیا تو اُسپر اُسکا کفارہ واجب ہو جاتا ہے اور جب اُسنے وہ کفارہ ادا کر لیا تو اُس کے کرنے پر اُسکی تعریف کی جاتی ہے۔ نفس ظہار غیر مستحسن ہے ہاں اس کا کفارہ قابل تحسین ہے اسی طرح اگر کسی نے اپنی بی بی کو طلاق دیدی اور حسن سلوک کے ساتھ اُسے علیحدہ کر دیا تو اِس سلوک کرنے پر اسکی تعریف ہوتی ہے نہ کہ نفس طلاق دینے سے جو کہ بالکل ایک مکروہ فعل ہے اسیطرح اگر کسی نے کوئی چیز بیچی یا خریدی اور جو کچھ اُس کے ذمہ تھا خواہ مبیع کا حوالہ کر دینا یا قیمت دیدینا وہ اُسنے کر دیا تو اس ادا کرنے پر اسکی تعریف ہوگی۔ بیچنے اور خریدنے پر نہیں ہونے کی۔ اسی قسم کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں۔

چھٹے حضرت علی اور فاطمۃ الزہرا کی کوئی لونڈی نہ تھی جسکا نام فضہ ہو یہ تو یہ حضور انور کے سارے رشتہ داروں میں بھی اس نام کی کوئی لونڈی نہیں تھی۔ جن علمانے اہلبیت کے مفصل حالات ذکر کئے ہیں اُنھوں نے بھی اس نام کی لونڈی کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ ہاں یہ فضہ بمنزلہ ابن عقب کے ہے جسکی بابت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ حسنین کا معلم تھا اور اُسے ایک سیب ملا تھا۔ اُس میں آیندہ واقعات کا ایک علم بھرا ہوا تھا بس اس قسم کی کہانیاں ہیں جنھیں شیعی علماء نے مشہور کر دیا ہے حالانکہ انکا کہیں سر پیر نہیں۔ کلینی نے اس لونڈی کے عجیب وغریب قصے گھڑے ہیں کہیں جناب عالی میاں محمد یعقوب صاحب اسے فرضی میدان کربلا میں لے گئے ہیں کہیں اس سے شیر کو آواز دلوائی ہے کہیں شیر سے باتیں کروائی ہیں اور کہیں حضرت امام حسین کی نعش پر اُس شیر کو حفاظت کے لیے متعین کرایا ہے غرض ایسی دلچسپ کہانیاں ہیں کہ بوستان خیال کا مصنف بھی شرمندگی کے مارے سرگرداں ہو جائے۔ اسی طرح ابن عقب کے قصے ہیں اگر اُنھیں ایک کتاب میں علیحدہ درج کیا جائے تو شرقی فسانوں کے نقطۂ خیال سے اس سے بہتر کوئی فسانہ نہ نکلے یاد رکھو اور اسے اچھی طرح سمجھ لو تمام اہل علم کا اسپر اجماع ہو چکا ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کا کوئی معلم نہ تھا اور نہ صحابہ میں کوئی ایسا صحابی تھا جسے لوگ اُنھیں ابن عقب کہتے ہوں۔ یہ جھوٹے قصیدے جو

ابن عقب کی طرف منسوب ہیں یہ اُن بعض متاخرین جہال کے ترتیب وادہ ہیں جو نور الدین اور صلاح الدین کے زمانہ میں تھے جس زمانہ میں ملک شام کا اکثر حصہ تو عیسائیوں کے قبضہ میں تھا اور مصر پر بنی عبید کی نسل کے ملحد قرامطہ نے قبضہ کر رکھا تھا یہ زمانہ کچھ ایسے ہی گندے مذاق کا تھا جس میں یہ قصیدے موزوں کیئے گئے اسی طرح لونڈی فضہ کے قصہ کو بھی سمجھیے۔

صحیحین میں حضرت علی سے مروی ہے کہ فاطمۃ الزہرا نے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک خادم مانگا تھا تو حضور انور نے اُن سے یہ فرمایا کہ تم سوتے وقت تینتیس دفعہ سبحان اللہ تینتیس ۳۳ دفعہ الحمد للہ اور چونتیس دفعہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو بس یہ تمھارے حق میں خادم ہونے سے بہتر ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب سے یہ کلمے میں نے حضور انور سے سُنے ہیں اُن کا ورد کبھی نہیں چھوڑا تمام محدثوں کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور نے فاطمۃ الزہرا کو کوئی خادم نہیں دیا تھا۔ مگر یہ ممکن ہے کہ انھیں بعد ازاں کوئی خادم مل گیا ہو مگر اس خادم کا نام فضہ ہرگز نہیں تھا۔

ساتویں یہ کہ اس قصہ میں ایک ایسا امر ہے کہ حضرت علی اور فاطمۃ الزہرا کی طرف منسوب کرنے کے ہرگز لائق نہیں کیونکہ وہ سراسر ظلم اور شریعت کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ تین دن معصوم بچوں کو فاقہ دینا اور ان تین دن میں انھیں رات کو بھی کھانے کو نہ دینا کونسا شرعی اخلاقی اور مُلکی قانون اس ظلم کی اجازت دیتا ہے بچے تو مچھلی کی طرح سے بھوکے تڑپیں اور ایک کڑیل جوان دُوازہ پر مانگنے کے لیئے آئے بچوں کو اُسی طرح تڑپتا ہوا چھوڑ دیا جائے اور سارا کھانا اُس موٹے تازے فقیر کے حوالہ کر دیا جائے۔ اِس کے علاوہ جتنے آٹے کا وزن بیان کیا گیا ہے اُسے ایک آدمی ہرگز نہیں کھا سکتا۔ اگر معصوم بچوں کا حلق کاٹ کر فقیر کو دینا تھا تو اُسی کی ایک خوراک دینی تھی نہ کہ یہ کہ چار آدمیوں کا کھانا اُٹھا کے دیدیا اور وہ ننگا مسٹنڈا فقیر لے کے چلتا بنا۔ باقی بچوں کا تین دن رات تک برابر بھوکا رہنا اور والدین کا کسی غیر وقت میں جبکہ آٹا گھر میں موجود تھا دو ایک روٹیاں پکا کر بچوں کو نہ کھلانا اور وقت مقررہ ہی پر چولھے کا گرم کرنا یہ ایسا بعید از قیاس امر ہے کہ کسیطرح سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

اب سنئے آٹھویں وجہ یہ ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ایک یتیم آیا اور اُس نے کہا میرا

باپ عقبہ کی لڑائی میں شہید ہوگیا ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔ دروغگو را حافظہ نباشد یہ تو بہت ہی کھلا کھلا جھوٹ ہے۔ عقبہ میں تو کبھی جنگ ہی نہیں ہوئی۔ ہاں ہجرت سے پہلے اور جہاد کے حکم ہونے سے اول عقبہ میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فقط بیعت لی تھی۔ اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ جس شخص نے یہ حدیث گھڑی وہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے معمولی حالات سے بھی واقف نہ تھا ہاں اگر حدیث گھڑنے والا بجائے عقبہ کے احد کا نام لے دیتا تب بھی ایک بات تھی۔

نویں یہ کہ جو لوگ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں شہید ہو جاتے تھے اُن کے بال بچوں کی آپ خود ہی خبر گیری کیا کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ جب فاطمۃ الزہرا نے آپ سے خادم مانگا تو آپ نے اُن سے یہی فرمایا کہ بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری خاطر بدر کے یتیموں کو چھوڑ دوں اور جو خادم اسوقت ان کی خدمت کر رہا ہے۔ اُسے وہاں سے چھڑا کے تمہارے حوالہ کر دوں پھر کون مسلمان یہ خیال کر سکتا ہے کہ حضور انور شہید کے بچے کی خبر گیری نہ کرتے تھے اور وہ دربدر بھیک مانگتا پھرتا تھا۔ حقیقت میں ایسا کہنا حضور انور پر ایک بہت بڑا بہتان ہے۔

دسویں یہ کہ مدینہ میں کبھی کوئی قیدی ایسا نہیں ہوا جو لوگوں سے بھیگ مانگتا پھرتا ہو بلکہ جن مسلمانوں کا وہ قیدی ہوتا تھا وہ خود اس کے خورونوش کا انتظام کرتے تھے۔ شیعی علما کا یہ کہنا کہ اُن کے قیدی لوگوں سے مانگتے پھرتے تھے بالکل جھوٹ اور بہتان ہے اسکے علاوہ قیدیوں کی زیادہ تعداد اسوقت تھی کہ جب فاطمۃ الزہرا کا حضرت علیؓ کے ساتھ نکاح بھی نہیں ہوا تھا یہ سب بدر کے قیدی تھے۔ نکاح ہونے کے بعد قیدیوں کی تعداد صرف نو رہ گئی تھی کیا نو کی تعداد ایسی تھی کہ مدینہ کے کل مسلمان اُن کی پرورش نہ کر سکتے تھے۔

گیارہویں اگر تھوڑی دیر کے لیئے ہم اس قصہ کو صحیح بھی مان لیں اور اُسے فضائل میں بھی داخل کر دیں تو بھی اس قصہ سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ حضرت علی سب لوگوں سے افضل ہوں اور وہی امام ہوں اور کوئی نہ ہو۔ جعفر بھی اکثر مسکینوں کو کھلایا کرتے تھے یہاں تک کہ اُن کے حق میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تشابھت خلقی وخلقی یعنے تو

میرے ظاہری اور باطنی خلق دونوں کے مشابہ ہے۔ اس کے علاوہ جعفر کے اور بھی بہت سے فضائل ہیں مگر باوجود ان فضائل کے بھی وہ حضرت علی سے افضل نہیں ہوسکتے چہ جائیکہ وہ اپنی اس فضیلت کی وجہ سے امامت کے مستحق ہوجائیں۔

بارہویں یہ کہ اس بات کو سب جانتے ہیں کہ ابوبکر صدیق کا اپنے مال کو خرچ کرنا سب سے بڑھا ہوا تھا اور اللہ اور اللہ کے رسول کو سب سے زیادہ پسندیدہ تھا۔ بھوکے کو کھلا دینا تو ایک ایسا عام صدقہ ہے جسے قیامت تک ہر ایک شخص کر سکتا ہے۔ بلکہ ہر اُمّت کے لوگ خواہ وہ مسلمان تھے یا نہ تھے اپنے اپنے بھوکوں کو کھلا دیا کرتے تھے اگرچہ اُن کا مقصود اس سے خداوند تعالے کو راضی کرنا نہ ہوتا تھا۔ برخلاف مسلمانوں کے کہ یہ اس فعل کو محض خداوند تعالیٰ ہی کی خوشنودی کی غرض سے کرتے ہیں۔ اسی لیئے یہ ممتاز ہیں جیسا کہ خداوند تعالے فرماتا ہے۔ انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاءً ولا شکورا۔

اَب رہا صدیق وغیرہ کا خرچ کرنا وہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو رہائی دلانے کی غرض سے ہوتا تھا جنھیں کفار تکلیفیں دیتے تھے اور قتل کردینا چاہتے تھے۔ مثلاً ابوبکر نے اپنے مال سے ایسے سات آدمیوں کو خرید کر آزاد کردیا تھا جنھیں اللہ کی راہ میں انتہا درجہ کی تکلیف دیجاتی تھی منجملہ ان سات کے ایک بلال ہیں۔ فاروق اعظم فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر ہمارے سرتاج ہیں اور اُنھوں نے ہی ہمارے سرتاج یعنے بلال کو آزاد کیا اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ صدیق اکبر نے اپنا مال محتاجوں پر اُسوقت خرچ کیا ہے کہ جب تمام جزیرہ نما کے باشندے اسلام کے دشمن تھے۔ ایسے نازک موقع پر خرچ کرنا کسیکو بعد میں کیونکر نصیب ہوسکتا تھا۔ اسی وجہ سے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی حدیث میں فرمایا تھا جس کے صحیح ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اس حدیث کو ہم پہلے بھی نقل کرچکے ہیں۔ جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ اگر کوئی تم میں سے کوہ احد کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو وہ اُن کے ایک مُد کے برابر ہوسکتا ہے اور نہ نصف کے۔ یہ اُس خرچ کرنے کی بابت ہے جو اُنھیں کے ساتھ مخصوص تھا باقی عام طور پر کسی بھوکے کو کھانا کھلا دینا تو ایک مشترک فعل ہے جو قیامت تک جاری رہیگا۔ اِس میں کسی کی کچھ خصوصیت نہیں ہوسکتی۔

شیعی علماء کی بائیسویں برہان

(بقول شیعی علما) خداوند تعالےٰ فرماتاہے - والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک هم المتقون یعنے جوشخص سچی بات لایا ہے اور جس نے اسکی تصدیق کی ہے یہی لوگ پرہیزگار ہیں اسپر شیعی علما فرماتے ہیں کہ ابونعیم نے اسی آیت کی بابت مجاہد سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں جس نے تصدیق کی وہ علی بن ابی طالب ہیں اور فقیہ شافعی نے بھی مجاہد سے روایت کی ہے کہ سچی بات لانے والے محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور اُن کی تصدیق کرنیوالے علی ہیں اور یہ ایسی فضیلت ہے جو علی ہی کے ساتھ مخصوص ہے پس وہی امام ہوئے -

جواب

اِس کے متعلق بھی چند باتیں کہنی ہیں - اول حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کہیں منقول نہیں - فقط مجاہد کا یہ قول مان بھی لیا جائے کہ مجاہد ہی کا ہے توکسی مسلمان کے لیئے حجت نہیں ہوسکتا - اور جب یہ بات بھی ثابت نہ ہو کہ مجاہد اس روایت کا راوی ہے تو پھر بتایئے اس کہانی کو کیا خیال کیا جائے گا - اِس کا جھوٹ ہونا صاف ظاہر ہے اور مجاہد سے اِس کے خلاف ثابت ہے وہ یہ کہ مجاہد کہتے ہیں کہ صدق سے مراد قرآن مجید ہے اور اُس کی تصدیق کرنے والے وہ مسلمان ہیں جنھوں نے اسپر عمل کیا غرضکہ مجاہد نے اِس آیت کو عام ٹھہرایا ہے - یہ روایت مجاہد سے طبری نے نقل کی ہے علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اِس کے تصدیق کرنے والے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہیں -

دوسرے یہ قول اس قول کے معارض اور خلاف ہے - جسپر قریب قریب سب مفسرین کا اتفاق ہے وہ یہ کہ سچی بات لانے والے محمدؐ ہیں اور اُسکی تصدیق کرنے والے ابوبکر ہیں مفسرین کے ایک بڑے گروہ کا یہ قول ہے - اسے طبری نے حضرت علی کی سند سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں اُسے محمد لائے ہیں اور ابوبکر نے اُسکی تصدیق کی ہے ایک حکایت بھی اسکے متعلق بعض مفسرین نے ابوبکر عبدالعزیز بن جعفر سے نقل کی ہے کہ کسی شخص نے اسی آیت کی بابت اُن سے پوچھا کہ یہ کس کے حق میں نازل ہوئی ہے اُنھوں نے جواب دیا کہ ابوبکر کے حق میں - سائل نے کہا نہیں بلکہ علی

کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ ابوبکر بن جعفر نے کہا کہ اچھا اس سے آگے تو پڑھ کہ اولئك هم المتقون ليكفر الله عنهم اسوأ الذی عملوا الآیہ بس یہ سن کے سائل کے حواس درست نہیں رہے اور وہ سناٹے میں رہ گیا

تیسرے یہ کہ اس آیت کے الفاظ عام مطلق ہیں نہ ابوبکر کے ساتھ مخصوص ہیں نہ علی کے ساتھ بلکہ جو شخص اس عموم میں داخل ہے وہ اس کے حکم میں بھی داخل ہے۔ ہاں اسمیں شک نہیں کہ اس میں داخل ہونے کے اس امت میں سب سے زیادہ حقدار۔ ابوبکر۔ عمر۔ عثمان اور علی ہیں لیکن یہ آیت اُن کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے فمن اظلم ممن کذب علے الله وکذب بالصدق اذ جاءه الیس فی جهنم مثوی للکافرین والذی جاء بالصدق وصدق به اولئك هم المتقون الآیہ یعنے اُس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بولے یا سچی بات کو جب وہ اُس کے پاس آئے جھٹلائے۔ کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے اور جو شخص سچی بات لاتا ہے اور جس نے اسکی تصدیق کی ہے وہی لوگ پرہیزگار ہیں ایک معمولی عقل کا آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت میں کسی کی بھی خصوصیت نہیں ہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور حضور انور کی تصدیق کی وہ سب اس میں داخل ہیں اور علی بھی اُنھیں میں سے ہیں کسیکی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ اور یہ بات ایسی ظاہر ہے کہ اسپر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

شیعی علماء کی تیئیسویں بُرہان

(بقول شیعی علما) خداوند تعالے فرماتا ہے هو الذی ایدك بنصره وبالمؤمنین یعنے وہی ہے جس نے تمہیں اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے قوت دی۔ شیعی علما فرماتے ہیں کہ ابونعیم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ عرش پر یہ لکھا ہوا ہے لا اله الا الله وحده لا شریك له محمد عبدی ورسولی ایدته بعلی بن ابی طالب یعنے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں۔ محمد میرا بندہ اور میرا رسول ہے علی بن ابی طالب سے میں نے اس کی مدد کی ہے اور یہی مطلب اللہ کی کتاب میں اُس آیت کا ہے جو اوپر لکھی گئی یہ بے شک ایک اعلےٰ درجہ کی فضیلت ہے اور سوائے علی کے کسی کو نصیب نہیں ہوئی

لہذا علی ہی امام ہوئے۔

جواب

اس کا بھی جواب کئی طرح پر ہے اول تو وہی پرانی بات یعنے اس نقل کی صحت کا مطالبہ ہم کرتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ مثل اور روایتوں کے اس روایت کی صحت کی بھی کوئی سند تمام دنیا کے شیعی ملکر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ ہر موقع پر تصدیق کے لیئے ابونعیم بیچارہ گھسیٹا جاتا ہے حالانکہ اسکی طرف کسی قول کا منسوب کر دینا کسی صورت سے بھی سند نہیں ہو سکتا۔ اب شیعی علما کے لیئے ایک اور بات دقت کی یہ ہے کہ اگر اُن سے یہ سوال کیا جائے کہ آیا وہ ابونعیم کی روایت کردہ نقلوں پر اعتبار رکھتے ہیں تو پھر اُس کی وہ کتاب جو اُس نے فضائل میں لکھی ہے ساری کی ساری ماننی پڑے گی اور اُس کے ماننے سے شیعی مذہب کی بنیاد منہدم ہو جائے گی اور اگر شیعی علما اس کا یہ جواب دیں کہ جو روایت ابونعیم ہمارے مطلب کی نقل کریگا اُسے تو ہم مانینگے باقی اُس کی کتاب میں جو روایت ہمارے مطلب کی نہ ہوگی اُسے ہم چھوڑ دیں گے یہ ایسا استدلال ہے جس کا سفسطہ بدیہی ہے اور اسپر بحث کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔

ابونعیم کی فضائل صحابہ میں ایک مشہور کتاب ہے اور کچھ فضائل اُس نے حلیہ کے شروع میں بھی بیان کیئے ہیں جہاں اُسنے حضرت علی کے فضائل میں بیسیوں روایتیں تراش لی ہیں وہاں ابوبکر۔ عمر اور عثمان کے فضائل میں بھی ایسی روایتیں نقل کی ہیں جس سے شیعی مذہب کی بنیاد چرچرا جاتی ہے اور اس مذہب کے ستونوں میں تو زلزل واقع ہو جاتا ہے لہذا شیعی علمار کی مجال نہیں ہے کہ اسکی ہر روایت سے حجت کریں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ابونعیم کی ہر نقل کردہ روایت پر اُنھیں بھروسہ نہیں ہے۔ بہر حال جو کچھ ہے وہ سارا کا سارا مضحکہ خیز ہے ایک بالغ نظر اسپر توجہ نہیں کر سکتا۔

ہمارا اصول ہر روایت کے جانچنے کا یہ ہے کہ ہم اس فن کے علما کی طرف پہلے رجوع کرتے ہیں اور اُن طریقوں کو دیکھتے ہیں جن سے روایت کا سچ اور جھوٹ ہونا معلوم ہو جاتا ہے یعنی اُسکے اسناد میں اور اُس کے راویوں میں غور کرتے ہیں کہ آیا وہ ثقہ ہیں اور بعض نے بعض سے سنا ہے یا نہیں پھر اس حدیث کے شواہد کو دیکھتے ہیں ہم اسی اصول کی بنا پر اُن روایتوں کو

جو حضرت علی کے فضائل میں ہیں اور اُن روایتوں کو جو شیخین اور عثمان غنی کے فضائل میں ہیں ایک ہی طرح سے پرکھتے ہیں اور اُنھیں ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں جسکی صحت ثابت ہوجاتی ہے اُس کی ہم تصدیق کرتے ہیں اور جھوٹی کی تکذیب کرتے ہیں تمام مسلمانوں کے نزدیک یہی معروف ہے باقی اُس شخص سے خدا پناہ میں رکھے جو خداوند تعالیٰ پر بہتان اُٹھائے اور اُس حق کی تکذیب کرے جسے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ ایسا شخص کتنا بڑا ظالم اور جاہل ہے۔ مسلمانوں کی حیثیت سے ہم پر واجب ہے کہ ہم ایسے شخص کی تکذیب کریں جسطرح مسیلمہ کذاب کی پیروی کرنے والوں کی تکذیب کرنی ہر مسلمان پر واجب ہے اسی طرح ہم اسے اپنا بہت بڑا فرض سمجھتے ہیں کہ جتنے طوفان خدا اور رسول صحابہ اور ائمہ پر اُٹھائے گئے ہیں اُن سب کا اظہار مخلوق پر کردیا جائے اور اپنی علمی تحقیق کے جھوکوں سے اس طوفان کا ستیاناس کردیا جائے تاکہ اُن غلط اور موضوع روایتوں سے جو غبار اسلام کے مطلع پر چھاگیا ہے اُس کے دھوئیں اُڑجائیں اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہوجائے۔

دوسرے یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے اور تمام محدثین کا اسپر اتفاق ہے۔ لہذا ہمیں اسکے جھوٹ اور موضوع ہونے پر کامل یقین ہے ہم اس اللہ کی قسم کھاکے کہتے ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ **ابوہریرہ** نے یہ حدیث ہرگز ہرگز روایت نہیں کی جو شخص علم حدیث اور دین اسلام سے واقف ہے وہ ہمارے قول کی دل اور زبان دونوں سے تصدیق کرے گا اور جسے اسلام کا علم نہ ہو اُسے ہم میں سے نہ سمجھنا چاہیئے۔ جس طرح ایک پرکھیا کھوٹے کھرے روپے کے متعلق قسم کھاسکتا ہے اسی طرح ہم بھی کھری کھوٹی حدیث کے متعلق قسم کھاسکتے ہیں کہ وہ صحیح ہے یا غلط مگر جسے اسمیں درک نہیں اُس کی طرف ہم خطاب نہیں کرتے۔

تیسرے یہ کہ خداوند تعالیٰ یہ فرماتا ہے هو الذی ایدک بنصرہ و بالمؤمنین والف بین قلوبهم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبهم ولکن اللہ الف بینهم یعنے وہی ہے جس نے تمھیں اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے قوت دی اور مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کردی اگر تم جو کچھ زمین میں ہے سب خرچ کردیتے (تو بھی) ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کرسکتے لیکن اللہ نے اُن میں اُلفت پیدا کردی۔ فقط۔ اس بارہ میں یہ نص ہے کہ جن مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کی گئی ہو۔ مومنین جمع کا لفظ ہے لہذا یہ نص صریح ہے اسمیں یہ احتمال بھی نہیں ہوسکتا کہ اس سے

فقط ایک ہی آدمی مراد ہو پھر یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ اس سے حضرت علی ہی اکیلے مراد ہوں۔

چوتھے یہ بداہت اور تواتر سے ہر شخص جانتا ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت فقط ایک اکیلے حضرت علی کے موافق ہونے اور ساتھ دینے سے ہرگز نہیں ہوئی حضرت علی بہت صغیر سنی میں جبکہ وہ بالکل ناسمجھ بچے تھے اسلام میں داخل ہوئے تھے اُس وقت اسلام بہت کمزور تھا اگر اللہ تعالے اور لوگوں کو ایمان لانے ہجرت کرنے اور مدد کرنے کی ہدایت نہ کرتا تو ایک صغیر سن بچہ کیا کر سکتا تھا کیا مدد دیتا۔ قبائل پر اس کا کیا اثر پڑتا۔ دین اسلام کی تلقین کیونکر کرتا۔ اُسے ہر شخص جان سکتا ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں کا ایمان اُن کی ہجرت اور مدد حضرت علی کے ہاتھ سے نہیں ہوئی اور نہ حضرت علی کو حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی دعوت دینے کے لیئے کہیں مقرر کیا۔ نہ مکہ میں نہ مدینہ میں جیسا ابو بکر مقرر تھے نہ کسی روایت میں نہ کسی نوشتہ اور دستاویز سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ کبھی ایک شخص بھی حضرت علی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا نہ مہاجرین میں سے نہ انصار میں سے سابقین اولین تو الگ رہے کہیں سے یہ بات بھی ثابت نہیں ہوتی کہ حضرت علی کے ہاتھ پر صحابہ میں سے کوئی شخص ایمان لایا ہو ہاں یہ ممکن ہے کہ جب حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو یمن بھیجا ہے اُسوقت کوئی شخص ایمان لایا ہو ہمیں اسکی خبر نہیں اور نہ کوئی ہمعصر شہادت اسوقت ہمارے پاس موجود ہے کہ جس سے ہم اسکی تصدیق کر سکیں اور تھوڑی دیر کے لیئے اگر فرض کر لو کہ کوئی یمنی شخص حضرت علی کے ہاتھ پر ایمان لایا یا مسلمان ہوا تو وہ صحابہ میں تو داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ ایمان کی حالت میں بغیر حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے صحابی نہیں بن سکتا۔ اس کے مقابلہ میں ابو بکر صدیق کو لو جن کے ہاتھ پر بڑے بڑے صحابی مسلمان ہوئے جن کے نام ہم اس کتاب میں پہلے کہیں لکھ چکے ہیں حضرت علی نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ مشرکوں سے مباحثہ کرتے اُنھیں ایمان لانے کی دعوت دیتے جیسا کہ ابو بکر ہمیشہ اُن سے مناظرہ کرتے اور ایمان لانے کی دعوت دیا کرتے تھے اور یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ جس طرح مشرک ابو بکر و عمر سے بید کیطرح کانپتے تھے اُسی طرح حضرت علی کا اُنھیں مطلق خوف نہیں تھا۔ صحاح ستہ۔ مسانید اور مغازی سب میں یہ بات ثابت ہے جنگ احد میں جب مسلمانوں کی صفیں برہم ہوگئیں تو ابو سفیان نے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کے **محمد** (صلے اللہ علیہ وسلم) **ابو بکر**رضہ اور **عمر**رضہ ہی کو آواز دی تیسرے کا نام لیکر نہیں بلایا جس کا مفصل ذکر

ہم گذشتہ صفحوں میں کر چکے ہیں اس سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ نہ صرف مشرکین قریش بلکہ اُن کے بڑے بڑے سردار حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر و عمر ہی کو سمجھتے تھے۔

شیعی علماء نے حضرت علی کے اصلی فضائل سے انھیں علیحدہ کر دیا تمام دنیا کی فرضی باتیں اُن کے سر چپک دیں اور فرضی فضائل کی حد یہاں تک پہنچا دی کہ مدح ہجو ملیح بنگئی وہ بتائیں کہ ابو سفیان نے حضرت علی یا دوسروں کا نام لیکر کیوں نہیں پکارا۔ پانچویں یہ کہ اسلام میں حضرت علی کا کوئی نیک اثر تسلیم بھی کیا جائے تو اُن کی طرح اور بہت سے صحابہ ہیں اُن میں سے بعض کے آثار بعض سے بہت بڑھے ہوئے ہیں اور یہ باتیں وہ شخص جان سکتا ہے جو سیرۃ صحیحہ ثابتہ بالنقل سے واقف ہو۔

حضور انور کے غزووں کو دیکھو بڑے غزووں کی تعداد صرف نو ہے اور چھوٹے بڑے سب ملا کر بیس سے کچھ اوپر ہیں باقی لشکر کشیاں اگر ملائی جائیں تو اُن کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے۔ ان کل غزووں میں جتنے کافر قتل کئے گئے اُن کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ ان ہزار میں سے حضرت علی کے ہاتھ سے دس بھی قتل نہیں ہوئے۔ دس کیا پانچ بھی نہیں۔ اور اکثر لشکروں کے تو حضرت علی ساتھ بھی نہیں گئے۔ باقی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد وفات جو فتوحات ہوئیں اُن میں سے ایک میں بھی حضرت علی شریک نہیں ہوئے۔ نہ عثمان نہ طلحہ نہ زبیر۔ ہاں جس وقت فاروق اعظم نے شام پر چڑھائی کی تھی تو یہ اُن کے ساتھ گئے تھے اسی طرح زبیر کو فتح مصر میں اور سعد کو فتح قادسیہ میں اور ابو عبیدہ کو فتح شام میں شریک سمجھنا چاہیئے۔ جب یہ کیفیت ہے تو رسول اکرم کی تائید اور مدد فقط ایک صحابی یعنے علی ہی سے کس طرح ہوگئی اور اُن اولوالعزم صحابہ کی تائید اور امداد کیا ہوئی جو سابقین اولین مہاجرین و انصار میں سے تھے جنھوں نے درخت کے نیچے حضور سے بیعت کی تھی۔ اس کے علاوہ جنگ بدر میں کل مسلمان ۳۱۳ تھے۔ احد میں ۷۰۰ غزوۂ خندق میں ایک ہزار سے کچھ زیادہ۔ بیعت الرضوان میں چودہ سو اور اتنے ہی فتح خیبر میں۔ فتح مکہ میں دس ہزار حنین میں بارہ ہزار۔ غزوۂ تبوک میں تیس ہزار سے زیادہ تھے۔ اور حجۃ الوداع میں اس سے بھی زیادہ۔ اُس وقت جن لوگوں نے اپنی خوش قسمتی سے حضور کی زیارت کر لی وہ سب صحابہ میں داخل ہو گئے۔ خداوند تعالے نے حضور انور کی زندگی ہی میں یمن وغیرہ میں انھیں لوگوں سے اسلام کی مدد کی بلکہ قیامت تک جو جو ایمان لائیں گے اور اسلام پھیلائیں گے وہ سب اس میں داخل ہیں۔

شیعی علماء کی چوبیسویں بُرہان

(بقول شیعی علما) خداوند تعالےٰ فرماتا ہے۔ یا ایھا النبی حسبک اللّٰہ ومن اتبعک من المومنین یعنے اے نبی اللہ (مدد دینے کو) تمھیں کافی ہے اور اُن مسلمانوں کو جو تمھارے پیرو ہیں۔ شیعی علماء نے اسکے یہ معنے کئے ہیں کہ اے نبی تمھیں اللہ اور جن مسلمانوں نے تمھاری پیروی کی کافی ہیں اور پھر اُن مسلمانوں کی جگہ جنہوں نے رسول کی پیروی کی علی بن ابی طالب ہیں

جواب

اسکے چند جواب ہیں اول یہ کہ مثل گزشتہ روایتوں کے اس آیت کا مطلب اپنی موافقت میں بنانے کے لیئے شیعی علمانے ثعلبی وغیرہ بیچارے کو گھسیٹ کر اُسکے سر تھوپ دیا ہے اور اسیطرح دو ایک فرضی راویوں کا نام بھی پیش کر دیا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت اور اس قماش کی جتنی روایتیں ہیں بالکل صحیح نہیں۔

دوسرے یہ قول کسی طرح بھی حجت نہیں ہوسکتا۔

تیسرے یہ کہ کلام اللہ پر اور اللہ کے رسول پر یہ بہت بڑا بہتان ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ آیت کے اصلی معنی یہ ہیں کہ اللہ تمھیں بھی کافی ہے اور اُن مسلمانوں کو بھی جو تمھارے پیرو ہیں خلاصہ یہ ہے کہ وہ اکیلا تمھیں بھی کافی ہے اور تمھارے ساتھ والے مسلمانوں کو بھی اسی لیئے مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ حَسْبُنَا اللّٰہُ کہا کریں اور اُس کے ساتھ وَرَسُوْلُہٗ نہ کہیں جب یہ کہنا جائز نہ ہوا کہ کسی مسلمان کو اللہ اور اللہ کا رسول کافی ہو تو پھر مسلمان اللہ کے ساتھ ہو کے رسول کو کس طرح کافی ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجے کہ جس طرح مسلمان خداوند تعالےٰ کے محتاج ہیں اسی طرح رسول بھی اللہ تعالےٰ کا محتاج ہے۔ پس ان سب کے لیئے کوئی ایسا ہونا ضروری ہے جو اُن کے لیئے کافی ہو۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ اوروں کی امداد اور قوت تو رسول سے ہو اور رسول کی امداد و قوت اوروں سے ہو۔ اس سے صاف طور پر دور لازم آتا ہے اور وہ باطل ہے بلکہ یہ ایمان رکھنا اور یقین کرنا چاہیئے کہ جس طرح مسلمانوں کی قوت اللہ سے ہے اسی طرح رسول کی بھی قوت اللہ ہی سے ہے۔ وہ اکیلا ان دیکھا وحدہ لاشریک ہے جو سب کو قوت بخشتا ہے۔

لہٰذا یہ مثل اُس آیت کے ہے ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمومنین - کیونکہ اُس وحدہٗ لاشریک نے رسول کی دو طرح تائید کی ہے ایک اپنی مدد کرنے سے دوسرے اُن مومنین سے جنہوں نے اِس مدد کو ظاہر کیا - باقی کسی چیز کے پیدا کرنے میں اللہ کے ساتھ کوئی نہیں ہے بلکہ اس کے سوا جتنی چیزیں ہیں ہر چیز کا وہ اکیلا ہی خالق ہے کسی چیز میں وہ کسی کا محتاج نہیں شیعی علماء کی کس قدر کلام خدا سے ناواقفیت ہے کہ اُنھوں نے مسلمانوں کی جگہ صرف اکیلے حضرت علی کو کر دیا - کون نہیں جانتا اور اس صریح بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ صرف تنہا حضرت علی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو کبھی کافی نہیں ہوئے - اگر حضور انور کے ساتھ حضرت علی کے سوا اور کوئی نہ ہوتا تو آپ دین خدا کو کبھی قائم نہ کر سکتے تھے - حضرت علی تنہا رسول اللہ کو تو کیا مدد دیتے خود اپنا ذاتی کام بھی پورا نہ کر سکے - حالانکہ اُن کے پاس ایک معقول جرار لشکر تھا وہ امیر معاویہ سے میدان جنگ میں کئی بار مغلوب ہوئے اور جو کچھ اخیر ان کا نتیجہ ہوا وہ سب پر ظاہر ہے - ایسی مجبوری کی حالت میں اور اس انسانی کمزوری پر تنہا حضرت علی حضور انور کی مدد کرنے کے لیئے کس طرح کافی ہو سکتے تھے جبکہ توحید کی منادی سے سارا عرب شمشیر بکف حضور کے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا تھا -

شیعی علما ایک لنگڑا عذر یہ پیش کر سکتے ہیں کہ امیر معاویہ اور اُن کے ساتھیوں پر حضرت علی اس وجہ سے غالب نہ آ سکے کہ خود اُنھیں کے لشکر نے اُن کا ساتھ نہیں دیا اور اُن کے باہم دھڑا بندیاں ہو گئیں - اسکا جواب صاف طور پر یہ ہے کہ جب حضرت علی کے ساتھ والے مسلمانوں نے بھی آپ کا ساتھ نہ دیا تو پھر وہ کفار اُن کا کہنا کیونکر مان سکتے تھے جو نہ صرف حضرت علی کا بلکہ علی کے نبی کا بھی انکار کرتے تھے -

شیعی علما دین سے ناواقف ہونے کی وجہ سے یا تعصب و ضد سے اجتماع نقیضین کر دیتے ہیں کبھی تمام دنیا کی قوت اور شجاعت حضرت علی پر نثار کر دیتے ہیں اور غل مچانے لگتے ہیں کہ رسول کے دین کو علی ہی نے قائم کیا کہیں کہتے ہیں رسول علی کے محتاج تھے - کہیں دین خدا قائم کرنے میں علی کو اللہ کا شریک ٹھیرا دیتے ہیں - اور پھر اسلام پھیل جانے اور بہت سے لوگوں کے مسلمان ہو جانے کے بعد علی کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ انتہا درجہ کے ضعیف - عاجز - پریشان اور تقیہ کرنے والے تھے حالانکہ ہر شخص یقینی طور پر جانتا ہے کہ لوگ دین اسلام میں داخل ہونے سے پہلے ایسے حق

کے تابع نہ تھے جیسا کہ اُسمیں داخل ہونیکے بعد ہوگئے تھے۔

ہر شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ شیعی علماء کے عقیدہ کے مطابق جو شخص دین خدا کے قائم کرنے میں اُس معبود مطلق کا ہمسر ہو یہاں تک کہ اُسنے تمام کفار کو زیر وزبر کردیا اور مسلمان بنالیا ہو تو پھر کیا وجہ ہوئی کہ اُسنے اپنا یہ بہادرانہ فعل اُن لوگوں کے زیر وزبر کرنے میں کیوں نہ کیا جو باغی ہوگئے تھے باوجودیکہ یہ اُن کفار سے ہر طرح کم تھے جو حضور انور کے مبعوث ہونے کے وقت موجود تھے اور حق سے بہ نسبت ان کے بہت ہی قریب تھے۔ جس وقت اللہ نے حضور انور کو پیغمبر بنایا اُسوقت کے کفار ان لوگوں سے بہت زیادہ تھے جنہوں نے علی سے مقابلہ کیا اور راہ حق سے بھی کوسوں دور تھے۔ حجاز۔ شام یمن۔ مصر۔ عراق۔ خراسان اور مغرب غرض ان سب ملکوں کے باشندے کافر ہی تھے۔ کوئی مشرک تھا کوئی کتابی۔ کوئی مجوسی۔ کوئی صابی مگر جس وقت حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو قریب قریب تمام جزیرۂ عرب میں اسلام پھیل چکا تھا اور عثمان غنی کی شہادت پر تو شام۔ مصر۔ عراق۔ خراسان اور مغرب سب جگہ اسلام پھیل گیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ حضور انور کے وصال کے زمانہ میں کفار کی تعداد بہ نسبت آپ کے زمانۂ بعثت کے بہت ہی کم رہگئی تھی۔ کافر شکستہ اور کمزور ہو گئے تھے۔ مقابلہ کی جرأت اُن میں سے سلب ہوگئی تھی ایسی حالت میں بھی حق کی مدد کرنے اور باطل کو دفع کرنے سے حضرت علی عاجز ہوگئے تو حضور انور کی بعثت کے وقت اُنکا کیا حال ہوگا۔ اُس وقت تو اُن کا حد سے زیادہ کمزور اور عاجز ہونا لازمی ہے۔ جبکہ کفار کا ہر طرح سے غلبہ تھا اور وہ ہر قسم کی قوت اور عداوت میں بڑھے ہوئے تھے۔

شیعی علماء کی پچیسویں برہان

(بقول شیعی علماء) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے فسوف یاتی اللّٰہ بقوم یحبھم ویحبونہ یعنے عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو (ظہور میں) لائیگا جنھیں خدا دوست رکھتا اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں۔ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ثعلبی نے کہا ہے کہ یہ آیت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے اور یہ علی کے افضل ہونیکی دلیل ہے پس وُہی امام تھے۔

جواب

اس کے بھی چند جواب ہیں اول یہ نیا تماشا ہے کہ شیعی علماء نے ثعلبی پر جو بیسیوں سچی جھوٹی روایتوں کی

پھر مار کر کے اخیر طوفان اٹھانا بھی شروع کر دیا یہ اُس کے ذمہ صریح بہتان ہے اُسنے تو اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ علی - حسن اور قتادہ تینوں کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں لوگوں سے مراد ابوبکر اور اُن کے ساتھی ہیں مگر مجاہد کہتے ہیں اہل یمن مراد ہیں - باقی ائمہ تفسیر میں سے طبری نے سند کے ساتھ ابوایوب سے اُنھوں نے حضرت علی سے یہ روایت کی ہے کہ اِس آیت میں ابوبکر اور اُن کے ساتھی ہی مراد ہیں اور یہی قول قتادہ - حسن - ضحاک اور ابن جریج سے روایت کیا گیا ہے ساتھ ہی اس کے یہ بھی قول ہے کہ بعض لوگ قوم سے مراد انصار لیتے ہیں اور بعض اہل یمن آخر الذکر قول کو ترجیح دی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ وہ ابوموسیٰ کے خاندان کے لوگ ہیں اس کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر یہ حدیث اہل یمن مراد ہونے کی صحیح نہو تو پھر میرے نزدیک اس بارہ میں کوئی قول ٹھیک نہیں سوائے اُن لوگوں کے قول کے جو کہتے ہیں کہ اس سے مراد ابوبکر اور اُن کے ساتھی ہیں -

دوسرے یہ کہ یہ قول بلا دلیل ہے لہٰذا اس کا ماننا ضروری نہیں ہے -

تیسرے یہ کہ یہ اس بات کے معارض ہے جو اس سے زیادہ مشہور اور زیادہ ظاہر ہی وہ یہ کہ ابوبکر اور اُن کے ساتھیوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی جنھوں نے مرتدوں سے جہاد کیا تھا اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے -

شیعی علما کی ہمیشہ سے یہ کوشش ہے کہ علاوہ اُن فرضی اور اختراعی فضائل کے جو ملا باقر مجلسی اور یعقوب کلینی وغیرہ کی جودت طبع کا نتیجہ ہیں جتنے فضائل صدیق اکبر اور فاروق اعظم وغیرہ کے ہیں اُنھیں بھی حضرت علی کی ذات سے چسپاں کر دیا جائے یہ کوشش ایک عرصہ دراز سے کرتے رہے ہیں ابن تیمیہ اپنی مشہور کتاب منہاج السنہ مین ایک حکایت بیان کر کے اس واقعہ پر روشنی ڈالتے ہیں انھوں نے لکھا ہے کہ میرے ایک دوست نے جو ہر طرح قابل اعتبار تھا مجھسے بیان کیا کہ میں اپنے ایک بوڑھے دوست کے پاس ملنے گیا اُس نے مجھے ایک کتاب دکھائی جو وہ بہت حفاظت سے اپنے پاس رکھتا تھا اُس نے مجھسے کتاب دکھاتے وقت کہا کہ یہ کتاب اسراریں سے ہے اور میں نے خلفا کے خاص کتب خانہ سے اسے حاصل کیا ہے وہ اس کتاب کی حد سے زیادہ تعریف کرنے لگے اور پھر اُس نے مجھے اپنا ایک مخصوص دوست سمجھ کے وہ کتاب میرے ہاتھ میں دیدی مینے اُسے دیکھا وہ بہت ہی خوشخط لکھی ہوئی تھی اور جب میں نے اُسے پڑھا تو میں حیران رہگیا کیونکہ جتنی حدیثیں بخاری اور مسلم میں ابوبکر و عمر وغیرہ کے

فضائل میں ہیں۔ اُن سب میں سے شیخین اور دوسرے صحابہ کا نام اُڑا کر حضرت علی کا نام لکھدیا ہے۔ جہانتک میں نے غور کیا وہ کتاب بنی عبد مصریوں کے کتب خانوں کی معلوم ہوئی کیونکہ اُن کے خواص بالکل ملحد اور بے دین تھے اُن کا یہ منشا تھا کہ عقائد اسلام میں رخنہ ڈالیں اور عظیم تبدیلی پیدا کریں اُنھوں نے ہزاروں حدیثیں اپنی طرف سے گھڑلیں اور اُن کو جہلا میں اشاعت دیدیا۔ اس کے علاوہ مثل ابن خطیب کے اُن لوگوں نے یہ غضب کیا کہ حدیثیں خود گھڑیں اور بخاری و مسلم کے نام سے شہرت دیدی مگر یہ نہ سمجھے کہ کسی حدیث کے ساتھ محض بخاری اور مسلم کا نام آجانا اُسکی صحت پر دلالت نہیں کرتا جب تک اس بات کی کامل تحقیق نہ ہوجائے کہ نسبت صحیح ہے اور درحقیقت بخاری اور مسلم ہی اُس کے راوی ہیں کیونکر کسی حدیث کو ہم صحیح تسلیم کرسکتے ہیں۔ ابن خطیب وغیرہ حقیقت حال سے بالکل ناواقف ہیں۔ بخاری اور مسلم کی حدیثیں اور علمائے محدثین نے اسقدر روایت کی ہیں کہ بیان نہیں کیا جاتا اور وہ سب حدیثیں اسقدر مشہور و معروف ہوگئی ہیں کہ اُسی زمانہ میں علماء حدیث سنتے کے ساتھ ہی فوراً سمجھ لیتے تھے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے یا نہیں حدیثوں کی روایت کچھ بخاری و مسلم پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ یہ وہ حدیثیں ہیں جنھیں اُنکے زمانہ سے پہلے اور اُنکے زمانہ میں بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے اگر بخاری و مسلم پیدا نہ ہوتے تو اس دین میں ہرگز کسی قسم کی کمی نہیں آسکتی تھی۔ یہ حدیثیں اُس وقت بھی اپنی اپنی سندوں کے ساتھ یقیناً موجود ہوتیں۔ صرف یہ کہدینا کہ بخاری اور مسلم نے چونکہ اس حدیث کو روایت کیا ہے اس لیئے یہ صحیح ہے محض غلط اور بالکل لغو ہے یہ کہدینا بالکل اُس قول کے مشابہ ہے کہ قرآن کو قرار سبعہ نے روایت کیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید تواتر سے منقول ہے۔ ان قرار سبعہ کی کسی آیت میں کوئی خصوصیت نہیں ہے اسی طرح حدیث کی صحت ہے کہ اسمیں ائمہ حدیث بخاری و مسلم کے مقلد نہیں ہوتے۔ بلکہ جن حدیثوں کو بخاری و مسلم نے صحیح کہا ہے وہ ائمہ حدیث کے نزدیک اُن سے بھی پہلے صحیح اور لائق قبول تھیں اور یہی حال اُن دونوں کے زمانہ میں رہا۔ اسی طرح ان کے بعد اس فن کے اماموں نے ان کتابوں کو خوب دیکھا ان کی حدیثوں کو پرکھا اور اُن کے ساتھ موافقت کی۔ سوائے چند حدیثوں کے جنکی تعداد بیس کے قریب ہے جن میں زیادہ مسلم کی ہیں مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ جو شخص سات ہزار درہم پرکھے اور اُن میں چند درہم ایسے چلے جائیں جو بالکل کھوٹے نہ ہوں بلکہ کچھ مشتبہ ہوں تو وہ شخص پرکھنے کا استاد ہی کہلائے گا اور ان چند درہموں سے جو روانی میں اُس کے ہاتھ سے نکل گیئے ہیں اس کے پرکھنے کے فن پر کچھ دھبہ نہیں لگ سکتا۔ بخاری و مسلم کی حدیثوں کی تعداد سات

ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ اگر ان میں پندرہ بیس حدیثیں ایسی آگئی ہیں جو بالکل جھوٹی تو نہیں مگر علما نے انپر شبہ کیا ہو تو اس سے بخاری و مسلم پر کسی قسم کا دھبہ نہیں آسکتا۔ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کی حدیثوں کو اُن سے پہلے بھی اور اُن کے بعد بھی بڑے بڑے اماموں نے پرکھ لیا ہے اور اسقدر مخلوق نے انھیں روایت کیا ہے جو شمار میں نہیں آسکتی۔ پس یہ دونوں یعنے بخاری و مسلم نہ کسی روایت کے کرنے میں اکیلے ہیں اور نہ کسی حدیث کی صحت میں مگر بعض شیعی علما نے اپنی نادانی سے یہ سمجھا کہ جب ہم نے اُن میں سے کسی نسخہ کی حدیث کو بدل دیا اور ابوبکر و عمر کے فضائل علی کے لیئے وقف کر دیئے تو ہماری یہ کارروائی علمائے اسلام پر پوشیدہ رہے گی مگر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے جبکہ بخاری کی حدیثوں کی اشاعت لاکھوں آدمیوں سے گذر کر کروروں تک پہنچگئی یہ کارروائی کیونکر چل سکتی ہے۔

چوتھے تمام علما اسپر متفق ہیں اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ مرتدوں سے جس نے قتال کیا وہ ابوبکر ہی ہیں اُنھوں نے ہی مسیلمہ کذاب سے قتال کیا جو نبوت کا مدعی تھا اور اُسکے پیرو بنی حنیفہ اور اہل یمامہ سے قتال کیا جنکی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی۔ پھر ابوبکر ہی نے طلیحہ اسدی سے جنگ کی جس نے نجد میں نبوت کا دعوے کیا تھا اور قبیلۂ اسد تمیم اور غطفان کے لوگ اس کے پیرو ہو گئے تھے۔ پھر ابوبکر نے سجاح سے قتال کیا اُس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور مسیلمہ کذّاب کے گھر بھی پڑ گئی تھی۔ بہت سے عرب جو مرتد ہو گئے تھے اُن میں سے بعض کلمہ پڑھتے تھے اور محمد صلے اللہ علیہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول کہتے تھے مگر زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہ تھا یعنے زکوۃ نماز وغیرہ سے اُنھوں نے پہلو بچا رکھا تھا۔ غرض ان سب کا مقابلہ ابوبکر ہی کو کرنا پڑا۔ اور آپنے اپنے تھوڑے سے زمانۂ خلافت میں اِس مضبوط اور خطرناک ارتداد کو حجاز سے نیست و نابود کر دیا۔ پھر کون انکار کر سکتا ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے ارتداد کو اتنی بھاری شکست دی اُن کے سوا اس آیت میں داخل ہونے کا اور بھی کوئی حق رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح اس آیت میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جنھوں نے روم اور فارس پر کفار کا مقابلہ کیا ان میں یمن کے وہ باشندے ہیں جنھوں نے ابوبکر و عمر کی پیروی کر کے کفار سے قتال کیا تھا۔ اسی وجہ سے یہ مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ اس سے کون مراد ہے آپنے ابوموسی اشعری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اور اسکی قوم کے لوگ مراد ہیں۔ غرض یہ بات تواتر اور بداہت سے معلوم ہوتی ہے کہ جن لوگوں نے اسلام

کو قائم کیا اور وہ اوروں کے مرتد ہونے کے وقت اسلام ہی پر ثابت قدم رہے اور کفار مرتدوں سے مقابلہ کرتے رہے تو وہی فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ کے مصداق ہیں۔ ہاں اس سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ حضرت علی اس سے خارج نہیں ہیں۔ لیکن سوال فقط یہ ہے کہ وہ ابوبکر۔ عمر۔ عثمان وغیرہ سے زیادہ اس صفت کے ہرگز مستحق نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ کفار اور مرتدوں سے حضرت علی نے جہاد کیا ہو جسکی ہمیں خبر نہیں مگر ان کے مقابلہ میں کیونکر اس خاص معاملہ میں ان کی برتری ثابت ہو سکتی ہے۔ جبکہ مخالفین اسلام سے اُن کی لڑائیاں اور مظلوموں کو ظالموں کے پنجہ سے نجات دینے کی کوششیں الم نشرح ہیں اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ کوئی دینی خدمت حضرت علی سے ان صحابہ سے بڑھکر ثابت نہیں ہوئی۔ ہم تو کل صحابہ کی کوششیں قابل جزا سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ وہ نیک عمل ہیں اور اسلام میں عمدہ آثار ہیں۔ اسلام اور اہل اسلام دونوں کی طرف سے اللہ تعالے انھیں بہتر جزا عطا کرے خلفائے راشدین اور ائمہ مہدیین بھی ہیں مگر اُن لوگوں کی عقل پر افسوس آتا ہے جو محض کسی دنیوی غرض سے اُنھیں کافر یا فاسق کہے جنکا نفع دین و دنیا میں سب سے بڑھا ہوا ہے اور جس شخص کے ہاتھ سے کسی قسم کی اسلام کو بہتری نہ پہونچی اور اگر کوئی بہتری پہنچی بھی ہو تو ویسی ہزاروں آدمیوں سے بھی ہو اُسے معصوم منصوص علیہ ٹھہرائے اور جو اس سے خارج ہو اُسے کافر کہے اور اُن کفار اور مرتدوں کو مسلمان بنائے جن سے اُن مسلمانوں نے قتال کیا اور محض اسی قتال کی وجہ سے اُن مسلمانوں کو کافر کہے جو پانچوں وقت نماز پڑھیں رمضان کے روزے رکھیں۔ بیت اللہ کا حج کریں قرآن مجید پر ایمان رکھیں زکوٰۃ دیں غرض کل فرائض اسلام کے ادا کریں۔ اس سے زیادہ ظالم اور جاہل کون ہو سکتا ہے۔

اس عقیدہ کا موجد کتنا بڑا رخنہ انداز دین ہوگا اور کیسا بڑا ملحد ہی وجہ ہے کہ یہ عقیدہ غالیہ اور معطلہ فرقوں میں سے زندیقوں اور ملحدوں کا ماوا و ملجا ہے اور اس عقیدے کے لوگ مرتدوں کے پیرو ملحدوں کے غلام اور منافقوں کے وارث ہیں۔

پانچویں اگر ہم اسے تسلیم بھی کر لیں کہ یہ آیت حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی مگر پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسے حضرت علی ہی کے ساتھ کیوں مخصوص کیا جاتا ہے حالانکہ اس کے الفاظ اس کی تصریح کر رہے ہیں کہ ان لوگوں کی ایک جماعت ہے ایک آدمی نہیں ہے۔ دیکھو خداوند تعالے یہ فرماتا ہے یا ایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علی المومنین

اعزة علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللّٰہ ولا یخافون لومة لائم یعنے اے ایمان والو جو کوئی تم میں اپنے دین سے پھر جائیگا۔ عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو (ظہور میں) لائے گا جنھیں خدا دوست رکھتا ہے اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے سامنے انکساری کرنیوالے اور کافروں پر سختی کرنے والے ہونگے اللہ کی راہ میں جہاد کرینگے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرینگے۔

اَب سوال یہ ہے کہ اس سے ایک شخص مراد ہے یا بہت سے عرب میں ایک آدمی کو قوم نہیں کہتے نہ حقیقتہً نہ مجازاً اور اگر شیعی علما یہ کہیں کہ اس سے علی اور اُنکے شیعہ مراد ہیں تو یہ بات بھی کچھ نہیں بنتی۔ حضرت علی اپنے شیعوں کی نسبت اچھی رائے نہیں رکھتے۔ نہج البلاغت کے خطبے اس سے بھرے ہوئے ہیں۔ کہ حضرت علی نے اپنے شیعوں کو کن کن الفاظ سے یاد کیا ہے۔ پھر بھلا ایسے لوگ جن سے حضرت علی کا ناک میں دم آگیا تھا کیونکر اس آیت میں آسکتے ہیں۔ اسکے علاوہ یہ بات اوپر بھی لکھی جاچکی ہے کہ جن لوگوں نے کفار اور مرتدوں سے قتال کیا وہ اسمیں داخل ہونیکے اس سے زیادہ حقدار ہیں جنھوں نے سوائے اہل قبلہ کے اور کسی سے بھی قتال نہیں کیا بشرطیکہ ہم شیعان علی کو حضرت علی کا مطیع و فرمانبردار مان لیں سچ سچ بلا خوف تردید ہم کہہ سکتے ہیں کہ اہل یمن جنھوں نے ابوبکر و عمر و عثمان کے ساتھ ہو کر قتال کیا وہ اسمیں داخل ہونیکے اُن لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں جنھوں نے ہمیشہ کفار و مشرکین کا ساتھ دیا ہے اور سابقین اولین سے ہمیشہ عداوت رکھی۔ اسپر ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ جن لوگوں نے علی کا ساتھ دیا اُن میں یمنی بھی تھے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی سے مقابلہ کرنے والے بھی یمنی تھے اور اُن کا ساتھ دینے والے بھی یمنی تھے مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یمن کے بڑے بڑے خاندان اور قبیلے امیر معاویہ کی طرف تھے۔ جیسے ذی کلاع۔ ذی عمر۔ ذی رعین۔ وغیرہ وغیرہ۔

چھٹے یہ کہ اللہ کا قول فسوف یاتی اللّٰہ بقوم یحبھم ویحبونہ مطلق ہے اس میں کسی کی تعیین نہیں ہے اور یہ خاص اُسی کے لئے ہے جسمیں یہ صفتیں ہوں خواہ وہ کوئی ہو نہ اس میں ابوبکر کی خصوصیت ہے نہ علی کی اور جب یہ اُن دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی مخصوص نہیں تو علی کے خصائص میں سے کیونکر ہو سکتی ہے اِسی وجہ سے علی کا افضل ہونا باطل ہو گیا چہ جائیکہ اس کے ذریعہ سے امامت کو ثابت کیا جائے بلکہ یہ آیت تو اسپر دلالت کرتی ہے کہ قیامت تک جب کوئی مرتد ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم اور ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیگا کہ اللہ اُنھیں دوست رکھے گا اور وہ اللہ کو دوست رکھیں گے وہ مسلمانوں سے انکساری کرینگے اور مرتدوں کے حملوں کی مدافعت کرینگے۔

یہ بھی اچھی طرح سے سمجھ لو کہ دو قسم کے مرتد ہوا کرتے ہیں ایک تو وہ لوگ جو دین اسلام سے منحرف ہو کے مثل کافر دں کے ہو گیے دوسرے وہ کہ مسلمان ہیں مگر غلو زیادہ کرتے ہیں جیسے نصیریہ اور اسماعیلیہ پر شیعہ اور سنی ہر دو نکا اتفاق ہے کہ یہ دونوں فرقے مرتد ہیں کبھی ارتداد بعض دین سے ہوتا ہے جیسے کہ اہل بدعت۔ بغرض ایسے مرتدوں سے مقابلہ کرنا اُن کے حملوں کی مدافعت کرنا یہ اُنھیں لوگوں کا فرض ہے جنھیں اللہ دوست رکھتا ہے اور وہ اُسے دوست رکھتے ہیں اور وہ کسی بات سے نہیں ڈرتے اُنھیں اپنا فرض ادا کرنے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں ہوتی۔

شیعی علما کی چھبیسوین ۲۶ بُرہان

(بقول شیعی علما) خداوند تعالےٰ فرماتا ہے والذین اٰمنوا باللہ ورسلہٖ اولٰئک ھم الصدیقون والشہداء عند ربھم،، یعنی جو لوگ اللہ پر اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لے آئے ہیں وہی لوگ اپنے پروردگار کے ہاں صدیق اور شہید ہیں۔ اسپر شیعی علما فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے سند کے ساتھ ابن ابی لیلےٰ سے اُنھوں نے اپنے باپ سے روایت کی وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدیقین تین آدمی ہیں حبیب بن موسیٰ نجار آل یٰسین کا مومن جس نے یہ کہا تھا "یا قوم اتبعوا المرسلین" دوسرے حزقیل آل فرعون کا مومن جس نے کہا تھا "اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ" تیسرے علی بن ابی طالب اور یہ اُن سے بھی افضل ہیں۔

پھر شیعی علما فرماتے ہیں کہ اسی طرح ابن معاذی فقیہ شافعی نے روایت کی ہے اور کتاب الفردوس کے مصنف نے بھی یہی بیان کیا ہے اور یہ فضیلت علی کی امامت پر دلالت کرتی ہے۔ فقط

جواب

اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔ اول ہمارا وہی قدیم مطالبہ اس روایت کی صحت کا ہے۔ ہم اچھی طرح سے سمجھتے ہیں اور ہمیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ تمام شیعی علما مل کے بھی اس روایت کی صحت کا ثبوت نہیں دیسکتے۔ یہ حدیث امام احمد کی مسند میں نہیں ہے اور اگر اُنھوں نے یہ حدیث روایت کی بھی ہو تو اُسپر کل اہل علم کا اتفاق ہے۔ بلکہ خود امام احمد کے نزدیک بھی اس کا روایت کرنا اُسکے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ امام احمد کا قاعدہ ہے کہ وہ فضائل میں اُن حدیثوں کو روایت کر دیتے ہیں جو اور لوگوں نے روایت کی ہوں۔ اگرچہ اُن کی صحت کا کہیں سے بھی ثبوت نہ ملتا ہو جو شخص

فن حدیث سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ امام احمد وغیرہ نے جو فضائل میں حدیثیں روایت کی ہیں اُن کی نسبت وہ خود بھی صحیح ہونے کا دعوےٰ نہیں کرتے یہاں تک کہ سند میں بھی جو اُنھوں نے حدیثیں روایت کی ہیں اُس میں بھی وہ ہر حدیث کے صحیح ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ بااین ہمہ ان کی مسند کی بہت سی حدیثیں قوی اور حجت ہونے کے قابل ہیں اور یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ سنن ابوداؤد کی حدیثوں سے بہت بہتر ہیں سوائے فضائل کے کہ اُنمیں اکثر حدیثیں غیر مستند ہوتی ہیں۔

اب شیعی علما کی پیش کردہ روایت کو دیکھا جائے تو ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے اسکا نہ کہیں امام احمد کی مسند میں پتہ ہے نہ اُن کی کتاب الفضائل میں بلکہ یہ حدیث **قطیعی** کی زیادات میں سے ہی اس روایت کو دو سندوں سے نقل کیا ہے اور دونوں میں عمرو بن جمیع راوی ہے اور یہ اُن لوگوں میں سے جنکی روایت کبھی قابل اعتبار نہیں ہوئی بلکہ اُس کی بابت **ابن عدی** کا بیان ہے کہ یہ شخص حدیثیں وضع کرنے میں متہم ہے۔ **یحییٰ** کہتے ہیں کہ یہ کذاب خبیث ہے۔ **نسائی** اور **دار قطنی** کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے **ابن حبان** کہتے ہیں کہ یہ صحیح حدیثوں کے بدلے موضوع اور مشاہیر کے بدلے مناکیر روایت کردیا کرتا ہے۔ لہذا اس کی حدیث تو لکھنی جائز نہیں ہے ہاں اگر عبرت حاصل کرنے کے لئے لکھ دی جائے تو چنداں ہرج نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیعی علما نے اس بدنام شخص کا کچھ ذکر نہیں کیا بلکہ اس کی روایت کردہ حدیث کو امام احمد کے سر چپک دیا۔ مگر انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ جب اس روایت کی تنقید کی جائیگی تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا واقعی ہم اس دلیری کی داد دیتے ہیں کہ بغیر کسی پس و پیش کے شیعی علما کس طرح ایک روایت کو مسلمانوں کے ایک مشہور عالم کے سر چپک دیتے ہیں اور اُنھیں ذرا پاک و ہراس نہیں ہوتا۔

دوسرے ہم اپنے ایمان اور یقین سے اور اپنی کامل تحقیق کی بنا پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ حدیث وضع کر کے طوفان اُٹھایا گیا ہے۔

تیسرے صحیح حدیثوں میں بہت سے طریقوں سے حضرت علی کے سوائے اوروں کے نام کے ساتھ بھی صدیق کا لفظ آیا ہے جیسا کہ ابوبکر صدیق وغیرہ۔ پھر تین ہی پر صدیق کے لفظ کا حصر کیونکر ہو سکتا ہے صحیحین میں انس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کوہ احد پر چڑھے آپ کے ساتھ ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق اور عثمان غنی تھے تو پہاڑ اُن کے اوپر چڑھنے سے لرزنے لگا۔ حضور انور

نے فرمایا اے پہاڑ تجھپر معمولی آدمی نہیں ہیں بلکہ نبی ہے اور صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ اس حدیث کا ذکر ہم اوپر بھی کہیں کر چکے ہیں کہ یہ حدیث امام احمد نے یحییٰ بن سعد سے اُنھوں نے قتادہ سے اُنھوں نے انس سے روایت کی ہے۔

ایک اور صحیح حدیث میں ابن مسعود سے مروی ہے وہ حضور انور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں حضور انور نے فرمایا "علیکم بالصدق فان الصدق یھدی الی البر والبر یھدی الی الجنة ولا یزال الرجل یصدق ویتحری الصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقا وایاکم والکذب فان الکذب یھدی الی الفجور والفجور یھدی الی النار ولا یزال الرجل یکذب ویتحرے الکذب حتی یکتب عند اللہ کذابا" یعنی تم ہمیشہ سچ بولو کیونکہ سچ بولنا نیکی کی ہدایت کرتا ہے اور نیکی جنت میں پہنچا دیتی ہے۔ کیونکہ جو شخص ہمیشہ سچ بولتا اور سچ ہی بولنے کا قصد کرتا ہے تو وہ اللہ کے ہاں صدیق لکھدیا جاتا ہے۔ تم جھوٹ سے ہمیشہ بچو۔ کیونکہ جھوٹ بولنا فجور کی ہدایت کرتا ہے اور فجور دوزخ میں لیجاتا ہے اور جو شخص ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ ہی بولنے کا قصد کرتا ہے تو وہ اللہ کے ہاں کذاب لکھدیا جاتا ہے۔

چوتھے یہ کہ خداوند تعالےٰ نے بی بی مریم کا نام صدیقہ رکھا ہے۔ اس کے مقابلے میں یہ قول کیسا لچر اور پوچ ہے۔ بھلا یہ کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ صدیق کا حصر صرف تین ہی مذکورۂ بالا اشخاص پر ہے جو شیعی علما کی روایت میں پائے جاتے ہیں۔

پانچویں اگر شیعی علما کا اس سے یہ مطلب ہے کہ صدیق صرف تین ہی آدمی ہیں اور اُنکے سوا اور کوئی صدیق نہیں ہے تو یہ بالکل جھوٹ ہے۔ یہ قول قرآن مجید حدیث رسول اور اجماع مسلمین تینوں کے خلاف ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ صدیق ہونے میں کامل یہی تینوں ہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ ہماری اُمت سب اُمتوں سے بہتر ہے کیونکر ہو سکتا ہے کہ موسیٰ اور عیسےٰ کی تصدیق کرنے والے محمد کی تصدیق کرنے والوں سے بہتر ہوں۔ خداوند تعالےٰ نے آل فرعون کے مومن کو کہیں صدیق نہیں فرمایا اور نہ کہیں صاحب آل یٰسین کو صدیق کا خطاب دیا ہاں اس میں شک نہیں کہ اُنھوں نے پیغمبروں کی تصدیق کی تھی مگر اس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا کہ محمد کی تصدیق کرنے والے اُن سے بدرجہا افضل ہیں اس کے علاوہ خداوند تعالےٰ نے انبیا کا نام صدیق رکھا ہے۔ جیسا کہ ان آیتوں میں ہے۔ واذکر فی الکتاب ابراھیم انه کان صدیقا نبیا ہ واذکر فی الکتاب ادریس انه

کان صدیقا نبیاۃ اور یوسف علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا " ایھا الصدیق "
چھٹے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ۔ والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ اولٰئک ھم الصدیقون والشھداء عند ربھم ۔ ترجمہ اور وہ لوگ جو اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لائے وہی صدیقین ہیں اور وہی اپنے پروردگار کے نزدیک شہدا ہیں ۔ اس آیت سے یہ نکلتا ہے کہ جو آدمی اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آیا بس وہی صدیق ہے ۔
ساتویں اگر امام ہونے کا مستحق صدیق ہی ہوتا ہے تو بس سب سے زیادہ صدیق ہونے کے حقدار ابو بکر ہیں ۔ کیونکہ ان کے لیئے یہ نام عام اور خاص سب کے نزدیک بدیہہ تواتر اور بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے یہاں تک کہ اسلام کے دشمن بھی اس سے بخوبی واقف ہیں ۔ لہذا امام ہونے کے مستحق بھی وہی ہوئے اور اگر صدیق ہونا امام ہونے کو مستلزم نہیں ہے تو بس شیعی علما کی یہ حجت سرے سے باطل ہو گئی ۔

شیعی علما کی ستائیسویں برہان

(بقول شیعی علما) خداوند تعالےٰ فرماتا ہے ۔ الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرا وعلانیۃ " یعنی جو لوگ اپنا مال علانیہ اور خفیہ رات اور دن (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں ۔
شیعی علما فرماتے ہیں ابو نعیم نے سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے انکا قول ہے کہ یہ آیت علی کے حق میں نازل ہوئی تھی ان کے پاس چار درہم تھے ایک درہم انھوں نے رات کو خرچ کر دیا ایک دن کو ایک خفیہ اور ایک علانیہ اسی کو ثعلبی نے بھی نقل کیا ہے اور یہ فضیلت اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی ۔ بس علی ہی افضل ہوئے اور وہی امام ہوئے ۔

جواب

اسکا جواب بھی چند طرح سے ہے اول اس نقل کی صحت کا مطالبہ کیونکہ ابو نعیم اور ثعلبی کا روایت کرنا جیسا کہ ہم پہلے اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں اس روایت کی صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا ۔
دوسرے یہ روایت بالکل جھوٹی ہے کہیں بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا ۔
تیسرے یہ آیت عام ہے جو شخص اللہ کی راہ میں رات دن خفیہ اور علانیہ خرچ کرے وہ یقیناً اس آیت کے حکم میں داخل ہے خواہ علی ہوں یا کوئی اور شخص ہو اس سے خاص ایک آدمی مراد لینا اور کسی

شخص کو معین کرنا کبھی جائز نہیں ہے۔

چوتھے شیعی علمانے جو یہ حدیث ذکر کی ہے وہ اس آیت کے مدلول اور معنی کے بالکل مناقض اور خلاف ہے کیونکہ آیت تو ان دو زمانوں میں خرچ کرنے پر دلالت کرتی ہے وقت ان سے خالی نہیں ہوتا فعل کے لیے چونکہ زمانہ ہونا ضروری ہے لہذا ان دونوں حالتوں میں فعل کسی صورت سے خالی نہیں ہونے کا رات اور دن زمانے میں دونوں وقت شامل ہیں۔ فعل یا تو علانیہ ہوتا ہے اور یا خفیہ پس جب کسی نے رات کو خفیہ خرچ کیا تو گویا اُس کا رات کو وہ خفیہ خرچ کرنا ہوا اور اگر کسی نے دن کو علانیہ خرچ کیا تو وہ اُسکا دن کو علانیہ خرچ کرنا ہوا مطلب یہ ہے کہ خفیہ اور علانیہ خرچ کرنا رات کو اور دن کو خرچ کرنے سے خارج نہیں ہے یا بالفاظ دیگر خفیہ خرچ کیا جائے یا علانیہ وہ اوقات شب و روز میں کسی نہ کسی وقت تو ضرور ہو گا کیونکہ اس خرچ کرنے کے لیے علیحدہ اوقات تو آسمان سے اُترنے سے رہے اس سے اُس شخص کی یا اُس گروہ کی عام جہالت کا پتہ لگتا ہے جو یہ کہے کہ اس آیت سے وہ شخص مراد ہے جو ایک درہم خفیہ خرچ کرے اور ایک علانیہ اور ایک درہم رات کو خرچ کرے اور ایک دن کو لہذا دو درہموں کا خرچ تو ٹھیک ہو گیا باقی وہ دو درہم جنکے ساتھ علانیہ اور خفیہ کا لفظ لگا ہوا ہے بیکار اور فرضی ہوئے قرآن مجید کی ایسی باطل اور غلط تفسیریں بعض ناواقف لوگ جہلا میں بیٹھ کے بیان کیا کرتے ہیں مثلاً جیسے بعض جاہل شخص اس آیت محمد رسول اللہ والذین معہ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ والذین معہ سے ابوبکر مراد ہیں اور اشداء علی الکفار سے عمر اور رحماء بینھم سے عثمان اور تراھم رکعا سجدا سے علی یہ لوگ اپنی جہالت سے اِن صفات کو ان چار آدمیوں کے لیے ٹھیراتے ہیں حالانکہ یہ آیت اِس بارے میں صریح ہے کہ یہ کل صفات اُن سب لوگوں کے لیے ہیں جو اُنکے ساتھ متصف ہیں خواہ کوئی ہوں اور یہ کہ اُن کی تعداد بیشمار ہے محدود نہیں ہے ہاں یہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ مذکورۂ بالا اصحابہ اُن سب سے افضل ہیں جنہیں یہ صفتیں پائی جائیں اور ہر ایک صحابی ان سب صفتوں کے ساتھ متصف ہے اگرچہ ان میں سے کوئی صفت ایک میں دوسرے سے زیادہ ہو جو شخص اس آیت کے معنی کرکے اس کا سہرا ایک شخص کے سر باندھ دے اُس سے زیادہ جاہل اور کون ہو سکتا ہے۔

پانچویں اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ حضرت علی نے ایسا کیا تھا اور یہ آیت اُن ہی کے حق میں نازل ہوئی ہے تو اُنکا فقط چار ہی درہم کا چار وقتوں میں خرچ کرنا مذکور ہوا اور یہ ایسا آسان عمل ہے کہ قیامت

تک ہر شخص بے تکان کرسکتا ہے۔ اسپر عمل کرنے والے بلکہ اس سے بھی ہزاروں حصے زیادہ خرچ کرنے والے ہر عصر اور ہر عہد میں ہوئے ہیں اور اب بھی زمانہ اُن سے بھرا ہوا ہے کیونکہ جو شخص کچھ خرچ کرے گا وہ یا تو دن میں خرچ کرے گا یا رات میں خفیہ کرے گا یا علانیہ پس یہ خرچ کرنا خصائص میں سے نہیں ہو سکتا اور جب یہ خصائص میں سے نہ ہوا تو یہ نہ فضیلت کی دلیل ہو سکتا ہے اور نہ امامت کی۔

شیعی علما کی اٹھائیسویں ۲۸ برہان

(بقول شیعی علما) قرآن مجید میں جو آیت یاایھاالذین اٰمنوا سے شروع ہوئی ہے اسکے متعلق امام احمد بن حنبل نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اس کے سرغنہ اسکے امیر اسکے شریف اور اسکے سید علی ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالے نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ پر بہت جگہ عتاب فرمایا ہے مگر علی کا ذکر ہر جگہ مہربانی ہی کے ساتھ کیا ہے بس یہی بات علی کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے پس وہی امام ہوئے۔

جواب

اول اس روایت کی صحت کسی طرح بھی تمام دنیا میں کوئی ثابت نہیں کرسکتا۔ یہ محض خیال آفرینی اور بعض لوگوں کی ایجاد بندہ ہے۔ یہ روایت امام احمد بن حنبل کی مسند میں کہیں نہیں ہے اور نہ فضائل میں اُنھوں نے اس روایت کو لیا ہے جبکہ صحیح غلط روایتیں وہ فضائل میں حسب عادت بہت سی داخل کر دیتے ہیں مگر اس روایت کا تو فضائل میں بھی نام نہیں ہے۔ یہ روایت اصل میں قطیعی کی زیادتیوں میں سے ہے جو اس نے ذکریا بن یحیلی کی سند سے روایت کی ہے اور یہ سند باتفاق تمام اہل علم کے حجت نہیں ہوسکتی کیونکہ ذکریا بن یحیلے کی بابت یحیلے نے کہا ہے کہ یہ ایسی حدیثیں بیان کرتا ہے کہ اگر گڑھا کھود کے اُنھیں دفن کردیا جائے تو سب کے لئے مفید ہے وارقطنی کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کمبخت کی عادت ہی یہی ہے کہ صحابہ کی برائیوں کی روایتیں خود ایجاد کرتا ہے اور حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام سے اُنھیں اشاعت دیتا ہے (نعوذ باللہ) لہذا اسکی روایت کا کسی طرح بھی اعتبار نہیں ہوسکتا۔

اب رہے ابن عباس ان کے ذمہ یہ بہتان عظیم باندھا گیا ہے ان سے بطریقہ تواتر مروی ہے کہ وہ ابوبکر و عمر کو علی سے ہمیشہ افضل سمجھتے تھے اور علی کی بہت سی غلط کاریوں پر اعتراض کیا کرتے تھے

جب زندیقوں کو جنھوں نے علی کے معبود ہونے کا دعویٰ کیا تھا علی نے آگ میں زندہ جلا دیا تو ابن عباس نے اُنپر سختی کے ساتھ اعتراض کیا اور کہا کہ انسان کو زندہ جلا دینے کو حضور انور نے سخت منع فرمایا ہے اور یہ سخت ظالمانہ اور وحشیانہ فعل ہے اسپر علی ناراض ہوئے اور اُنھوں نے ابن عباس پر بہت غصہ کیا۔

ابن عباس سے ثابت ہے کہ جب کسی مسئلہ میں اُنھیں کوئی نص نہیں ملتی تھی تو وہ ابوبکر و عمر کے قول پر فتویٰ دیدیا کرتے تھے اس سے خود معلوم ہو سکتا ہے کہ ابن عباس ابوبکر و عمر کو کیسا سمجھتے تھے اور علی کو کیسا۔

علی اور ابن عباس میں اکثر نوک جھوک رہا کرتی تھی اور ابن عباس نہایت آزادی کے ساتھ علی کی ناجائز باتوں پر اعتراض کرنے کے لیئے بالکل تیار رہتے تھے چنانچہ منجملہ بہت سی باتوں کے ایک یہ واقعہ زیادہ نامور و مشہور ہے کہ جب ابن عباس نے بصرہ کا کچھ مال اپنے قبضہ میں کرلیا تو علی نے انھیں ایک خط لکھا اور بہت دھمکی دی کہ یوں کردوں گا اور ووں کردونگا۔ اسپر ابن عباس نے جواب دیا کہ اگر میرا مال کا لینا تھوڑی دیر کے لیئے ناجائز سمجھ بھی لیا جائے تو تم نے جو حکومت وغیرہ حاصل کرنے کے لیئے مسلمانوں کو کٹوا دیا تو اس کی نسبت تو میرا یہ فعل کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا۔

دوسرے اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ یا ایھا الذین اٰمنوا کے سرغنہ وغیرہ علی ہیں تو اُسمیں اُلٹی علی کی بُرائی نکلتی ہے نہ تعریف کیونکہ اس جملہ سے خداوند تعالےٰ نے اکثر موقعوں پر عتاب کے ساتھ خطاب کیا ہے چنانچہ فرمایا یا ایھا الذین اٰمنوا لم تقولون ما لا تفعلون الخ۔ یعنے اے ایمان والو تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت ناپسند ہے کہ وہ بات کہو جو نہیں کرتے۔ اب سمجھئے اور غور کیجیے اور خود اپنے دلمیں انصاف کیجیے کہ اگر اس آیت کے سرغنہ ہم شیعی علمار کی خاطر سے حضرت علی کو قرار دیں تو اُنپر کتنا بڑا الزام قائم ہوتا ہے۔ حالانکہ ہم اُس معبود برحق کی قسم کھاکے کہتے ہیں جسکی مٹھی میں ہماری زندگی اور موت ہے کہ حضرت علی اس عیب سے پاک تھے وہ جو کچھ کہتے تھے ویسا ہی کرتے تھے اُنھوں نے کبھی اپنی زندگی میں ایسا نہیں کیا کہ کہا ہو اور کیا نہ ہو۔ اسی طرح یا ایھا الذین کے الفاظ سے یہ آیت شروع ہوتی ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ وقد کفروا بما جاءکم من الحق ج یعنی اے ایمان والو میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو تم دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف محبت (کی بنیاد) ڈالتے ہو حالانکہ وہ اس حق کے منکر ہیں جو

تمھارے پاس آیا ہے۔

صحاح میں ثابت ہے کہ یہ آیت حاطب بن بلتعہ کے حق میں نازل ہوئی تھی جب اُس نے مکہ کے مشرکوں کو حضور انور کا راز کہلا بھیجا تھا اُسکا مفصل ذکر اوپر کہیں آچکا ہے غرض علی حاطب کے اس گناہ سے بالکل بری تھے پھر وہ اُن مخاطبین کے سرغنہ جنھیں اس گناہ پر ملامت کی گئی ہی کیونکر ہوسکتے ہیں اور لو تیسری جگہ خداوند تعالےٰ مذکورہ الفاظ سے یہ آیت شروع کرتا ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اذا ضربتم فی سبیل اللّٰہِ فتبینوا ولا تقولوا لمن القٰی الیکم السلام لست مومنا تبتغون عرض الحیٰوۃ الدنیا" یعنی اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے کے لیے) سفر کیا کرو تو خوب تحقیق کرلیا کرو اور جو کوئی تمھیں سلام کرے اُسے یہ نہ کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں ہے (کیا) تم دنیا کی زندگی کے اسباب کی خواہش کرتے ہو" یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی تھی جنھیں ایک آدمی بکریاں چراتے ہوئے ملا اُسنے کہا میں مسلمان ہوں مگر اُنھوں نے اس کہنے کو جھوٹ سمجھا اور اُس کی بکریاں چھین لیں۔ اسپر اللہ نے اُنھیں خوب تحقیق کرلینے کا حکم دیا اور دنیوی طمع کے باعث ایسے آدمی کو جھٹلانے سے جو مسلمان ہونے کا دعوےٰ کرتا ہو اُنھیں منع فرمادیا۔ یاد رکھو کہ علی ان لوگوں کے گناہ سے بالکل بری تھے۔ پھر ہماری حمیت اور انسانیت تو اسکی مقتضی نہیں ہے کہ حضرت علی کو ان لوگوں کا سرغنہ بنائیں غرض تمام فرقان حمید ان مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔

تیسرے۔ اب شیعی علمار کا یہ بیان کہ علی ان آیتوں کے سرغنہ ان کے سردار اُن کے شریف اور اُن کے سید ہیں بالکل بے حقیقت اور بے معنی ہے یہ دراصل دوستی کے پردے میں حضرت علی کی ذات اقدس پر بہت بڑا حملہ کیا گیا ہے جس کی بابت سوائے افسوس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ اپنا امام بھی کہے جاتے ہیں اور اُن کی ذات میں عیب بھی نکالتے جاتے ہیں اور اُنھیں خداوند تعالےٰ کے معتوب بھی قرار دیتے جاتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ مرحبا ہے اس محبت وتعظیم پر۔

اَب رہا یہ کہ ابن عباس کا حضرت علی کو فضیلت دینا یہ محض لغو اور بیہودہ ہے ابن عباس پر نرا بہتان ہے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ابن عباس نے ایسا کہدیا تو تمام صحابہ کے مقابلہ میں صرف اُنکا یہ کہنا کیونکر حجت ہوسکتا ہے۔

چوتھے۔ شیعی علمار کا یہ کہنا کہ قرآن مجید میں اللہ پاک نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ پر

عتاب کیا ہے اور علی کو ہر جگہ نیکی ہی سے یاد کیا ہے یہ صریح جھوٹ بلکہ سفید جھوٹ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کا ابو بکر پر عتاب کرنا نہیں معلوم ہوتا بلکہ یہ بھی ثابت نہیں ہے کہ ابو بکر نے رسول اللہ کو کبھی کچھ رنج دیا یا اپنے کسی کام سے آپ کو صدمہ پہنچایا ہو بلکہ یہ بات حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور سے ثابت ہے آپ نے ایک دن اپنے خطبہ میں فرمایا تھا۔ ایھا الناس اعرفوا لابی بکر حقہ فانہ لم یسوءنی قط، یعنی اے لوگو ابو بکر کے حق کا تم ضرور خیال رکھو کیونکہ اُنھوں نے مجھے کبھی کوئی صدمہ نہیں پہنچایا۔ فقط

بہت سی صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور انور ابو بکر کی طرفداری کرتے اور لوگوں کو اُن کے خلاف کرنے سے منع کیا کرتے تھے اور جیسا کہ بعض لوگوں کا حضور انور کو صدمہ پہنچانا منقول ہے ابو بکر کا صدمہ پہنچانا کسی سے بھی منقول نہیں ہے۔

دیکھو خاتون محشر فاطمۃ الزہرا ہی کی زندگی میں جب علی نے ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تو حضور انور نے کیسا پر جوش اور موثر خطبہ پڑھا تھا (اسکا ذکر بھی پہلے کہیں آچکا ہے) کبھی اِس قسم کا واقعہ ابو بکر کے حق میں نہیں ہوا جس میں حضور انور کو خطبہ پڑھکے اپنی ناراضگی ظاہر کرنے اپنے صدمہ کا بیان کرنے اور مخاطب کی وعدہ خلافی کا ذکر کرنے کی ضرورت پڑتی۔

اسکے علاوہ بڑے بڑے کاموں میں ابو بکر ہی آپکے مشیر خاص تھے مثلاً کسی کو کسی صوبہ کا حاکم بنانے یا کسی کو جنگی افسر نامزد کرنے اور غنائم تقسیم کرنے وغیرہ کے اہم معاملات میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی علی کو شریک نہیں کیا۔ اس مشورہ میں خصوصیت کے ساتھ ابو بکر ہی شریک ہوتے تھے بلاخوف تردید ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابو بکر و عمر حضور انور کے مثل دو وزیروں کے تھے بدر کے قیدیوں کے متعلق حضور انور نے ان ہی دونوں سے مشورہ لیا تھا اور بنی تمیم کے وفد (ڈیپوٹیشن) کے بارے میں بھی ان ہی سے صلاح لی گئی تھی۔ غرض کل اہم معاملات میں حضور انور کو مشورہ دینے والے ابو بکر و عمر ہی تھے علی کو کبھی بھولے سے بھی ان مشوروں میں شریک نہیں کیا گیا۔

صحیحین میں حضرت علی سے مروی ہے کہ جب فاروق اعظم عمر کا انتقال ہوا تو آپ نے بڑے جوش سے قسم کھاکے یہ بیان فرمایا " مجھے اُمید ہے کہ تمھیں اللہ تعالے تمھارے دونوں ساتھیوں (محمدؐ و ابو بکرؓ) کے ساتھ اُٹھائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے میں اکثر سنا کرتا تھا آپ

فرمایا کرتے تھے) میں وابوبکر اندر گئے۔ میں وابوبکر باہر آئے۔ میں وابوبکر وہاں جاتے ہیں یہ کرتے ہیں وہ کرتے ہیں۔ غرض ہر بات میں حضور انور انھیں اپنے ساتھ بیان کرتے تھے "

شیعی علماء کی انتیسویں [29] برہان

(قول شیعی علماء) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے " ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما " یعنی بیشک اللہ اور اُسکے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں اے مسلمانو تم (بھی) نبی پر درود بھیجو اور خوب سلام پڑھو (شیعی علماء فرماتے ہیں) صحیح بخاری میں کعب بن عجرہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ اہل بیت پر سلام پڑھنا تو ہمیں اللہ نے سکھا دیا ہے لیکن ہم درود کس طرح بھیجیں آپنے فرمایا اس طرح کہا کرو " اللھم صل علی محمد وعلے آل محمد " (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) صحیح مسلم میں ہے ایک راوی کہتا ہی ہمنے پوچھا یا رسول اللہ آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا لیکن ہم آپ پر درود کس طرح بھیجا کریں حضور انور نے فرمایا اسطرح کہا کرو اللھم صل علی محمد وعلے آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم۔ اس لحاظ سے چونکہ حضرت علی اہلبیت میں سب سے افضل ہیں لہذا امامت کے لئے سب سے بہتر وہی ہوئے۔

جواب

ہمیں ہرگز شک نہیں اور ہم اسے کھلے دل کے ساتھ قبول کرنے کے لئے تیار ہیں کہ یہ حدیث صحیح متفق علیہ ہے اور یہ کہ علی آل محمد سے ہیں اور اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد میں داخل ہیں مگر یہ اُنکے خصائص میں سے نہیں ہے کیونکہ سارے بنی ہاشم اسمیں داخل ہیں مثلاً عباس ان کی اولاد حارث بن عبد المطلب۔ حضور انور کی صاحبزادیاں یعنی عثمان غنی کی دونوں بیبیاں رقیہ اور اُم کلثوم اور آپ کی صاحبزادی فاطمہ زہرا اور اسیطرح آپکی ازواج مطہرات اس میں شامل ہیں ازواج کے متعلق صحیحین میں حضور کا یہ ارشاد موجود ہے اللھم صل علی محمد وعلے ازواجہ وذریتہ ہاں ہاں اسمیں تو قیامت تک آپ کے سارے اہل بیت شامل ہیں اسی میں علی کے بھائی جعفر اور عقیل بھی داخل ہیں یہ صاف ظاہر ہے کہ درود اور سلام میں ان سب کا داخل ہونا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ اُن سب سے افضل ہیں جو اسمیں داخل نہیں ہیں نہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو لوگ اسمیں داخل ہوں وہی امامت کے لائق ہیں

عمار - مقداد - ابوذر وغیرہ ان لوگوں میں سے ہیں جنکی فضیلت پر اہل سنت اور شیعہ سب متفق ہیں۔ باوجودیکہ آل پر درود بھیجنے میں وہ داخل نہیں ہیں حالانکہ عقیل - عباس اور اُن کی اولاد اس میں داخل ہے اور اسپر سُنّی اور شیعہ دونوں کا اتفاق ہے کہ عمار - مقداد اور ابوذر وغیرہ عقیل اور عباس کی اولاد سے بدرجہا افضل ہیں ۔ اسی طرح حضور انور کی ازواج مطہرات میں سے عائشہ وغیرہ اس میں داخل ہیں۔ حالانکہ عورت امام نہیں ہوسکتی اور نہ وہ مردوں سے افضل ہوتی ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ فضیلت علی وغیرہ میں مشترک ہے یہ کسی طرح سے ضرور نہیں کہ جو اس فضیلت کے ساتھ متصف ہو وہ ان لوگوں سے افضل ہوجائے جو اُسکے ساتھ متصف نہیں ہیں۔

صحیحین میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے حضور انور نے فرمایا خیر القرون القرن الذی بعثت فیھم ثم الذین یلونھم " یعنی سب زمانوں سے بہتر وہ زمانہ ہے جسمیں میں مبعوث ہوا ہوں پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوئے " لہٰذا تیسرے زمانہ کے لوگوں سے تابعین افضل ہوئے۔

ہاں یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ مجموعہ کو مجموعہ پر فضیلت دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسکا ہر ہر فرد دوسرے مجموعہ کے ہر ہر فرد سے افضل ہو - کیونکہ حضور انور کے بعد تیسرے اور چوتھے زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جو صحابہ کے بعض دیکھنے والوں سے بدرجہا افضل ہیں اور اُن کی فضیلت میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا مثلاً اشتر نخعی اول درجہ کا مفسد - مختار عبید - کذاب اور مفتری - حجاج بن یوسف جیسا شخص - ان لوگوں نے صحابہ کا زمانہ ضرور پایا ہے - ان سے ملے بھی ہیں مگر یہ تبع تابعین سے کسی طرح بھی افضل نہیں ہوسکتے - ابوجہل ہی کو لو جو حضور انور کا چچا بھی تھا اور جس نے حضور انور کا زمانہ بھی پایا کیا وہ چودھویں صدی ہجری کے کسی مسلمان سے بھی افضل ہوسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

اسکے علاوہ سارے اہل بیت سے افضل حضرت علی ہرگز نہیں ہیں بلکہ اہل بیت میں سب سے افضل حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ حضور انور خود اہل بیت میں داخل ہیں جیسا کہ آپ نے حسنؓ سے فرمایا تھا " کیا تم نہیں جانتے کہ ہم اہل بیت ہیں ہم صدقے کی چیز نہیں کھایا کرتے " ان الفاظ میں متکلم بھی شامل ہے خود حضرت ابراہیم کا اہل بیت میں شامل ہونا درود شریف سے پایا جاتا ہے اب یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ حضور انور کے بعد اہل بیت میں افضل حضرت علی ہی ہیں - اس سے یہ

لازم نہیں آتا کہ آپ کے بعد بھی وہ سب سے افضل ہو جائیں کیونکہ بنی ہاشم اوروں سے افضل ہیں اور حضور انور بھی بنی ہاشم میں سے ہیں صحیح مسلم میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا تھا کہ اسمعیل ؑ کی اولاد میں سے اللہ تعالےٰ نے خاندان کنانہ کو برگزیدہ کر لیا تھا اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھکو اس سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ جملہ قریش سب سے افضل ہیں مگر یہ لازم نہیں آتا کہ قریش کا ہر فرد سب سے افضل ہو۔ اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ سارے عرب میں اور عرب کے سوا اور ملکوں میں ایسے بہت سے آدمی ہیں جو قریش سے افضل ہیں قریش میں سابقین اولین گنے چنے آدمی تھے اور اُن میں اکثر فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے تھے وہی لوگ طلقا کہلاتے ہیں سارے مہاجرین میں سوائے قریشوں کے اور بھی قبائل کے لوگ شریک ہیں۔ مثلاً ابو مسعود بدری عمران بن حصین۔ خزاعی مقداد بن اسود کندی یہ لوگ قریشی نہیں ہیں مگر تو بھی بہت سے بنی ہاشم سے افضل ہیں ان کے سوائے بدری لوگ اکثر بنی ہاشم سے افضل ہیں بنی ہاشم میں سابقین تو حمزہ۔ علی۔ جعفر اور عبیدہ بن حارث فقط چار آدمی ہیں مگر بدری ۳۱۳ آدمی ہیں جنمیں سے تین ہاشمی ہیں اور باقی دوسرے قبائل میں سے مگر سب کے سب بنی ہاشم سے افضل ہیں اس بات کے سب قائل ہیں کہ بنی ہاشم قریش سے افضل ہیں اور قریش عرب سے اور عرب تمام اولاد آدم سے اور یہی ائمہ سنت والجماعت سے منقول ہے جیسا کہ حرب کرمانی نے اپنے ملنے والوں سے نقل کیا ہے۔ مثلاً امام احمد۔ اسحاق۔ سعید بن منصور۔ عبداللہ بن زبیر حمیدی وغیرہ ممکن ہے کہ ہم اس کی مفصل بحث کسی دوسری جگہ اور کرینگے

شیعی علماء کی تینتیسویں بُرہان

(بقول شیعی علماء) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے " مرج البحرین یلتقیان ٭ بینھما برزخ لا یبغیان " یعنی اسنے دو دریاؤں کو چلایا ہے وہ دونوں ملتے ہیں ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے جس سے وہ دونوں تجاوز نہیں کرتے۔ شیعی علماء کہتے ہیں یہ دونوں دریا علی اور فاطمہ ہیں ان کے درمیان میں حجاب نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ دونوں اُن کے کہنے سے کسی بات میں تجاوز نہیں کرتے پھر فرماتے ہیں کہ یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان ٭ " یعنی ان دونوں دریاؤں سے موتی اور

مونگا نکلتا ہے۔ موتی اور مونگے سے مراد حسن اور حسین ہیں اور یہ فضیلت صحابہ میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی لہذا علی ہی امام ہوئے۔

جواب

افسوس ہے اس قسم کی باتیں سمجھدار اور پڑھے لکھوں کی زبان سے نکلنی ایسی تعجب انگیز ہیں کہ بیان نہیں ہوسکتیں ایسے چڑے چڑیا کی کہانیوں کو قرآن مجید کی تفسیر سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے بلکہ ہم تو اسے مستان کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں دیتے یہ کامل ہذیان اور نری بیہودگی ہے ملاحدہ۔ قرامطہ۔ باطنیہ کی تفسیریں بھی اسی قسم کی ہوتی ہیں مگر یہ مذکورۂ بالا تفسیر ان سے بھی کئی درجہ بڑھی ہوئی ہے یہ درحقیقت خداوند تعالے کے کلام کا مضحکہ اڑاتا ہے اور اس فرقان حمید کا مونہ چڑاتا ہے کچھ شیعوں ہی پر منحصر نہیں ہے بعض جاہل سنیوں نے بھی قرآن کی ایسی ہی مضحکہ خیز تفسیریں لکھی ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں صابرین سے مراد محمد ہیں صادقین سے مراد ابوبکر ہیں۔ قانتین سے مراد عمر ہیں اور منفقین سے مراد عثمان اور مستغفرین سے مراد علی ہیں۔

پھر کہتے ہیں تراہم رکعاً سجداً سے علی مراد ہیں۔ والتین سے مراد ابوبکر ہیں والزیتون سے مراد عمر ہیں اور طور سینین سے مراد عثمان ہیں وہذا البلد الامین سے مراد علی ہیں۔

پھر کہتے ہیں " والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا میں الا الذین امنوا سے مراد ابوبکر ہیں اور عملوا الصالحات سے مراد عمر ہیں اور وتواصوا بالحق سے عثمان مراد ہیں اور وتواصوا بالصبر سے علی مراد ہیں۔

اسی طرح شیعی علماء " وکل شئ احصیناہ فی امام مبین " میں امام علی سے مراد لیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ " فی ام الکتاب الدینا لعلے حکیم " میں علی بن ابی طالب مراد ہیں اور شجرۃ ملعونۃ سے بنی امیہ۔ سچ بات یہ ہے کہ اس طرح سے قرآن مجید کا مضحکہ وہی شخص اڑا سکتا ہے جسکا اس پاک کتاب قرآن مجید پر ایمان نہ ہو اور جس میں کچھ بھی ایمان کی بو ہو گی وہ کبھی ایسی باتیں نہیں بنانے کا۔ اب سنئے نفس واقعات پر بحث شیعی علماء کی اس تفسیر میں چند وجہ ایسی ہیں جو سرتاپا اس کے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتی ہیں اول یہ کہ یہ آیت سورۃ الرحمٰن میں ہے اور یہ سورۃ تمام مسلمانوں کے اجماع کے بموجب مکیہ ہے۔ حسن اور حسین مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے دوئم فاطمہ زہرا اور علی کا نام دو دریا رکھنا اور حسن و حسین کو موتی

موتی کہنا اور مرج کے معنی نکاح ٹھیرانا ایک ایسا امر ہے جس کا نہ لغات عرب میں پتہ لگتا ہے اور نہ اس کے یہ معنی حقیقتاً اور مجازاً ہو سکتے ہیں جسطرح اس قسم کے معنی سے قرآن مجید پر صریح جھوٹ باندھا گیا ہے اسیطرح لغت عرب پر بھی ایک بڑا بہتان اُٹھایا گیا ہے۔ تیسرے اسمیں کوئی بات ایسی زائد نہیں ہے جو تمام اولاد آدم میں نہ پائی جاتی ہو کیونکہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اُسکے دو لڑکے ہو جائیں تو وہ اسمیں داخل ہے لہذا علی اور فاطمہ کی تخصیص کی یہاں کوئی وجہ نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ابراہیم۔ اسحاق اور یعقوب علی سے بدرجہا افضل ہیں تو کیوں ہم بجائے علی اور اُن کے بچوں کے ان پیغمبروں سے مراد نہیں لیتے صحیح میں آیا ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ بزرگ کون ہے حضور نے فرمایا جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو عرض کیا کہ ہمارے دریافت کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے آپ نے فرمایا تو بس یوسف بزرگ ہیں جو اللہ کے نبی ہیں یعقوب نبی کے بیٹے اسحاق نبی کے پوتے اور ابراہیم نبی کے پڑپوتے۔ اسی لیئے درود میں جہاں آل محمد کو شریک کیا گیا ہے وہاں آل ابراہیم کو بھی شریک کیا گیا ہے اور اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ آل ابراہیم آل علی سے افضل ہیں۔ ہاں یہ ہم مانتے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ابراہیم سے بھی افضل ہیں۔

چوتھے یہ کہ مرج البحرین کو اللہ تعالٰے نے ایک اور آیت میں بھی ذکر کیا ہے چنانچہ سورۂ فرقان میں فرماتا ہے "وھو الذی مرج البحرین ھذا عذب فرات وھذا ملح اجاج ط" اگر اس سے علی اور فاطمہ مراد ہوں تو ان میں سے ایک نہ ایک کے لیئے بُرائی بھی ہوتی ہے کیونکہ ان میں سے ایک دریا کا خداوند تعالٰے نے شور اور کھاری ہونا بیان کیا ہے۔

پانچویں یہ کہ اللہ تعالٰے نے یہ فرمایا ہے "بینھما برزخ لا یبغیان" اب اس سے اگر علی اور فاطمہ مراد ہیں تو شیعی علماء کے گمان کے مطابق حجاب یا تو حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہیں یا اور کوئی ہے جو انہیں سے ایک کو دوسرے پر تجاوز کرنے سے مانع ہو اور یہ دراصل تعریف نہیں ہوئی بلکہ حد سے زیادہ بُرائی ہے۔

چھٹے یہ کہ تمام ائمہ تفسیر کا اسپر اتفاق ہے کہ درحقیقت قرآن مجید پر یہ بہت بڑا بہتان باندھا گیا ہے جیسا کہ ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ آسمان اور زمین کے دونوں دریا

ہر سال ملجاتے ہیں۔ حسن کا قول ہے کہ مرج البحرین میں دونوں دریاؤں سے دریائے فارس اور دریائے روم مراد ہے اور حجاب ان دونوں کے بیچ میں جزیرے ہیں اور یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان کی تفسیر میں زجاج کہتے ہیں کہ موتی اور مونگا دریائے شور سے نکلتے ہیں اور یہ جواہرات اگرچہ ایک ہی دریا سے نکلتے ہیں مگر ساتھ ساتھ دونوں دریاؤں کا نام لے دیا ہے کہ جب اس میں سے نکلے تو گویا دونوں ہی سے نکلے۔ فارسی کا یہ قول ہے کہ منہا سے مراد من احدھما ہے مضاف کو محذوف کردیا ہے باقی لولو اور مرجان کے متعلق علمار کے دو قول ہیں ایک یہ کہ مرجان چھوٹے موتی کو کہتے ہیں اور لولو بڑے موتی کو۔ یہی قول اکثر صحابہ کا ہے جیسے ابن عباس۔ قتادہ۔ فرار اور ضحاک بھی ہیں۔

دوسرا قول یہ کہ لولو چھوٹے موتی کو کہتے ہیں اور مرجان بڑے موتی کو یہ قول مجاہد سدی اور مقاتل کا ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ جب ایک خاص بارش ہوتی ہے تو سیپیوں کے مونہ کھل جاتے ہیں اور ان میں جو قطرہ پڑتا ہے وہی موتی ہوجاتا ہے۔

شیعی علمار کی اکتیسویں ۳۱ برہان

(بقول شیعی علمار) خداوند تعالے فرماتا ہے۔ ومن عندہ علم الکتاب" یعنی وہ شخص جسے کتاب کا علم ہے شیعی علمار فرماتے ہیں کہ ابونعیم نے ابن صفیہ سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ اس شخص سے مراد علی بن ابی طالب ہیں پھر شیعی علمار گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ تفسیر ثعلبی میں عبداللہ بن سلام سے مروی ہے وہ کہتے تھے میں نے پوچھا کہ اس شخص سے کون مراد ہے جسے کتاب کا علم تھا فرمایا یہ علی بن ابی طالب ہے اور یہ علی کے افضل ہونے کی دلیل ہے لہذا وہی امام ہوئے۔

جواب

اول یہ کہ عبداللہ بن سلام اور ابن حنفیہ سے اس کا صحیح طور پر منقول ہونا ثابت کرنا چاہیئے۔

دوسرے یہ کہ اگر اس کے ثابت ہونے کو مان بھی لیا جائے تو جبکہ جمہور ان دونوں کے مخالف ہیں لہذا ان کا کہنا حجت نہیں ہوسکتا۔

تیسرے یہ کہ ہم تو یہی کہیں گے کہ ان پر یقیناً بہت بڑا بہتان اٹھایا گیا ہے۔

چوتھے یہ یقیناً باطل ہے اسکی وجہ یہ ہے جو خود خداوند تعالے فرماتا ہے قل کفی باللہ شہیدا بینی وبینکم

ومن عندہ علم الکتاب" یعنی کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے اور وہ شخص جسے کتاب (یعنی توریت وانجیل) کا علم ہے اگر اس سے علی مراد ہیں تو اس آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ محمدؐ اپنے قول پر اپنے چچازاد بھائی سے گواہی دلواتے ہیں اور یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر حضور انور کی نبوت کی علی گواہی دیتے تو حضور کو اُن کی گواہی سے کچھ فائدہ نہ ہوتا نہ اُن کی گواہی لوگوں پر حجت ہوتی نہ اس سے مستدل کی دلیل بنتی نہ اسکی وجہ سے کوئی مطیع ہوتا کیونکہ مخالف کہہ سکتے تھے کہ علی کو اس گواہی کا علم کہاں سے ہوا اُنھوں نے تو یہ محمدؐ ہی سے حاصل کیا ہے تو کیا محمدؐ اپنے لیئے خود ہی گواہ بنتے ہیں دوسرے کوئی یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ یہ تو اُن کے چچازاد بھائی ہیں کیا عجب ہے کہ دونوں کی ملی بھگت ہو لہذا ان کی گواہی قابل اعتبار نہیں ہو سکتی اور یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر حضور انور کی اور آپ کے اقوال کے حق ہونے کی ابوبکر وعمر وغیرہ گواہی دیتے تو اُن کی گواہی میں آپ کا بہت بڑا فائدہ تھا کیونکہ اُن لوگوں میں کسی قسم کی تہمت کا شبہ نہیں ہو سکتا تھا دوسرے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ اُنھوں نے اہل کتاب اور کاہنوں سے ایسی باتیں سنیں جو بغیر محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوئے اُنھیں یاد ہو گئیں برخلاف علی کے کہ وہ اس زمانے میں بالکل بچے تھے ان کی نسبت مخالف کہہ سکتے تھے کہ اُنھوں نے جو یہ گواہی دی ہے تو اُنھیں محمدؐ ہی سے معلوم ہوا ہے گواہی تو ہمیشہ غیر آدمی کی ہونی چاہیئے۔ علی کے مقابلے میں اگر اہل کتاب اُنکی گواہی دیں کہ جو اُنھیں پہلے انبیاء سے بطریق تواتر معلوم ہوا ہے اور جس سے حضور انور کی صداقت کا یقین ہو جاتا ہے تو یہ گواہی بے شک نفع دینے والی ہے خداوند تعالٰے فرماتا ہے۔ کذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا ۱۵ خیال کیجیئے کہ شیعی علماء اسے حضرت علی کی فضیلت ٹھہرا کے اِسکے ذریعہ سے خود ان میں اور اُسمیں جسکی وجہ سے وہ مومنین میں سے ہیں اور جو ان کے مسلمان ہونے کی دلیل ہے سب پر اعتراض کرتے ہیں اگر یہ قول ایسے موقع پر بجائے شیعوں کے زندیقوں کے نام سے نقل کیا جاتا تو بہت ہی مناسب ہوتا۔

پانچویں یہ کہ خداوند تعالٰے نے اہل کتاب سے گواہی دلوانے کو بہت سی آیتوں میں ذکر کیا ہے مثلاً وہ فرماتا ہے" قل ارءیتم ان کان من عند اللہ وکفرتم بہ وشھد شاھد من بنی اسرائیل علی مثلہ" تو کیا شیعی فاضل کہہ سکتے ہیں کہ علی بنی اسرائیل میں سے تھے۔ پھر فرماتا ہے۔ وما

ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم فاسئلوا اھل الذکر" تو کیا وہ اہل ذکر جن سے اُن لوگوں کو پوچھنے کا حکم ہے اللہ نے اُن کے پاس ایسے آدمی بھیجے تھے کہ وہ سب علی بن ابوطالب ہوں۔

چھٹے یہ اگر ہم مان بھی لیں کہ گواہی دینے والے علی بن ابوطالب ہیں تو اس سے بھی انکا سب سے افضل ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ وہ اہل کتاب جو گواہی دیتے تھے مثلاً عبد اللہ بن سلام۔ سلمان اور کعب الاحبار وغیرہ یہ لوگ سابقین اولین یعنی ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی اور جعفر وغیرہ سے افضل نہیں تھے۔

شیعی علماء کی تبیسویں برہان

(بقول شیعی علماء) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معہ" یعنی جس دن اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہ کرے گا اسپر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ابونعیم نے ابن عباس سے مرفوعاً روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن بہشتی حلہ سب سے پہلے اللہ کے خلیل ہونے کی وجہ سے ابراہیم کو پہنایا جائے گا ان کے بعد محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیونکہ آپ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں پھر علی کو اور علی دونوں کے درمیان خوب خوش ہوتے ہوئے جنتوں میں پھرینگے۔ پھر ابن عباس نے مذکورہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ اس سے مراد علی اور انکے ساتھی ہیں یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہی کہ علی سب سے افضل ہیں لہذا وہی امام ہوئے۔

جواب

اسکا جواب بھی چند طرح ہے اول تو اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل بیان کرنی ضروری ہے خاصکر ایسے موقع پر جسمیں مدعا کی کوئی اصل ہی نہ ہو۔

دوسرے کل محدثوں کا اسپر اتفاق ہے کہ یہ روایت بالکل جھوٹ اور موضوع ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ یقیناً باطل ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ علی ابراہیم اور محمد سے بھی افضل ہوں کیونکہ علی کو درمیان میں رکھا گیا ہے اور ابراہیم و محمد ادھر اُدھر کھڑے کئے گئے ہیں حالانکہ اسپر سارے جہان کا اتفاق ہے کہ ساری مخلوق سے افضل ابراہیم اور محمد ہی ہیں اور جو شخص ان دونوں پر علی کو فضیلت دے ہم اُسے کافر سے بھی زیادہ کافر سمجھتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ صحیحین میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ قیامت

کے دن سب سے پہلے ابراہیم خلیل اللہ کو حلّہ پہنایا جائے گا اسمیں نہ محمد کا ذکر ہے نہ علی کا ابراہیم خلیل اللہ کو پہلے حُلّہ پہنائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حضور انور سے ہر طرح افضل ہو جائیں۔

پانچویں خداوند تعالٰے فرماتا ہے۔ یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ نورھم یسعیٰ بین ایدیھم وبایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شئ قدیر" پھر دوسری آیت ملاحظہ ہو "یوم تری المؤمنین والمؤمنات یسعی نورھم بین ایدیھم وبایمانھم الایہ۔ یہ دونوں آیتیں ان مومنین کے بارے میں عام نص ہیں کہ جو حضرت کے ساتھ ہیں سیاق کلام اور تمام آثار مرویہ اس کے عام ہی ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

ابن عباس کہتے ہیں قیامت کے دن ہر مسلمان کو ایک روشنی عطا ہو گی مگر جس مسلمان میں کچھ نفاق ہوگا اُسکی روشنی بجھ جائے گی۔ روشنی بجھ جانے سے خالص مومن ڈرے گا اور یہ عرض کریگا "ربنا اتمم لنا نورنا" یعنی اے پروردگار ہماری روشنی کو کامل کر دے۔ پس معلوم ہوا کہ اس میں عموم ہونا قطعی اور یقینی ہے اس سے ایک آدمی ہرگز مراد نہیں ہے پھر بھلا یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اس سے فقط حضرت علی ہی مراد ہیں۔

سمجھئے تو سہی کتنے تعجب کی بات ہے کہ جہاں جہاں شیعی علمار نے حضرت علی کی خصوصیت رکھی ہے اگر ان ہی موقعوں پر کوئی ابوبکر و عمر اور عثمان کو کہنے لگے تو ان میں اور اُن میں سوائے دعوئے محض۔ افترا پردازی۔ بہتان اور فریب دہی کے کوئی دوسری وجہ فرق کی نہیں ہے۔ ہاں یہ بات دوسری ہے کہ جو لوگ ابوبکر و عمر کی خصوصیت کا دعوے کریں گے تو اُن کا دعوٰی شیعی علمار کے دعوے سے پھر بڑھا ہوا ہو گا۔

اسوقت اس آیت میں حضرت علی کا داخل ہونا مثل خلفائے ثلثہ کے داخل ہونے کے ہے بلکہ وہ اس میں داخل ہونے کے زیادہ حقدار اور لائق ہیں۔ اس لیئے اس سے علی کی نہ فضیلت ثابت ہوتی ہے نہ امامت۔

شیعی علمار کی تینتیسویں ۳۳ بُرہان

(بقول شیعی علمار) خداوند تعالٰے فرماتا ہے، ان الذین امنوا وعملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ ط

یعنی بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک کام کیئے یہی لوگ بہترین خلق ہیں اسپر شیعی علماء یہ گوہر افشانی کرتے ہیں حافظ ابو نعیم نے ابن عباس سے مرفوعاً روایت کی ہے وہ کہتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علی سے فرمایا۔ قیامت کے دن تم اور تمھارے شیعہ اس طرح آوٗ گے کہ خدا تم سے راضی ہوگا اور تمھارے مخالف اللہ سے رنجیدہ ہونگے اور اللہ اُن سے ناراض ہوگا۔ تو جب خیر البریہ یعنے ساری خلقت سے بہتر علی ہوئے تو اب اُن کا امام ہونا ضروری ہے۔

جواب

اول یہ روایت بالکل غلط ہے اسکے علاوہ محض ابو نعیم کی روایت کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی اس میں سلمانوں کے کسی فرقے کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

دوسرے یہ روایت اُن موضوعات میں سے ہے جنکے جھوٹ اور موضوع ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔

تیسرے یہ عجیب و غریب بات دیکھنے کی ہے کہ ادھر تو شیعی علماء مذکورہ آیت سے حضرت علی کی افضلیت اور امامت ثابت کرتے ہیں ادھر خوارج اسی آیت سے حضرت علی کا کفر ثابت کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات سے **نواصب** فرقے مراد ہیں جیسے خوارج وغیرہ ان کا قول ہے بلکہ ان کا ایمان اور عقیدہ ہے کہ جو شخص علی کی حمایت کرے وہ کافر مرتد ہے اور اس آیت میں ہرگز داخل نہیں ہے۔ اس مطلب کے واضح کرنیکے لیئے وہ آگے آنے والی آیت کو بطور دلیل بیان کرتے ہیں "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون" وہ کہتے ہیں جس نے دین میں لوگوں پر حکم کیا اُس نے اللہ کے نازل کردہ کے خلاف حکم کیا لہٰذا وہ کافر ہے اور جو کافروں کی حمایت کرتے اور ساتھ دیتے ہیں وہ بھی کافر ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خوارج کی اس قسم کی دلیلیں باطل قرار دیجائیں تو شیعی علماء کی دلیلیں اس سے بھی زیادہ باطل ہونی چاہئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں جنھیں لوگ خارجی کہتے ہیں ان میں بڑے بڑے عالم بڑے بڑے سمجھدار اور حق کے پیرو ہوتے ہیں وہ اہل دین کو کبھی جھوٹا نہیں کہتے اپنے وعدے کے سچے دل اور زبان کے یکساں جو دل میں ہے وہ زبان پر ہے اُسکے خلاف کبھی کوئی شخص نہیں دیکھا گیا مگر یہاں بالکل اس کے

برعکس ہے اب رہے مروانی جیسا بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کو شہید کرنے والے وہی لوگ ہیں ان کا علم وفضل اور بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ ہمارے خیال میں ایک فاضل سے فاضل شیعہ بھی ایک معمولی مروانی کا مقابلہ نہیں کرسکتا جاحظ نے مروانیوں کے حالات میں ایک کتاب تصنیف کی ہے اس کتاب سے ان کی علمی شان معلوم ہوتی ہے جو دلائل انھوں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کیے ہیں یہ بالکل سچ بات ہے کہ شیعہ ان کا جواب نہیں دے سکتے۔ خیر شیعہ تو ایک طرف رہے زیدیہ بھی انکا جواب نہیں دے سکتے۔ ان میں بہت بڑے بڑے علماء ہیں۔ ان کے دلائل دیکھ کے انسان چکر میں آجاتا ہے۔ اپنے گھر میں چاہے جو کچھ بیٹھ کے کہہ لینا یہ دوسری بات ہے مگر مقابلے میں آن کے زبان ہلانا کارے دارد۔

چوتھے مذکورہ آیت عام ہے جس شخص میں یہ وصف ہو وہی اس آیت سے مراد ہو سکتا ہے شیعوں کی خصوصیت کس وجہ سے ثابت ہو سکتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ شیعوں کے سوا سب کافر ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس دلیل سے اوروں کا کافر ہونا ثابت کرتے ہو وہی دلیل تمھارے دعوے کے لیئے کافی ہے۔ پھر اس آیت کے فرضی معنی یا فرضی مفہوم پیدا کرنے کا کیا فائدہ ہے یہ محض ایک غیر ضروری بحث ہے اور اگر سوائے اس آیت کے اپنے دعوے کے ثبوت میں اور دلیل نہیں رکھتے تو اس آیت سے کسی طرح مطلب حل نہیں ہوتا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔

شیعی علماء کی چونتیسویں ۳۴ برہان

(بقول شیعی علماء) خداوند تعالےٰ فرماتا ہے وھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا یعنی وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا پھر اُسکے لیئے نسب اور سُسرال بنائی۔

شیعی علماء فرماتے ہیں۔ تفسیر ثعلبی میں ابن سیرین سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علی بن ابی طالب کی شان میں نازل ہوئی ہے آنحضرت نے فاطمہ زہرا کا نکاح حضرت علی سے کردیا تھا اور اس آیت میں یہی مراد ہے چونکہ یہ اور کسی کیلئے ثابت نہیں ہے لہذا علی ہی افضل ہوئے اور وہی امام ہونگے۔

جواب

اول ہم اس روایت کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں مگر ہم جانتے ہیں کہ کسی طرح بھی اس روایت کی

صحت ثابت نہیں ہو سکتی۔

دوئم ابن سیرین پر یقیناً یہ ایک بہت بڑا بہتان اُٹھایا گیا ہے۔

سوئم اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر لیں کہ یہ ابن سیرین ہی کا قول ہے تو اُن کا ایسا قول جسمیں سب لوگ اُن کے مخالف ہوں کبھی حجت نہیں ہو سکتا۔

چوتھے یہ آیت سورۂ فرقان میں ہے اور یہ سورت مکّی ہے اور یہ آیتیں بھی مکی ہیں اور ان کے مکی ہونے پر تمام علماء اور مفسرین کا اتفاق ہے اور یہ آیتیں نکاح سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اس لئے حضرت خاتونِ محشر بی بی فاطمہ زہراؓ اور علی ان سے کسی طرح بھی مراد نہیں ہو سکتے۔

پانچویں یہ آیت مطلق ہے اس سے ہر شخص کا نسب اور سسرال مراد ہو سکتی ہے کسی فرد واحد کی خصوصیت اس میں کسی طرح بھی نہیں ہے۔ ہاں مثل اوروں کے نہ صرف حضرت علی کی سسرال بلکہ عثمان غنی کی سسرال۔ ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم کی سُسرال بھی اس سے مراد ہو سکتی ہے جسطرح سے چاہو دیکھ لو حضرت علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اس سے اُنکی افضلیت اور امامت ثابت کیجائے۔

چھٹے بفرضِ محال اگر ہم مان بھی لیں کہ اس سے صرف حضرت علی کی سُسرال ہونا مراد ہے تو محض سسرال کا تعلق بہ اتفاق تمام اہل سنت اور شیعی علماء کے اسکی دلیل ہرگز نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی اوروں سے افضل ہیں کیونکہ سسرال کے تعلق میں جس طرح حضرت علی ہیں اسی طرح خلفائے ثلاثہ بھی ہیں باوجودیکہ ان میں بعض بعض سے افضل ہیں پس اگر اس علاقے کی وجہ سے افضل ہونا لازم ہوگا تو قطعی تناقض لازم آئے گا۔ فقط

شیعی علماء کی پینتیسویں برہان

(بقول شیعی علماء) خداوند تعالےٰ فرماتا ہے "یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین" یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ہم پر اللہ نے ایسے شخصوں کے ساتھ ہونا واجب کیا ہے جن کا سچا ہونا معلوم ہو اور ایسا شخص سوائے معصوم کے اور نہیں ہو سکتا کیونکہ اوروں میں جھوٹ کو دخل ہے پس وہ معصوم علی ہی ہیں۔ ان کے سوا تین صحابہ معصوم نہیں ہیں۔ ابو نعیم کی روایت میں ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ روایت علی کی شان میں

نازل ہوئی ہے۔ فقط

جواب

اوّل یہ کہ صدیق اور صادق میں فرق ہے۔ صدیق اُس صادق کو کہتے ہیں جس میں صادق کے مرتبے سے زیادہ سچائی ہو پس ہر صدیق صادق ہوتا ہے مگر ہر صادق صدیق نہیں ہوگا۔ ایسی بہت سی بدیہی دلیلیں موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ابوبکر بے شک صدیق ہیں۔ پس یہ بات ضروری ہوئی کہ اس آیت سے صدیق مراد ہیں اور یہ بھی کہ اُن کے ساتھ ہونا ہمارا واجب ہے ممکن ہے کسی اور صحابی سے بھی مراد ہو مگر ابوبکر کا مراد ہونا سب صحابہ سے اولی اور افضل ہے اور جب ہم اُنکے ساتھ ہو گئے یعنی ان کی خلافت کو تسلیم کر لیا تو اب ہمارا یہ اقرار کرنا کہ امام علی ہی ہیں اور اُن کے سوا کوئی نہیں ہے بالکل ممتنع ہے۔

دوسرے یہ کہ آیا علی صدیق ہیں یا نہیں اگر صدیق نہیں ہیں تو اُنکے مقابلہ میں ابوبکر کا صدیق ہونا صاف ظاہر ہے۔ پس صادق الصدیق کے ساتھ ہونا اُس صادق کے ساتھ ہونے سے اولیٰ ہے جو صدیق نہیں ہے اور اگر علی صدیق ہیں تو عمر اور عثمان بھی صدیق ہیں اس وقت چاروں صدیق ہوئے۔ لہذا علی کے نہ صدیق ہونے میں کوئی خصوصیت رہی اور نہ صادق ہونے میں۔ پس تین خلفاء کو چھوڑ کے ایک کے ساتھ ہونا معین نہ ہوا بلکہ اگر ہم تعارض بھی مان لیں تو بھی ایک سے تین کا ہونا اولےٰ ہے کیونکہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں۔ خاصکر اس صورت میں کہ وہ صدق میں بھی کامل ہیں۔

تیسرے یہ آیت کعب بن مالک کے قصے میں نازل ہوئی ہے جب وہ غزوہ تبوک سے رہگئے اور جب اسکی تحقیق ہوئی تو اُنھوں نے خود ہی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سچ سچ کہدیا کہ جو جرم مجھپر لگایا گیا ہے میں نہ کچھ اسکی صفائی کرتا ہوں نہ مجھے کچھ عذر ہے اس راست بازی اور حق گوئی پر خداوند تعالیٰ نے اُن کا قصور معاف کر دیا بعض نے اُنھیں رائے دی تھی کہ یہ جرم سخت ہے ممکن ہے کہ تمھیں کوئی شدید سزا دی جائے لہذا تم کچھ نہ کچھ عذر کر کے اپنی جان بچا لینا کعب نے کہا یہ کبھی نہیں ہونے کا کہ حضور انور کی خدمت میں مَیں حاضر ہوں اور عذر گناہ بدتر از گناہ کا مرتکب بنوں۔ صحاح ستہ۔ اسانید۔ کتب تفسیر اور کتب سیر غرض سب میں ثابت ہے اور اسی پر سب کا اتفاق ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اس قصے میں حضرت علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

کعب بن مالک خود کہا کرتے تھے کہ میرا قصور معاف ہونے کے بعد سب سے پہلے میرے پاس طلحہ یہ خوشخبری لائے اور مارے خوشی کے مجھے لپٹ گئے خدا کی قسم مہاجرین میں سے طلحہ کے سوا میرے پاس کوئی نہیں آیا طلحہ کے اس احسان کو کعب تمام عمر نہیں بھولے جب یہ معاملہ اسطرح روشنی میں آگیا اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھد یا گیا تو پھر اس آیت کا حضرت علی پر عمل کرنا یقیناً باطل ہوگیا۔

چوتھے یقیناً اور بلا شک یہ آیت کعب ہی کے قصہ میں نازل ہوئی ہے۔ سوائے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جسے معصوم کہا جائے نہ علی نہ اور کوئی پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالے نے فقط صادقین کے ساتھ ہونا مراد لیا ہے اُن کے معصوم ہونے کو شرط نہیں ٹھیرایا۔

پانچویں یہ کہ اللہ تعالے نے مع الصادقین فرمایا ہے اور یہ جمع کا صیغہ ہے علی فرد واحد ہیں لہذا یہ اکیلے اس سے مراد نہیں ہو سکتے۔

چھٹے یہ کہ آیت مع الصادقین سے یا تو یہ مراد ہے کہ تم صدق میں اُن کے ساتھ رہو یعنی سچ بولو جیسا کہ صادق آدمی سچ بولتے ہیں اور جھوٹوں کے ساتھ نہ ہو یا یہ مراد ہے کہ کل مباحات مثلاً کھانے پینے پہننے وغیرہ میں تم صادقین کے ساتھ رہو اگرچہ سچ بولنے سے اُسے کچھ تعلق نہ ہو مگر یہ آخرالذکر معنے باطل ہیں کیونکہ ان سب مباحات میں صادقین کے ساتھ رہنا انسان پر واجب نہیں ہے۔ ہاں پہلے معنی یقیناً صحیح ہیں اور جب وہ صحیح ہوئے تو یہ امر کسی معین شخص کے ساتھ ہونے کا نہ ہوا بلکہ اس سے مقصود یہ نکلا کہ تم سچ بولو جھوٹ نہ بولو جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علیکم بالصدق فان الصدق یھدی الی البر الی آخرہ"

ساتویں یہ کہ اللہ نے ہمیں سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ اُس کے ساتھ ہو جس کا سچا ہونا تمھیں معلوم ہو۔

آٹھویں اگر ہم مان بھی لیں کہ اس آیت سے وہی شخص مراد ہے جس کا سچا ہونا ہمیں معلوم ہے تو ہم اسکا یہ جواب دیتے ہیں کہ ابو بکر عثمان وغیرہ اس قسم کے آدمی ہیں کہ اُن کا سچا ہونا کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے اور یہ بھی کہ اُنھوں نے جان کے کبھی جھوٹ نہیں بولا چونکہ ہم انھیں معصوم نہیں سمجھتے۔ اس لیئے ہم اس بات کے قائل ہیں کہ ان سے کوئی خطا ہو جانی یا کوئی گناہ سرزد ہو جانا جائز ہے۔ اب سنئے ایسے شخص کے حق میں جو ایک دفعہ جھوٹ بول چکا ہو علماء کے دو قول ہیں ایک

قول تو یہ ہے کہ ایسے گواہ کی گواہی قبول نہ کی جائے گی امام احمد کا بھی یہی قول ہے اور اس بارے میں ایک مرسل حدیث بھی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایسے شخص کی گواہی قبول کرلی جائیگی ہم یقیناً جانتے ہیں کہ راشدین صحابہ نے حضورِ انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر جان کے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہم اپنے ایمان سے اس بات کی شہادت دیتے ہیں اور ہم نے اسے اچھی طرح تحقیق کرلیا ہے کہ تمام عمر ان صحابہ میں سے کسی صحابی نے بھی جان کے جھوٹ نہیں بولا یہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ جھوٹ نہ ہونے کا ہم اسی شخص پر یقین کریں جسکا مطلقاً معصوم ہونا ہمیں معلوم ہوجائے کچھ مسلمانوں ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اور قوموں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں کہ جب تم اُنھیں آزما کے دیکھو گے تو تمھیں یقین ہو جائیگا کہ واقعی یہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی قسم کا گناہ اُن سے سرزد ہو جاتا ہو ایسے شخص کو ہم کبھی معصوم نہیں کہہ سکتے ساتھ ہی ہم یہ بھی نہیں تسلیم کرتے کہ جو شخص معصوم نہیں ہے وہ جانکر جھوٹ بول سکتا ہے۔ یہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ جو شخص جان کے جھوٹ بولتا ہے اُس سے زیادہ ذلیل اور بدتر آدمی کوئی نہیں ہے صحابہ کی شان ایسے شخص سے بہت ارفع واعلیٰ ہے نہ صرف مُسلمانوں نے بلکہ غیر قوموں نے یہانتک کہ اُن کے دشمنوں نے بھی اُن کی صداقت کی شہادت دی ہے۔ موجودہ زمانہ کا کوئی یورپی مورخ و محقق ایسا نہیں ہے جس نے صحابہ میں سے کسی صحابی کو بھی جھوٹا کہا ہو صحابہ تو صحابہ علماء دین میں سے امام مالک۔ شعبہ۔ یحیےٰ بن سعید۔ ثوری۔ امام شافعی اور امام احمد وغیرہ ایسے لوگ ہیں کہ اُنھوں نے اپنی عمر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

نویں اگر بفرض محال ہم مان بھی لیں کہ اس آیت سے معصوم ہی مراد ہے تو ہم اسپر اجماع ہونے کو تسلیم نہیں کرتے کہ علی کے سوا اور کوئی معصوم نہیں ہے ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جو اپنے پیروں اور مرشدوں کے بارے میں اسی معنی کا دعوےٰ کرتے ہیں اگرچہ اُنھوں نے اس عبارت اور لفظوں کو بدلدیا ساتھ ہی ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ علی میں فقط عصمت ہے اور ان میں نہیں ہے اگر علی میں عصمت ہے تو یقیناً اُن میں بھی ہے اور اگر نہیں ہے تو کسی میں بھی نہیں ہے۔

کسی کو معصوم قرار دیدینا یہ بالکل ایک ڈھکوسلا سا ہے ہم تو سوائے حضورِ انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی کو معصوم نہیں مانتے اور ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ تمام دنیا ملکے بھی سوائے

حضور انور کے کسی کو بھی معصوم ثابت نہیں کر سکتی۔

شیعی علماء کی چھتیسویں ۳۶ برہان

(بقول شیعی علماء) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "وارکعوا مع الراکعین" یعنی رکوع کرنے والوں کے ساتھ تم (بھی) رکوع کیا کرو (شیعی علماء فرماتے ہیں) ابو نعیم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور علی کے حق میں نازل ہوئی تھی سب سے پہلے ان ہی دونوں نے نماز پڑھی تھی چونکہ یہ علی کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے لہذا انکی امامت کی دلیل ہوگئی

جواب

اول ہم اس روایت کی صحت تسلیم نہیں کرتے نہ شیعی علماء نے کہیں کسی جگہ اسکے صحیح ہونے کی کوئی دلیل بیان کی ہے۔

دوسرے اسپر تمام علماء محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ روایت بالکل جھوٹ اور موضوع ہے۔

تیسرے یہ آیت سورۂ بقر میں ہے اور یہ سورہ باتفاق تمام مسلمانوں کے مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس وقت نماز پڑھنے والے اور رکوع کرنے والے بہت ہو گئے تھے اگر یہ آیت شروع اسلام میں نازل ہوتی تو اس وقت شاید کوئی یہ کہہ سکتا کہ یہ اُسی کے ساتھ مختص ہے جس نے سب سے پہلے نماز پڑھی اور رکوع کیا۔

چوتھے مع الراکعین جمع کا صیغہ ہے۔ اگر اس سے حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مراد ہوتے تو جمع کی جگہ تثنیہ کا صیغہ لایا جاتا۔ جمع کے صیغہ سے باتفاق سب لوگوں کے فقط دو آدمی مراد نہیں ہوتے بلکہ تین اور تین سے بھی زیادہ مراد ہوتے ہیں۔ لہذا جمع کے صیغہ سے فقط دو آدمی مراد لینا اجماع کے بالکل خلاف ہے۔

پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مریم سے فرمایا تھا۔ اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین مریم اسلام کے ظہور سے پہلے تھیں پس اُس وقت رکوع کرنے والوں میں حضرت علی کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ رکوع کرنے والوں میں صرف حضرت علی کی خصوصیت کرنی کیسی لغو اور دور از کار بات ہے۔

چھٹے۔ یہ آیت مطلق ہے اسمیں کسی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کو حکم ہے کہ وہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھا کرے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ اس سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مراد ہے کیونکہ جب تک آدمی رکوع میں نہ مل جائے اُسے رکعت نہیں ملتی۔

ساتویں۔ اگر اس آیت میں حضور انور اور حضرت علی ہی کے ساتھ رکوع کرنا مراد ہے تو ان دونوں کی وفات سے رکوع کرنے اور نماز پڑھنے کا حکم یقیناً ساقط ہو گیا پس اب رکوع کرنے والوں کے ساتھ کسی کو رکوع کرنا اور نماز با جماعت پڑھنا ہی لاحاصل ہے اور یہ بالاتفاق باطل ہے۔

آٹھویں۔ شیعی علما کا یہ کہنا کہ سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علی ہی نے سجدہ کیا بالکل غلط اور محض لغو ہے۔ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ سب سے پہلے ابوبکر صدیق نے نماز پڑھی ہے۔

نویں۔ اگر حضور انور کے ساتھ نماز پڑھنے کا یہ حکم ہے تو پھر بھی یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ جس نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی ہو وہی امام ہو جائے۔ کیونکہ حضرت علی حضور انور کی موجودگی میں امام نہیں تھے باوجودیکہ آپ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔

شیعی علماء کی سینتیسویں برہان

(بقول شیعی علماء) خداوند تعالےٰ فرماتا ہے واجعل لی وزیرا من اھلی یعنی میرا ایک وزیر میرے گھر والوں میں سے کردے۔

ابونعیم نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں ہم مکے میں تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا اور علی کا ہاتھ پکڑا اور ہمیں چار رکعت پڑھائیں اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کے یہ دعا کی آلہی موسیٰ ابن عمران نے تجھسے یہ دعا کی تھی اور میں بحیثیت تیرے نبی ہونے کے تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ موسیٰ کی طرح میرا بھی شرح صدر کردے اور میری زبان کی لکنت دور کردے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھیں اور میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی علی ابن ابو طالب کو میرا وزیر کردے اور اُسے میرا قوت بازو بنادے اور میرے کام میں اُسے شریک کردے۔

ابن عباس کہتے ہیں میں نے ایک منادی سے سنا وہ پکار پکار کے یہ کہہ رہا تھا کہ اے محمدؐ

تمھاری دعا قبول ہوگئی اور یہ اس بارے میں نص ہے۔

جواب

اوّل اس روایت کی صحت کا مطالبہ کیا جاتا ہے مگر ہمیں یقین ہے کہ تمام ہندوستان کے شیعی علمار اس روایت کی صحت کا ثبوت نہیں دے سکتے۔

دوسرے باتفاق تمام محدثین کے یہ روایت بالکل جھوٹ اور موضوع ہے بلکہ محدثین اس بات کو یقیناً جانتے ہیں کہ یہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر صریح بہتان ہے۔

تیسرے ابن عباس اُسوقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ہجرت کیوقت ابن عباس کی عمر صرف پانچ برس کی تھی اور آپکی وفات پر ابن عباس بالغ بھی نہیں ہوئے تھے پھر خیال کرنے کی جگہ ہے کہ نہ صرف حضور انور پر بلکہ خود ابن عباس پر کتنا بڑا طوفان اُٹھایا گیا ہے ہم شیعی علمار کی اس غیر معمولی واقفیت اور علمیت کے قائل ہیں یہ اُن کی جرات ہے کہ جس خانے میں ایک بال کا بھی گزر مشکل سے ہو وہاں یہ اپنی زبانی جمع خرچ سے کئی سو اونٹوں کی قطار نکالنے کے لیئے تیار ہو جاتے ہیں بھلا خیال تو کیجئے کہ چند مہینے یا دو تین برس کا بچہ نہ جسے بات کرنے کی تمیز ہو نہ وہ وضو کرنا جانے نہ نماز پڑھنے کے قابل ہو اُسکی بنسبت کس بے باکی اور دلیری سے یہ بیان کیا گیا ہی کہ اُسنے حضور انور کے ساتھ نماز پڑھی اور کسی آواز دینے والے کی آسمانی آواز بھی اُسکے کان میں آگئی اور وہ آواز نہ حضور انور نے سنی نہ حضرت علی نے بلکہ اس چند ماہ کے بچے نے سُن لی اور بڑی عمر میں جاکے اُس نے اس بات کی شہادت بھی دیدی۔ حضرت علی اور اُنکے چچا حضرت عباس میں معمولی معمولی باتوں میں جھگڑے ہوا کرتے تھے یہانتک کہ ایک دفعہ دونوں جھگڑا کرتے ہوئے حضرت فاروق اعظم کے پاس گئے اور دونوں کی خوب تیز م تازہ ہونے لگی جسکے متعلق بخاری نے لفظ سبّ یعنی دشنام تحریر کیا ہے۔ اسوقت یہ ابن عباس کہاں تھے کہ اُنھوں نے اپنے باوا کو یہ نہ سمجھایا کہ علی کی وزارت کے بارے میں حضور انور نے دعا مانگی تھی اور میں آسمانی آواز سُن چکا ہوں کہ وہ دعا قبول ہوگئی پھر تم ایسے شخص سے کیوں جھگڑتے ہو۔

جو شریعت حضور انور نے دنیا میں قائم کی اُسکی بنا یقیناً عقل پر رکھی گئی ہے ایسی چھوٹی عمر کے بچوں کو شریعت اسلام نے مطلق وضو اور نماز کی تکلیف نہیں دی ہے۔ جیسا کہ خود حضور انور نے

ارشاد کیا ہے ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں۔

مروھم بالصلوٰۃ بسبع واضربوھم علیہا لعشر وفرقوا بینھم فی المضاجع یعنی بچوں سے سات برس کی عمر میں نماز پڑھنے کو کہا کرو اور دس برس کی عمر میں انھیں مار کے نماز پڑھوایا کرو اور اس عمر میں اُنھیں علیحدہ سُلانے لگا کرو۔

ادھر تو حضور انور کا یہ قول اور اُدھر آپ برس چھ مہینے کے بچے کو بشرطیکہ اُسوقت ابن عباس پیدا ہوئے ہوں نماز پڑھانے اُنگلی پکڑ کے لے گئے کتنا خلاف قیاس اور بیہودہ امر ہے۔

چوتھے یہ کہ آیت انما ولیکم اللہ درسولہ کے بارے میں شیعی علماء پہلے یہ کہہ چکے ہیں کہ یہ دعا حضور انور نے مدینہ میں کی تھی اور یہاں یہ کہدیا کہ یہ دعا مدینہ کے واقعہ سے کئی سال پہلے مکے میں کی تھی کیونکہ یہ آیت سورہٗ مائدہ میں ہے اور سورہٗ مائدہ سارے کلام الٰہی کے بعد نازل ہوئی ہے پس اگر یہ دعا آپ مکے میں کر چکے تھے اور وہ قبول بھی ہوگئی تھی تو اس سے کئی سال بعد مدینہ منورہ میں آپکو اس دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی سچ ہے۔

دروغ گو را حافظہ نباشد

پانچویں یہ کہ اسکے بطلان کی ہم پہلے کئی دلیلیں اوپر بیان کر چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں کہ اس کلام کا حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر بہت سی دلیلوں سے بہتان اور جھوٹ ہونا ثابت ہو چکا ہے لیکن یہاں شیعی علما کی جدت پسندی نے اور کئی باتوں کی زیادتی کردی ہے جو پہلے نہیں تھیں منجملہ اُنکے ایک یہ ہے کہ اُنکے خیال میں حضور انور نے یہ بھی فرمایا تھا کہ علی کو میرے کام میں میرا شریک کردے یعنی اُس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوگیا کہ شیعی علما حضرت علی کو حضور انور کے کام یعنی نبوت میں شریک کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ ہارون موسیٰ کے شریک تھے تعجب یہ ہے کہ اس قسم کا عقیدہ امامیہ کا تو ہرگز نہیں ہوسکتا پھر شیعی علما نے کسطرح اُسے اپنا عقیدہ بنالیا یہ تو غالیہ فرقے کے لوگوں کا قول ہے مگر برخلاف اسکے شیعی علماء نے اُسے نص قرار دیا ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

نہ اُنھیں غالیہ بنتے دیر لگتی ہے اور نہ کچھ اور بنتے جو جی میں آیا کہہ گئے جو چاہا لکھدیا۔

شیعی علماء کی اڑتیسویں ۳۸ برہان

(بقول شیعی علماء) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ،، اخوانا علی سرر متقابلین ،، یعنی تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بھائیوں کی طرح بیٹھے ہوئے ہونگے۔

اسپر شیعی علماء گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ مسند امام احمد میں سند کیساتھ زید بن ابی اوفیٰ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آپکی مسجد میں گیا۔ زید نے آنحضرت کے بھائی چارہ کرانے کا قصہ بیان کیا اور کہا علی نے رسول اللہ سے یہ عرض کیا جس وقت یا رسول اللہ آپ نے اپنے صحابہ پر یہ احسان کیا تو مارے رنج کے میں دوہرا ہو گیا اور میری جان نکل گئی اور میری کمر ٹوٹ گئی کہ اس سے صرف میں ہی کیوں محروم کر دیا گیا۔

اب اگر یہ بات اللہ کی ناراضی کی وجہ سے ہے تو عقبیٰ اور کرامت آپ کے لیئے ہی اور میں کسی قابل بھی نہیں رہا اس پر رسول اللہ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جسنے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کے بھیجا کہ تمھیں تو میں نے اپنے لیئے پسند کیا ہے پس تم میرے حق میں ایسے ہو جیسا کہ موسیٰ کے حق میں ہارون تھے ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور تم میرے بھائی میرے وارث ہو تم میرے ساتھ اور میرے لخت جگر فاطمہ زہراء کے ساتھ بہشت میں میرے محل میں رہو گے تم تو میرے بھائی اور میرے رفیق ہو اور پھر رسول اللہ نے مذکورہ آیۃ پڑھی۔ فقط

اسکے بعد شیعی علماء یوں موتی پروتے ہیں کہ بھائی چارہ مناسبت اور مشاکلت کو چاہتا ہے۔ پس جب رسول اللہ کے بھائی چارہ میں علی مخصوص ہو گئے تو وہی امام ہوئے۔ فقط

جواب

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا جواب کیا دیا جائے۔ عجب قسم کی روایت ہے جو خود اپنے کذب کی شہادت دے رہی ہے۔ واللہ باللہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت حملہ کیا گیا ہے اور بہتان عظیم باندھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسند امام احمد میں جسکے سر یہ روایت منڈھی گئی ہے۔ کہیں پتہ بھی نہیں مثل گزشتہ مذکورہ روایتوں کے یہ روایت بھی قطیعی کی زیادات میں سے ہے جتنی روایتیں اس نیک نہاد قطیعی نے لکھی ہیں ان کے جھوٹ اور موضوع ہونے پر تمام

علماء کا اتفاق ہے مگر اور تماشہ دیکھئے کہ اس جھوٹی روایت کو بھی شیعی علماء نے پورا نقل نہیں کیا اور اس کا ایک ٹکڑا عمداً قلم انداز کردیا۔ مثلاً اس قول کے بعد کہ تم میرے بھائی اور میرے وارث ہو یہ بھی ہے کہ علی نے رسول اللہ سے دریافت کیا یا رسول اللہ میں آپکی کس چیز کا وارث ہونگا آپ نے فرمایا جس چیز کے مجھسے پہلے انبیا کے وارث ہوئے ہیں پوچھا وہ کس چیز کے وارث ہوئے تھے رسول اللہ نے فرمایا اللہ کی کتاب اور نبی کی سنت کے۔ اب یہ کتر بیونت سمجھ لیجئے کہ کیوں کیگئی اور بیچاری جھوٹی روایت کو بھی پوری نقل کردینے کی ہمت نہوئی۔ یہ مذہب ہے اور یہ اسکی بنا ہے۔

دوسرے یہ کہ جتنی حدیثیں مہاجرین میں بھائی چارہ ہونے یا انصار میں بھائی چارہ ہونے کی آئی ہیں وہ سب غلط اور بالکل جھوٹ ہیں۔ مہاجرین کا مہاجرین سے کبھی بھائی چارہ نہیں کرایا گیا اور نہ انصار کا انصار سے۔ اسیطرح حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی علی سے بھائی چارہ نہیں کیا اور نہ ابو بکر و عمر میں بھائی چارہ کرایا گیا۔ ہاں مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ کرایا گیا تھا جیساکہ عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن ربیع میں تھا۔ یا سلمان فارسی اور ابو درداء میں تھا یا علی اور سہل بن حنیف میں تھا اور یہ بھائی چارہ بنی النجار کے محلہ میں ہوا تھا نہ کہ مسجد نبوی میں جیساکہ اس موضوع حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

تیسرے یہ کہ اس روایت میں بقول شیعی علماء رسول اللہ کا علی سے یہ فرمانا کہ تم میرے بھائی اور میرے وارث ہو اہل سنت اور اہل شیعہ دونوں کے نزدیک باطل اور بے معنی ہے کیونکہ اگر اس سے مال کی میراث مراد ہے تو پھر شیعی علماء کا یہ قول غلط ہو گیا کہ رسول اللہ کی فاطمہ زہراء وارث تھیں۔ اسکے علاوہ چچا کا بیٹا۔ چچا یعنی عباس کے ہوتے ہوئے کیونکر وارث ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ کہ چچا کے اور بیٹوں کو چھوڑ کے جو سب کے سب ایک ہی درجہ کے ہیں فقط ایک کے مخصوص ہونے کی کیا وجہ ہے۔

اور اگر اس میراث سے علم اور ولایت کی میراث مراد ہے۔ تو پھر آیۃ "وورث سلیمان داود اور ھب لی من لدنک ولیا یرثنی" سے شیعی علماء کا حجت کرنا باطل ہو گیا کیونکہ جب وراثت کے لفظ میں ان دونوں معنی کا احتمال ہے کہ خواہ مال کا وارث ہو یا علم اور ولایت کا تو ہو سکتا ہے کہ سلیمان بھی داود کے ایسے ہی وارث ہوئے ہوں جیسے علی محمد رسول اللہ کے وارث ہوئے

تھے - اب رہے ہم مسلمان تو ہم یقیناً اس امر کو جانتے ہیں کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی میراث علی کے ساتھ مخصوص نہیں تھی بلکہ اس میں سے آپ کے ہر صحابی کو اس کے موافق حصہ ملا ہے - علم مثل مال کے نہیں ہے کہ اس کا ایک وارث ہونے کے بعد جبتک وہ موجود ہو یا خود کسی کو اپنا وارث قرار دے دوسرا ہو ہی نہ سکے اس کے مقابلہ میں ایک ہی وقت میں ایک ہی علم کے کئی کئی وارث ہو سکتے ہیں اور وہ سب آپس میں ایک دوسرے کے مزاحم نہیں ہوتے کیونکہ یہ بدیہی امر ہے کہ جس چیز کو ایک جانتا ہو اُسکو دوسرا بھی جانے -

پانچویں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کے سوا اوروں کو بھی بھائی فرمایا ہے جیسا کہ صحیحین میں ہے آپنے زید سے فرمایا تھا کہ تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولیٰ ہو اور جب حضور انور نے ابو بکر کی صاحبزادی سے پیغام بھیجا تو ابو بکر نے حضور انور سے کہا کہ کیا آپ میرے بھائی نہیں ہیں - حضور نے فرمایا کہ میں تمہارا بھائی بیشک ہوں لیکن تمھاری لڑکی میرے لیئے حلال ہے - صحیح میں دوسری جگہ آیا ہے کہ آپ نے ابو بکر کی نسبت فرمایا تھا "ولکن اخوۃ الاسلام" خداوند تعالٰے اپنے کلام میں خود فرماتا ہے "انما المؤمنون اخوۃ" اسیطرح حضور انور نے بھی ارشاد کیا ہے "المسلم اخوۃ المسلم لا یظلمہ" یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے لہذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کرے -

پھر فرمایا کہ "والذی نفسی بیدہ لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ من الخیر ما یحب لنفسہ" یعنی قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم میں کوئی مومن نہیں ہوتا جبتک کہ وہ اپنے بھائی کے لیئے ویسی ہی بھلائی نہ پسند کرے جیسی کہ اپنے لیئے پسند کرتا ہے -

ان کے علاوہ اسی قسم کی اور بھی بہت سی حدیثیں صحاح میں موجود ہیں - جب یہ بات ہی تو معلوم ہوا کہ بھائی چارہ میں ہر طرح سے تماثل - مناسبت اور مشاکلت ہونی ضروری نہیں - جب یہ ثابت ہوگیا تو اب حضرت علی سے بھائی چارہ ہونا صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ بات آپ کی امامت اور افضلیت کی دلیل نہیں ہوسکتی -

صحاح میں حضور انور علیہ السلام سے مختلف طریقوں سے ثابت ہے - آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میں روئے زمین کے لوگوں میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو ضرور خلیل بناتا - اِس حدیث سے صاف

طور پر پایا جاتا ہے کہ ابوبکر کی وہ خصوصیتیں ہیں جن میں ان کا کوئی شریک اور برابر نہیں اور ساتھ ہی یہ پایا جاتا ہے کہ روئے زمین کے سب لوگوں سے زیادہ حضور انور کو ابوبکر سے محبت تھی آپ کے نزدیک اُنسے بڑھکے کسی کا مرتبہ نہ تھا نہ اُن سے زیادہ حضور انور کو کسی سے خصوصیت تھی۔

ان حدیثوں کے صحیح ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے انھیں سبنے تسلیم کرلیا اور کسی نے بھی ان میں قدح نہیں کی۔ اس سے کبھی بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ ابوبکر سے حضور انور کو بہت ہی محبت تھی اور اتنی کیا بلکہ اس کا سواں حصہ بھی علی سے نہیں تھی۔ نہ صرف علی سے بلکہ اوروں سے بھی ابوبکر کا مرتبہ حضور انور کی نظر میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ اسّی آدمیوں سے زیادہ نے خود حضرت علی سے روایت کی ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ "خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر" یعنی اس اُمت اِس نبی کے بعد سب سے بہتر اور افضل ابوبکر ہیں اور اُن کے بعد عمر ہیں۔

یہ روایت بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت علی سے نقل کی ہے اور یہ بھی بات یوں ہی ایسا ہی سمجھنا حضرت علی کو شایاں بھی تھا کیونکہ وہ ابوبکر و عمر کے حق سے سب صحابہ سے زیادہ واقف تھے اور اسلام میں ان کا اعلیٰ مرتبہ ہونے اور دین میں اُن کی تاثیر ہونے کو خوب جانتے تھے یہانتک کہ وہ اس امر کی تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش میں بھی عمر جیسے عمل لے کے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں ترمذی وغیرہ نے حضرت علی کی زبانی حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا "ھذان سیدا اھل الجنۃ من الاولین والاخرین لا تخبرھما یا علی" اس حدیث اور اس جیسی اور حدیثوں سے بھائی چارہ ہونے کی حدیثوں کا مقابلہ کیا جائے تو باتفاق سب مسلمانوں کے یہی زیادہ صحیح ہیں۔

اس اُمت کے تمام علما اور تمام نیک بندے جو لسان الصدق رکھتے ہیں وہ سب کے سب ابوبکر و عمر کے مقدم ہونے پر متفق ہیں جیسا کہ امام شافعی نے اُسکی بابت امام بیہقی سے باسناد نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر کو تمام صحابہ سے افضل اور مقدم سمجھنے میں صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ اسیطرح علمائے اسلام میں سے بھی اس معاملہ میں کوئی اختلافی رائے نہیں رکھتا۔ چنانچہ امام مالک اور اُن کے تمام شاگرد امام ابوحنیفہ اور اُنکے تمام شاگرد۔ امام احمد اور اُنکے تمام شاگرد۔ داؤد اور اُنکے تمام شاگرد۔ ثوری اور اُنکے تمام شاگرد۔ لیث اور اُنکے تمام شاگرد۔ اوزاعی اور اُنکے تمام شاگرد۔ اسحٰق اور اُنکے تمام شاگرد۔ ابن جریر اور اُنکے تمام شاگرد۔ ابوثور اور اُنکے

تمام شاگردوں کا یہی قول ہے اور یہی تمام مشہور علمار کا قول ہے سوائے ایک ایسے شخص کے جسکے قول پر نہ کوئی اعتماد کرتا ہے نہ اسکی طرف کوئی التفات کرتا ہے جہانتک ہمیں معلوم ہے اہل فتاوٰی میں بھی کوئی نزاع نہیں ہے سوائے حسن بن صالح بن حسی کے کہتے ہیں کہ وہ حضرت علی کو فضیلت دیا کرتا تھا مگر بعض علمار کا قول ہے کہ حسن پر بہتان اُٹھایا گیا ہے اُسنے کبھی حضرت علی کو فضیلت نہیں دی اسپر بھی اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حسن کا یہی مذہب تھا تو امام شافعی نے جو اس بارے میں اجماع نقل کیا ہے اسمیں اس سے کوئی خرابی نہیں آسکتی کیونکہ حسن بن صالح نہ صحابہ میں سے ہے نہ تابعین میں سے مگر امام شافعی نے ابوبکر کے مقدم اور افضل ہونے پر تمام تابعین اور صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے اس اجماع کے مقابلہ میں حسن کا قول کوئی وقعت نہیں رکھتا کیونکہ ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ اماموں میں سے فقط ایک شخص کوئی غلطی کر بیٹھے تو اس اکیلے کی جم غفیر کے آگے کیا ہستی ہے خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ و تابعین اور علمار اسلام کا اسپر اتفاق ہو چکا ہے کہ ابوبکر عمر اور عثمان علی سے افضل ہیں۔

علمار مدینہ میں سے امام مالک بن انس۔ ابن ابی ذئب۔ عبدالعزیز بن ماجشون وغیرہ۔ امام مالک نے اپنے جمیع اساتذہ سے بہ اجماع نقل کیا ہے کہ وہ ابوبکر و عمر کو مقدم سمجھتے ہیں۔ اسمیں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا اسی طرح علمار مکہ میں سے ابن جریج۔ ابن عیینہ۔ سعید بن سالم اور مسلم بن خالد وغیرہ۔ فقہار کوفہ میں سے امام ابوحنیفہ۔ امام ثوری۔ شریک بن عبداللہ۔ ابن ابی لیلی وغیرہ۔ حالانکہ کوفہ دارالشیعہ ہے۔ لیکن امام ثوری یہانتک کہتے تھے کہ اگر کسی نے علی کو ابوبکر سے مقدم سمجھا تو مجھے ہرگز امید نہیں کہ اسکا کوئی عمل بھی اللہ جلشانہ تک پہونچیگا بلکہ اس کے سب عمل ضائع جائینگے یہ روایت ابوداؤد نے اپنی سنن میں نقل کی ہے۔ اسی طرح علمار بصرہ میں سے حماد بن زید۔ حماد بن سلمہ۔ سعید بن ابی عروبہ وغیرہ اور علمار شام میں سے اوزاعی۔ سعید بن عبدالعزیز وغیرہ اور علمار مصر میں سے لیث۔ عمرو بن حارث ابن وہب پھر عبداللہ بن مبارک۔ وکیع ابن جراح۔ عبدالرحمٰن بن مہدی۔ ابویوسف۔ امام محمد بن حسن۔ امام شافعی۔ امام احمد بن حنبل۔ اسحاق بن ابراہیم۔ ابوعبید۔ بخاری۔ ابوداؤد۔ ابراہیم حربی۔ فضیل بن عیاض۔ ابوسلیمان درانی معروف کرخی۔ سری سقطی۔ جنید بغدادی۔ سہل بن عبداللہ تستری۔ وغیرہ وغیرہ اتنے ائمہ اور فقہا ابوبکر کی افضلیت پر متفق ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ جس طرح یہ ابوبکر و عمر کو مقدم سمجھتے ہیں اسیطرح

ان کی امامت پر انھیں یقین ہے یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ سب کے سب حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور موالاۃ میں اعلے درجہ کے مجتہد ہیں۔

شیعی علمار کی انتالیسویں ۳۹ برہان

(بقول شیعی علمار) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "الست بربکم قالوا بلے جر شهدنا ج ان تقولوا یوم القیامۃ انا کنا عن هذا غافلین" یعنی اور وہ وقت یاد کرو جب تمھارے پروردگار نے بنی آدم (یعنی) اُنکی پشتوں سے اُن کی اولاد کو نکالا اور انھیں اُن کی جانوں پر گواہ بنایا اور اُن سے پوچھا) کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں بولے کہ ہاں ہم (اس پر) گواہ ہیں یہ ہمنے اسلیے کیا تاکہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہو کہ بیشک ہم اس سے غافل تھے۔

(شیعی علمار فرماتے ہیں) ابن فبرویہ نے اپنی کتاب الفردوس میں حذیفہ بن یمان سے مرفوعاً روایت کی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ علی کا نام امیر المومنین کب رکھا گیا ہے تو وہ علی کی فضیلت کا انکار نہ کریں ان کا نام امیر المومنین اُسوقت رکھا گیا تھا جب آدم روح اور رحم کے درمیان تھے۔ جب مذکورہ آیت پڑھی گئی تو فرشتے بولے ہاں ہم بھی گواہ ہیں اللہ پاک نے فرمایا یاد رکھو میں تمھارا پروردگار ہوں اور محمد تمھارے نبی ہیں اور علی تمھارے امیر ہیں اور یہ اس بارے میں صریح ہے۔

جواب

اول یہ روایت صحیح نہیں ہے اور اس پر سب محدثین کا اجماع ہے کہ فقط صاحب فردوس کا روایت کرنا اس امر کی کبھی دلیل نہیں ہوسکتی کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ ابن شیرویہ دیلمی ہمدانی نے اس کتاب میں بہت سی حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں سے بعض صحیح ہیں اور اکثر ضعیف و موضوع ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ابن شیرویہ اہل علم اور دین دار تھا مگر اُسے جو روایتیں مختلف کتب میں ملیں انھیں بے کم و کاست بغیر تنقید کے اپنی کتاب میں نقل کر دیا۔ اب رہا کتابوں کا معاملہ ان میں سچ جھوٹ دونوں ہی باتیں ہوتی ہیں۔

دوسرے باتفاق تمام محدثین کے یہ حدیث بالکل جھوٹ اور موضوع ہے۔

تیسرے یہ کہ قرآن میں فقط اتنا ہے "الست بربکم قالوا بلیٰ" اسمیں نہ نبی کا ذکر ہے نہ امیر کا ذکر ہے۔ پھر آگے یہ فرمایا گیا ہے "ان تقولوا انما اشرک اباؤنا من قبل وکنا ذریۃ من بعدھم" یہ اس امر کی صاف دلیل ہے کہ وہ عہد و پیمان خاص توحید ہی کا تھا اس میں نبوت کا بھی عہد نہیں تھا تو بھلا اس سے بھی کم درجہ کا کیونکر ہوتا۔

چوتھے۔ اس روایت کا پتہ نہ مسند۔ سنن میں نہ کتب تفسیر میں کہیں ملتا ہے اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ضرور کوئی نہ کوئی اُسے نقل کرتا۔ صرف ایک ہی شخص پر اس کا انحصار نہ ہوتا۔

پانچویں یہ کہ وہ عہد تو تمام اولاد آدم سے لیا گیا تھا تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نوح سے لیکے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سارے انبیا کے علی امیر المومنین ہوں مگر اس خیال اور عقیدہ کا شخص ہوشمندوں میں نہیں گنا جا سکتا۔ حضرت علی کے پیدا ہونے سے پہلے کل انبیاء (سوائے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے) گزر چکے تھے پھر علی اُن پر امیر کس طرح بن سکتے ہیں۔ ہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ علی اپنے زمانہ کے لوگوں پر امیر ہوں مگر پھر بھی حضور انور پر ان کا امیر بننا شاید کوئی شیعہ صاحب قبول نہ فرمائیں گے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ خلاف عقل کیوں ایسی باتیں بنائی جاتی ہیں جن پر بچے بھی ہنس دے۔

شیعی علماء کی چالیسویں بُرہان

(بقول شیعی علماء) خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المؤمنین والملئکۃ بعد ذٰلک ظھیر" یعنی بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبرئیل اور نیک مسلمان (بھی) اور اس کے بعد فرشتے بھی مددگار ہیں۔

(شیعی علما فرماتے ہیں) حسب مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ نیک مسلمانوں سے مراد علی ہیں ابونعیم نے اسماء بنت عمیس سے مرفوعاً روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے یہ آیۃ پڑھی "وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المؤمنین علی بن ابی طالب۔ اسمیں علی کی خصوصیت اُن کے افضل ہونے کی دلیل ہے لہذا وہی امام ہوئے اور اس بارے میں اور بھی بہت سی آیتیں ہیں مگر ہم نے محض اختصار مد نظر رکھ کے ان ہی مذکورہ

آیتوں پر اکتفا کر لیا ہے فقط

جواب

اول شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سب مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ نیک مسلمانوں سے مراد علی ہیں محض غلط ہے۔ کیونکہ مفسرین کا کبھی اسپر اجماع نہیں ہوا اور نہ علماء تفسیر اور علماء حدیث وغیرہ میں سے کسی نے بھی اس اجماع کو نقل کیا۔ کیا موجودہ شیعی علما فرمائیں گے کہ اس اجماع کا ناقل کون ہے ہم اُسکی خوب تحقیق اور تشریح چاہتے ہیں۔

دوسرے۔ تفسیر کی تمام کتابیں اس روایت کی نقیض سے بھری ہوئی ہیں اور سب نے اس کے خلاف ہی شہادت دی ہے۔ سنیئے ابن مسعود۔ عکرمہ۔ مجاہد اور ضحاک وغیرہ کا یہ قول ہے کہ اس سے مراد ابوبکر اور عمر ہیں۔ اسی قول کو مفسرین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔ جیسے ابن جریر طبری وغیرہ۔ بعض کا یہ قول ہے کہ فقط ابوبکر مراد ہیں۔ اسے مکحول نے ابوامامہ سے روایت کیا ہے بعض کہتے ہیں فقط عمر مراد ہیں یہ قول سعید بن جبیر اور مجاہد کا ہے۔ بعض کہتے ہیں خیار المومنین یعنی نیک مسلمان مراد ہیں یہ قول ربیع بن انس کا ہے بعض کہتے ہیں انبیا مراد ہیں یہ قول قتادہ۔ علاء ابن زیاد اور سفیان کا ہے۔ بعض کہتے ہیں علی مراد ہیں اس قول کو ماوردی نے نقل کیا ہے مگر اس کے قائل کے نام کا مطلق ذکر نہیں کیا۔ شاید شیعی اصحاب میں سے کوئی صاحب ہوں۔

تیسرے علی کی خصوصیت کسی ایسے شخص کے قول سے ثابت نہیں ہوئی جس کا قول حجت ہوتا ہو اور یہ حدیث جو سند اً شیعی علما کی طرف سے پیش ہوئی ہے بالکل جھوٹ اور موضوع ہے۔ شیعی علما نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہاں یہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں بلکہ ثابت کر چکے ہیں کہ فقط ابونعیم کا نقل کرنا صحت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

چوتھے۔ صالح المومنین سے صاف پایا جاتا ہے کہ نیک مسلمان اس سے مراد ہیں جیسا کہ صحیح میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ ان آل ابی فلان لیسوا لی باولیاء انما ولی اللہ وصالح المومنین،، یعنی میرے دوست اور مددگار فلاں کے گھر والے ہی نہیں ہیں بلکہ میرا مددگار تو اللہ اور نیک مسلمان ہیں۔ فقط

دوسرا مقدمہ ختم ہو گیا

ضمیمہ مقدمہ دوم

(شیعی علما فرماتے ہیں) جب یہ آیہ "وانذر عشیرتک الاقربین" (یعنی اے محمد تم اپنے قریبوں اور رشتہ داروں کو ڈراؤ) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کے گھر میں عبدالمطلب کی ساری اولاد کو جمع کیا جن میں چالیس مرد اور دو عورتیں تھیں - رسول اللہ نے اُنھیں کھانا کھلایا - کھانا صرف یہ تھا ایک بکری کا گوشت گیہوں کی کچھ روٹیاں ایک صاع دودہ کا بس کھانا تو فقط اتنا ہی تھا مگر ان لوگوں میں ایک ایک آدمی وہ پرخوراک تھا جو ایک ہی نشست میں سالم بکرا کھا جاتا اور ایک ایک مشک پانی کی پی جاتا (جھوٹ آدمی بولے تو اتنا تو بولے) مگر رسول اللہ کا وہ تھوڑا سا کھانا سب کو کفایت کر گیا اور سب نے سیر ہو کے کھایا - کھانے میں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اُنھوں نے کیا کھایا ہے یعنی کھانا جسقدر تھا اُسیقدر موجود تھا اور اصل کھانے میں سے ایک ماشہ برابر بھی کم نہیں ہوا تھا - یہ دیکھہ کے سب آدمی حیران رہگئے اور اُنھیں معلوم ہو گیا کہ محمد اپنی نبوت میں بالکل سچے ہیں - کھانا کھا پی لینے کے بعد رسول اللہ نے فرمایا ای عبدالمطلب کی اولاد مجھے اللہ نے پیغمبر بنا کے ساری خلقت کیطرف بھیجا ہے مگر تمھاری طرف مجھے خصوصیت کے ساتھ بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اے محمد تم اپنے قریبوں اور رشتہ داروں کو ڈراؤ اس لیئے میں تمھیں ایسے دو کلموں کی ہدایت کرتا ہوں جو زبان سے کہنے میں تو بہت آسان ہیں اور ثواب کی رو سے میزان عمل میں بہت وزنی ہیں - ان دو کلموں کی برکت سے تم سارے عجم و عرب کے مالک ہو جاؤگے اور ساری خلقت تمھاری تابع فرمان بنجائیگی اُن ہی کی برکت سے تم جنت میں چلے جاؤگے اور دوزخ سے بچ جاؤگے - وہ دو کلمے یہ ہیں اول اس امر کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا سچا رسول ہوں پس جو شخص میرے اس کہنے کو تسلیم کر لیگا اور دل و جان سے مان لیگا اور اسپر قایم رہیگا اور مجھ سے عہد کر لیگا وہی میرا بھائی میرا وزیر میرا وصی میرا وارث اور میرے بعد میرا خلیفہ ہے (یہ کہہ کے آپ خاموش ہو رہے اور جواب کے منتظر ہوئے) مگر کسی نے بھی اسکا جواب نہ دیا لیکن امیرالمومنین علی نے فرمایا یا رسول اللہ اس کا میں آپسے عہد کرتا ہوں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا بیٹھ جاؤ - دوبارہ رسول اللہ نے عبدالمطلب کی

اولاد سے پھر اسیطرح فرمایا اور اُنھوں نے پھر بھی خاموشی سے جواب دیا مگر اسیطرح علی کھڑے ہوئے اور اُنھوں نے اپنے پہلے جملے دوہرائے۔ تیسری بار بھی حضور نبوی سے وہی ارشاد ہوا اور اس کے جواب میں بھی سکوت سے کام لیا گیا ہاں حضرت علی اپنی اُسی آمادگی سے حامی بھرتے اور تصدیق کرتے رہے۔ تیسری بار حضور انور نے علی سے کہا بس بیٹھ جاؤ تم ہی میرے بھائی ہو تم ہی میرے وزیر ہو تم ہی میرے وصی ہو تم ہی میرے وارث اور تم ہی میرے بعد میرے خلیفہ ہو۔ اس وقت حاضرین نے ابوطالب کو بہت مبارکباد دی فقط (شیعی علمار کا قول ختم ہوگیا)

جواب

اس روایت کے متعلق شیعی علمار کا یہ دعویٰ کہ اُسے سب نے نقل کیا ہی ایک مضحکہ خیز کہانی ہی اول تو یہ کہ اسکی صحت کہیں سے ثابت نہیں ہوتی بہتیرا ٹٹولا ہمیں تو کہیں اسکی صحت کا ضعیف سے ضعیف ثبوت بھی نہیں ملا۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ یہ روایت مسلمانوں کی ان کتابوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے جن سے علم نقل حاصل کیا جاتا ہے نہ صحاح میں نہ مسانید میں نہ سنن میں نہ مغازی میں نہ ایسی تفسیر میں جنکی اسناد قابل حجت ہوں۔ یہ بات دوسری ہے کہ کسی ایسی تفسیر میں سے نکال کے دکھا دی جائے جسنے اندھا دھند الگل بچھو صحیح ضعیف مردود و موضوع روایتیں جمع کردی ہوں اور تحقیق و تنقید سے کچھ تعلق نہ رکھا ہو ایسی تفسیروں کی سرتاج ثعلبی - واحدی اور بغوی کی تفسیریں ہیں بلکہ ایسی بے سروپا تفسیروں میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی تفسیریں بھی شامل کرنی چاہئیں۔ ایسے شاندار مفسروں میں سے اگر کسی فرد واحد نے کوئی بے جوڑ الگل بچھو روایت اپنی تفسیر میں نقل کردی تو کیا اُنکی یہ فرضی نقل علمار کے آگے کوئی حجت ہو سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان منقولات میں صحیح ضعیف دونوں قسم کی روایتیں ہیں تو پھر اس کا ثبوت دینا لازم تھا کہ منقول صحیح قسم سے ہے ضعیف قسم سے نہیں ہے۔

مذکورہ روایت کی بابت یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ثعلبی - بغوی اور ابن جریر کی تفسیروں میں نقل ہوئی ہو مگر تماشہ یہ ہے کہ ان ہی تفسیروں میں جن میں اس روایت کا پتہ لگتا ہے ایسی بہت سی حدیثیں موجود ہیں جو اس روایت کے بالکل مناقض ہیں۔ سب سے بڑا لطف یہ ہے کہ یہ

روایتیں صحیح اسناد سے درج کی گئی ہیں۔ بات اصل یہ ہے کہ کسی آیت کے سبب نزول میں جتنی روایتیں اُنھیں ملتی ہیں خواہ صحیح ہوں ضعیف ہوں موضوع ہوں اُنھیں نقل کر دینے سے کام ہے اسی لیئے ان کی تفسیروں میں متناقض روایتوں کا طومار بے تمیزی موجود ہے۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہی جیسے کوئی ایسے شخص کی گواہی سے حجت کرے جسکا عادل ہونا تو ثابت نہ ہو بلکہ اُلٹا مجروح ہونا ثابت ہو اور بہت سے آدمی اُسکے خلاف گواہی دیں تو اس ایک مجروح آدمی کی گواہی بھلا کب سنی جا سکتی ہے۔

بفرض محال اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ اور عادل ہیں مگر ان کے علاوہ اور ثقہ اور عادل راویوں نے اسکے خلاف روایت کی ہے تو اب ان دونوں روایتوں میں غور کرنا واجب ہے کہ ان میں سے کونسی صحیح اور راجح ہے اور جب تمام علماء نقل کا اس پر اتفاق ہو کہ جو روایتیں اس حدیث کے خلاف ہیں وہی ثابت اور صحیح ہیں تو پھر یہ حدیث کس طرح ماننے کے قابل ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہ حدیث تو اُسکے بھی متناقض ہے جو ائمہ تفسیر سے بذریعہ تواتر معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے اسے کسی حال میں بھی ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ یقیناً باطل ہے۔

دوسرے۔ چونکہ یہ حدیث گھڑی ہوئی اور سراسر جھوٹی ہے اسلیئے کسی نے بھی ان کتابوں میں نقل نہیں کی جو منقولات میں مرجع سمجھی جاتی ہیں۔ ہاں جسے حدیث سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ خوب جان سکتا ہے کہ یہ بے شک جھوٹ ہے۔

بغوی اور ابن جریر نے ایسی اسناد سے روایت کیا ہے جسمیں عبدالغفار بن قاسم بن فہد ابو مریم کوفی راوی ہے۔ اسکے متروک ہونے پر سب کا اجماع ہے۔

سماک بن حرب اور ابو داؤد نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ راوی ثقہ نہیں ہے۔ اسکی اکثر روایت کردہ حدیثیں بالکل باطل ہوتی ہیں یحییٰ کا قول ہے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ابن حبان بستی کا قول ہے کہ یہ عبدالغفار بن قاسم شرابی تھا اور خوب شراب پیا کرتا تھا یہانتک کہ وہ بیخود ہو جاتا تھا اور اپنی اس بیخودی کی حالت میں یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا بھلا ایسے شخص کی حدیث سے حجت کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ اسی لیئے امام احمد اور یحییٰ نے متروک کر دیا تھا۔

اب سُنئے دوسری سند۔ مذکورہ حدیث کو ابن ابی حاتم نے بھی نقل کیا ہے مگر اُنکے ہاں سند میں عبداللہ بن عبدالقدوس راوی پیش کیا گیا ہے خیر سے یہ حضرت بھی ثقہ نہیں ہیں یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے یہ نتھرا نتھرایا پکا چھٹا دودہ کا دھویا امامیہ مذہب رکھتا ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عبدالقدوس ضعیف راوی ہے۔ اب رہے ثعلبی ان کی اسناد تو ان سے بھی زیادہ ضعیف ہیں جنکے ذکر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔

صحیحین میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جب یہ آیۃ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے اور کوہ صفا پر چڑھ کے یہ آواز دی یا صباحاہ لوگ اس آواز کو سُن کے دنگ رہ گئے۔ سب آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ حضور نے ہر ہر خاندان کو پکارا۔ اے بنی فلاں اے بنی عبدمناف اے بنی عبدالمطلب اور ایک روایت میں ہے اے بنی فہر اے بنی عدی اے بنی فلاں۔ غرض کہ قریش کے کل خاندانوں کو۔۔۔ علیحدہ علیحدہ آواز دی اس آواز سے لوگوں کی بھی یہ حالت ہو گئی کہ جو شخص خود نہ آسکا تو اُسنے اپنے بدلہ دوسرے کو بھیجدیا کہ دیکھیں رسول اللہ کیا فرماتے ہیں۔ جس وقت سب جمع ہو گئے تو حضور انور نے فرمایا۔ اے حاضرین یہ بتاؤ کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں سے تمھیں غارت کرنے کے لیئے ایک لشکر آرہا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ اسپر سب یک زبان ہو کے بولے بے شک اے نبی اللہ ہم آپ کو سچا سمجھیں گے کیونکہ ہم بارہا آپ کا تجربہ کر چکے ہیں آپ کی کوئی بات کبھی جھوٹی نہیں ہوئی۔

اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ میں تمھیں ایک شدید عذاب کے آنے اور اس میں مبتلا ہونے سے پہلے ڈراتا ہوں تم اپنا کچھ فکر کر لو کہ بر وقت تمھارا فکر تمھیں دھوکا نہ دے یہ سنتے ہی ابولہب نے نہایت سخت اور کڑا یہ جملہ حضور انور کی نسبت کہا یعنے تیرا بُرا ہو کہ تو نے ہمیں صرف اس بات کے سنانے کے لیئے جمع کیا تھا۔ بس اُسوقت یہ سورۃ نازل ہوئی تبت یدا ابی لھب وتب۔

ایک اور روایت میں ہی کہ آپ نے اس طرح فرمایا تھا "اَے حاضرین یہ بتاؤ کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ صبح شام میں تم پر ایک خوفناک اور زبردست دشمن حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے اور میرا یقین کر لو گے؟ سب بولے کیوں نہیں"

اب اگر شیعی علما یہ فرمانے لگیں کہ ہماری پیش کردہ حدیث کو بھی ثعلبی۔ بغوی اور مغازی

وغیرہ نے نقل کیا ہی تو اُسے کیوں نہ تسلیم کیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ محض اُن لوگوں کا اُسے نقل کر دینا باتفاق تمام محدثین کے بے بنیاد ہے اُن کے نقل کر دینے سے اس حدیث کی صداقت پر کسی طرح سے تمسک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم پہلے کئی بار لکھ چکے ہیں کہ ان لوگوں کی کتابوں میں موضوعات کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور اسپر کل محدثین کا اتفاق ہے۔ ان میں بہت سی ایسی روایتیں بھی ہیں کہ ادلہ یقینیہ سمعیہ اور عقلیہ سے اُن کا جھوٹ اور سراسر جھوٹ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ مانا کہ ثعلبی وغیرہ جان کے جھوٹ بولنے والے نہیں ہیں مگر ان میں نقص یہ ہی کہ کھرے کھوٹے کو نہیں دیکھتے کتابوں میں جو کچھ ملا آنکھ بند کر کے نقل کرتے چلے گئے اور جو کچھ کانوں سے سنا اُسے روایت کی شکل میں نقل کر دیا۔ انھیں حدیثوں کی اسناد میں ایسی مہارت نہیں ہے جیسی ائمہ حدیث۔ شعبہ۔ یحییٰ بن سعید قطان۔ عبدالرحمن بن مہدی۔ احمد بن حنبل۔ علی بن المدینی یحییٰ ابن معین۔ اسحق۔ محمد بن یحییٰ ذہلی۔ بخاری مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابوحاتم۔ ابوزرعہ رزین۔ ابوعبداللہ بن مندہ اور دارقطنی کو ہے۔

ان کے علاوہ اور آئمہ حدیث۔ نقاد حدیث۔ حکام حدیث۔ حفاظ حدیث یعنے وہ لوگ جنھیں حضور انور کے اور ناقلین علم کے احوال سے پوری پوری واقفیت ہے۔

ثعلبی کی تفسیر میں جہاں موضوعات کا ڈھیر لگا ہوا ہے وہاں کہیں کہیں صحیح حدیثیں بھی دکھائی دیتی ہیں مگر اس کی وہ حدیثیں قریب قریب سب موضوع ہی کی قسم میں سے ہیں جو اُس نے ہر ہر سورۃ کے فضائل میں نقل کی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان جمہور میں سے جو خلفائے ثلثہ کی خلافت کا عقیدہ رکھتے ہیں ایک آدمی کا کوئی حدیث روایت کرنا اسے لازم نہیں کرتا کہ وہ جو روایت کرے اُس میں سچائی ہو یا در کھو کھرے کھوٹے کے پہچاننے کے لیئے میزان عدل موجود ہے۔ اُس کے ذریعہ سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جاتا ہے۔

اصول۔ احکام۔ زہد اور فضائل سب میں لوگوں نے بہت سی حدیثیں گھڑ کے حضور انور سے نسبت دیدی ہیں۔ اسی طرح خلفائے اربعہ کے فضائل میں بھی بہت سی حدیثیں بنالی ہیں۔ علی ہذا القیاس امیر معاویہ کے فضائل میں بھی حدیثوں کا اٹم موجود ہے۔ ان میں بعض کا مقصود

فقط یہ ہی کہ اس بارے میں جسقدر بھی روایتیں ہوں سب کو نقل کر دیں۔ ایسی حالت میں اسکی تمیز کیونکر ہو سکتی ہے کہ صحیح کونسی ہیں اور موضوع کونسی ہیں۔ جیسا کہ ابونعیم نے فضائل خلفار میں کیا ہے اسیطرح ابوالفتح بن ابی الفوارس اور ابو علی الاھوازی وغیرہ نے امیر معاویہ کے فضائل میں حدیثیں جمع کر دی ہیں یا جیسا کہ نسائی نے حضرت علی کے فضائل میں حدیثوں کا ڈھیر لگا دیا ہے اسیطرح ابوالقاسم ابن عساکر نے جو حضرت کے فضائل میں حدیثیں جمع کی ہیں وہ بھی سب کی سب جھوٹی ہیں۔ الا ماشار اللہ۔

شیعی علمائکی دوسری حدیث

شیعی علمار گوہرافشانی فرماتے ہیں اور اپنی معلومات دینیہ کا اس طرح اظہار کرتے ہیں کہ جب آیۃ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک۔ نازل ہوئی تو حضور انور نے غدیر خم میں لوگوں کو خطبہ سنایا اور سب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے حاضرین کیا میں تمھارے نزدیک تمھاری جانوں سے بہتر نہیں ہوں سب بول اُٹھے کہ ہاں کیوں نہیں آپ بے شک ایسے ہی ہیں۔ اسوقت آپ نے فرمایا۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ و انصر من نصرہ واخذل من خذلہ۔ یہ سُنتے ہی عمر فاروق کہنے لگا واہ واہ علی اَب تو تم میرے بھی مولا بن گئے اور ہر مسلمان مرد و عورت کے بھی مولا ہو گئے اور یہاں مولا سے مراد وہ شخص ہی جو تصرف کرنے کا سب سے زیادہ حقدار ہو کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الست اولی منکم بانفسکم میں تقوے کا ہونا پہلے معلوم ہو چکا ہی۔

جواب

اس کا جواب نہایت وضاحت سے ہم پہلے دے چکے ہیں جہاں شیعی علمار نے قرآن مجید کی آیتوں سے حضرت علی کی امامت کا استدلال کیا تھا۔ ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ یہ بالکل جھوٹ ہے اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہ آیت حضور انور کے حج کرنے سے بہت عرصے پہلے نازل ہو چکی تھی اور غدیر خم کا واقعہ آپ کے حج سے واپس آنے کے بعد ۱۸ ذی الحجہ کو ہوا ہے اور اسکے بعد آپ صرف کچھ اوپر دو مہینے زندہ رہے۔ اسکی پوری پوری تشریح اس سے ہو جاتی ہی کہ سب کے اخیر میں سورۂ مائدہ کی یہ آیۃ نازل ہوئی ہے "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی" الآیۃ۔ یہ آیۃ ۹ ذی الحجہ کو حجۃ الوداع میں بمقام **عرفہ** نازل ہوئی تھی اُسوقت حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم وقوف عرفہ کر رہے

تھے جیساکہ صحاح اور سنن میں ثابت ہے۔ یہی قول تمام علمائے مفسرین اور محدثین کا ہے۔

اس آیۃ کے نازل ہونے سے نو روز کے بعد جب حضور انور مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو اٹھارہ ذی الحجہ کو غدیر خم کا واقعہ ہوا تھا پس اب کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ بلغ ما انزل الیک من ربک اُسوقت نازل ہوا تھا۔ یہ اُن آیتوں میں سے ہے جو ابتداء میں مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھیں۔ اگرچہ یہ سورۂ مائدہ میں ہے جیساکہ شراب کی حرمت کا حکم بھی سورہ مائدہ میں ہے اور یہ حرمت غزوۂ احد کے بعد اور سب امور سے پہلے ہوئی تھی۔ اسی طرح سورۂ مائدہ میں اہل کتاب کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم ہی فان جاؤک فاحکم بینھم او اعرض عنھم یہ آیۃ یا تو اس حد میں نازل ہوئی تھی کہ جب آپ نے دو یہودیوں کو سنگسار کیا تھا یا بنی قریظہ اور نضیر کے درمیان فیصلہ کرنے میں نازل ہوئی تھی یہودیوں کے سنگسار کرنے کا مقدمہ مدینہ میں سب سے پہلا مقدمہ ہے۔ اسی طرح بنی قریظہ اور نضیر کے درمیان فیصلہ ہے کیونکہ بنی نضیر کو غزوۂ خندق سے پہلے حضور نے جلاوطن کیا تھا اور بنی قریظہ کا معاملہ اس غزوے کے بعد کا ہے۔ غزوۂ خندق باتفاق کل علماء کے حدیبیہ اور فتح خیبر سے پہلے واقع ہوا تھا۔ اور یہ سب واقعات فتح مکہ اور غزوہ حنین سے پہلے کے ہیں اور یہ حجۃ الوداع سے پہلے اور حجۃ الوداع خطبہ غدیر سے پہلے کا وقوعہ ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ سورۂ مائدہ کی کوئی آیۃ غدیر خم کے بعد بھی نازل ہوئی ہی تو یہ کہنے والا باتفاق تمام علماء کے یقیناً جھوٹا اور مفتری ہے۔ اسکے علاوہ خداوند تعالیٰ اپنی پاک کتاب فرقان حمید میں یہ فرماتا ہے یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس (یعنے اے (میرے برگزیدہ) رسول جو کچھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھاری طرف نازل کیا گیا ہے اُسے تم (لوگوں تک) پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تمھیں لوگوں سے بچائے گا۔ فقط

اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے برگزیدہ نبی کے لیئے اس بات کا ضامن ہوگیا ہی کہ جب آپ پیغام پہنچا دینگے تو وہ آپ کو لوگوں سے بچالے گا تاکہ اُسکے باعث آپ اپنے دشمنوں سے مطمئن ہوجائیں۔

اسی وجہ سے یہ روایت ہے کہ اس آیۃ کے نازل ہونے سے پہلے حضور انور اپنی حفاظت

کے لیئے پہرہ رکھتے تھے مگر اسکے نازل ہوتے ہی آپ نے پہرہ اُٹھا دیا۔ یہ حالت تبلیغ پوری ہونے سے پہلے تھی اور حجۃ الوداع میں تبلیغ پوری ہو چکی تھی۔ اسلیئے آپ نے حجۃ الوداع میں فرمایا تھا بولو مَیں تبلیغ احکام پوری کر چکا ہوں یا نہیں؟ سب بول اُٹھے۔ بیشک آپ پُوری کر چکے اُسوقت آپ نے فرمایا" خداوندا تو گواہ رہیو"، پھر حاضرین کی طرف ارشاد ہوا۔ مِیں تمھارے اندر ایک ایسی چیز چھوڑتا ہوں کہ اگر تم اُسپر کاربند رہوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے یاد رکھو وہ اللہ کی پاک کتاب قرآن مجید ہے قیامت کے دن تم سے میری بابت سوال ہوگا بولو تم کیا جواب دوگے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم اس امر کی ضرور گواہی دینگے کہ آپ نے اللہ کا پیغام بے شک پہنچا دیا تھا اور خوب نصیحت کی تھی۔ یہ سنکے آپنے اپنی انگلی آسمان کی طرف اُٹھائی اور پھر حاضرین کی طرف جھکا کے یہ کہا خُداوندا تو گواہ رہیو خداوندا تو گواہ رہیو" یہ الفاظ جابر کی حدیث کے ہیں جو مسلم وغیرہ میں صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جو لوگ اسوقت حاضر ہیں اُنھیں چاہیئے کہ یہ باتیں ان تک پہنچا دیں جو حاضر نہیں ہیں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے جنھیں کوئی بات پہنچائی جاتی ہے وہ سُننے والوں سے اُسسے زیادہ یاد رکھتے ہیں پس یہ حفاظت جسکی اِس آیۃ میں ذمہ داری کی گئی ہے اس تبلیغ سے پہلے ہو گئی تھی لہذا یہ آیۃ حج الوداع کے بعد نازل ہوئی کیونکہ تبلیغ تو آپ اس سے پہلے ہی کر چکے تھے۔

تیسرے جبوقت یہ آیۃ نازل ہوئی ہے عبد المطلب کی اولاد میں چالیس مرد نہ تھے کیونکہ یہ آیۃ ابتدائے اسلام میں مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ اِسکے علاوہ بھی حضور کے زمانہ حیات تک عبد المطلب کی اولاد نرینہ کی تعداد چالیس کبھی نہیں ہوئی۔ یہ بات تاریخ سے ثابت ہے بلکہ اسپر سب کا اتفاق ہے کہ عبد المطلب کی اولاد میں سے صرف اُن کے چار بیٹے رہے تھے۔ عباس ابوطالب۔ حمزہ اور ابو لہب۔ عبد المطلب کا سارا خاندان ان ہی چاروں سے بنا ہوا تھا اور یہی بنو ہاشم ہیں حضور انور کے چچاؤں میں سے سوائے ان چار کے اور کسی نے نبوّت کا زمانہ نہیں پایا جن میں سے دو مسلمان ہو گئے یعنے حمزہ اور عباس اور دو کافر رہے مگر ان میں سے ایک نے حضور انور کی مدد و معاونت کی وہ ابوطالب ہیں اور دوسرے نے آپکے عداوت کی اور آپ کے دشمنوں کو مدد دی وہ ابولہب ہے اب آپ کے چچاؤں کی اولاد کی تفصیل سنیئے۔ ابوطالب کے چار بیٹے تھے۔ طالب۔ عقیل۔ جعفر۔ علی۔ طالب نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔ باقی

تینوں نے پایا ہی۔ ان میں سے علی اور جعفر ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے مگر جعفر ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے تھے پھر جنگ خیبر کے وقت وہاں سے آ گئے اور جب ان سب نے مکہ معظمہ سے ہجرت کرلی تو بنی ہاشم کی کل جائداد میاں **عقیل** دبا کے ہو بیٹھے اور اپنا پورا قبضہ کر لیا حجۃ الوداع میں جب کسی نے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا کہ کل ہم حضور ہی کے مکان میں مکہ پہنچ کے اتریں گے اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی مکان چھوڑا ہے وہ تو سب دبا بیٹھے ہیں۔

اب رہے عباس ان کے سب بیٹے کم سن تھے ان میں کوئی بھی بالغ نہ تھا جس پر مرد کا اطلاق ہو سکتا اور اگر صغیر سنی ہی میں انھیں مرد کے نام سے پکارا جائے تو بھی ان کی تعداد تین سے زیادہ نہیں ہونے کی یعنے **عبداللہ۔ عبیداللہ اور فضل** باقی قثم تو ان سب کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ ان سب میں بڑے فضل تھے جب آیۃ و انذر عشیرتک الاقربین نازل ہو چکی ہے تو اس کے ایک عرصہ کے بعد عبداللہ شعب میں پیدا ہوئے ہیں۔ ہجرت کے وقت اُن کی عمر تین یا چار برس کی تھی اور حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی میں عباس کے ہاں سوائے فضل۔ عبداللہ اور عبیداللہ کے کوئی بچہ ہی پیدا نہیں ہوا۔ ان کے علاوہ اور بچے حضور انور کے بعد پیدا ہوئے تھے۔

اب رہے حمزہ اور ابولہب ان دونوں کی اولاد کچھ زیادہ نہ تھی حمزہ کے صرف دو بیٹے تھے **ابوسفیان** اور ربیعہ یہ دونوں ایک عرصہ کے بعد فتح مکّہ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ اسی طرح ابولہب کے بیٹے بھی اسی زمانہ میں مسلمان ہوئے۔ ابولہب کے تین بیٹے تھے جن میں سے دو مسلمان ہوئے **عتبہ اور معتب** یہ دونوں جنگ طائف اور جنگ حنین میں بھی حاضر تھے۔ اور تیسرے بیٹے **عتیبہ** سے حضور ناخوش تھے وہ نہ صرف کافر تھا بلکہ حضور انور کا منحرف دشمن تھا اور خواہ مخواہ جب اس نے حضور کو بہت اذیت دی تو حضور انور نے فرمایا کہ "اسے تو کوئی کتا چیر پھاڑ ڈالے چنانچہ ملک شام میں جب وہ زرقا پہنچا تو کسی درندے نے اُسے پارہ پارہ کر دیا اور وہ کفر ہی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔

غرض عبدالمطلب کی کل اولاد کی یہ کہانی ہے جسکی ساری تعداد میں دس مرد بھی نہیں ہوتے چہ جائے کہ چالیس ہوں۔

چوتھے بنی ہاشم پیٹو مشہور نہ تھے نہ اُن میں کوئی ایسا شخص تھا جو سالم ایک بکرا کھا جاتا ہو اور اُس پر ایک مشک پانی پی لیتا ہو۔

پانچویں۔ بقول شیعی علماء کے حضور انور کا حاضرین سے یہ فرمانا کہ جو شخص میرے اس کہنے کو قبول کر لیگا اور اسپر قائم رہنے کا مجھ سے عہد کرے گا بس وہی میرا بھائی میرا وزیر میرا وصی اور میرے بعد میرا خلیفہ ہے،، یہ کلام حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر نرا بہتان ہی بہتان ہے ایسے کلام کو حضور انور کی طرف منسوب کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں کیونکہ محض شہادتین کا اقرار کر لینا اور اسپر کار بند رہنا ان سب امور کا ہرگز باعث نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے کہ ان دو کلموں کا تو سب مسلمانوں نے دل وجان سے اقرار کر لیا تھا اور وہ اسپر ایسے کار بند ہوئے تھے کہ اُنھوں نے حضور انور کو مدد دینے اور آپ کی اطاعت کرنے میں اپنی جانیں قربان کر دیں اور اپنا مال خرچ کر دیا۔ اپنے وطنوں کو چھوڑ دیا۔ اپنے بھائیوں اور کنبہ سے قطع تعلق کر لیا۔ معزز ہونے کے بعد ذلیل ہونے کو تسلیم کر لیا یعنے اپنی قوم کی سرداری پر تین حرف بھیجے اور حضور انور کے حلقہ غلامان میں شامل ہو گئے۔ غنی ہونے کے بعد فقیری اختیار کر لی۔ عیش وعشرت میں رہنے کے بدلہ تنگی قبول کر لی غرض ان کی خصلتیں ایسی مشہور ومعروف ہیں کہ مثل آفتاب نصف النہار کے روشن ہیں۔ باوجود ان سب باتوں کے آپ کا خلیفہ کوئی نہیں ہوا۔

اس کے علاوہ اگر حضور انور نے یہ امر ان چالیس آدمیوں پر پیش کیا تھا تو ممکن تھا کہ وہ سب کے سب اُسے قبول کر لیتے یا اُن میں سے چند ہی قبول کر لیتے اب دیکھو ان میں سے چند آدمی قبول کر لیتے تو پھر ان میں سے خلیفہ آپ کے بعد کونسا ہوتا۔ بلا کسی اور سبب کے اسکی تعیین کس طرح ہوتی ان سب کو تو ایک ہی وقت میں حضور انور خلیفہ نہیں کر سکتے تھے۔

پس معلوم ہوا کہ **وصیت۔ خلافت۔ اخوت** اور موازرت کو حضور انور نے اس سہل امر یعنی کلمہ شہادتین کا اقرار کر لینے اور اس پر کار بند ہونے پر معلق نہیں کیا تھا اسکے علاوہ جس شخص کا اللہ پر۔ اللہ کے رسول پر اور روز قیامت پر ایمان ہے اُسے اس میں سے پورا پورا حصہ ملا ہوا ہے اور جسے اس میں حصہ نہیں ملا وہ مسلمان نہیں منافق ہے۔ بس ایسے کلام کو حضور انور سے نسبت دینا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

چھٹے۔ امیر حمزہ۔ جعفر۔ اور عبیدہ بن حارث نے علی کی طرح شہادتین کو قبول کر لیا تھا اور اس پر کاربند ہو گئے تھے کیونکہ یہ اُن سابقین اولین میں سے ہیں جو ابتدائی حالت میں اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آئے تھے بلکہ امیر حمزہ تو اس سے بھی پہلے مسلمان ہو گئے تھے کہ ابھی چالیس آدمی بھی ایمان نہ لائے تھے۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ حضور انور ارقم بن ابی الارقم کے گھر میں رہتے تھے اور یہیں لوگ آپ سے ملنے آیا کرتے تھے اور یہیں مجمع ہوتا تھا باقی آپ اور عبدالمطلب کا سارا خاندان کبھی کسی اور گھر میں جمع نہیں ہوئے۔ کیونکہ ابولہب آپ کا کُھلا ہوا زہریلا دشمن تھا۔ جب بنی ہاشم شعب میں محصور ہوئے تو ابولہب اُن کے ساتھ وہاں بھی نہیں گیا تھا۔

صحاح میں اس آیۃ کا شان نزول اسکے بالکل خلاف ہے۔ صحیحین میں ابن عمر اور ابوہریرہ سے مروی ہے کہ جب آیہ وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو حضور انور نے قریش کو دعوت دی وہ سب جمع ہو گئے۔ اس وقت حضور انور نے عام وخاص سب سے یہ خطاب کیا اے بنی کعب بن لوئی تم اپنی جانوں کو دوزخ سے بچالو اے بنی مرہ بن کعب تم اپنی جانوں کو دوزخ سے بچالو۔ اے بنی عبدالمطلب تم اپنی جانوں کو دوزخ سے بچالو اے فاطمہ بنت محمد تم بھی اپنی جان دوزخ سے بچاؤ کیونکہ اللہ کے حضور میں میں تمھارے لیئے کچھ نہ کر سکوں گا سوائے اسکے کہ تم سب سے میری قرابت داری ہے اِس تعلق کی وجہ سے میں تمھاری کچھ مدد کر سکونگا۔

صحیحین میں ابوہریرہ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور انور نے بلند آواز سے یہ فرمایا" اسے قریش تم اپنی جانیں اللہ سے مول لیلو۔ کیونکہ میں تمھیں اللہ سے نہیں بچا سکونگا اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپی میں اللہ کے سامنے تمھارے کچھ نہ آؤں گا اے فاطمہ بنت محمد میں تمھیں اللہ سے نہیں بچا سکوں گا تم دونوں کو اگر مجھ سے کچھ مال لینا ہے تو یہیں لیلو اور وہاں کی اُمید نہ رکھو مسلم نے ابن مخارق۔ زہیر بن عمرو اور عائشہ صدیقہ کی حدیث نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضور انور نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کے فرمایا تھا۔

اور قبیصہ کی حدیث میں یہ ہے کہ آپ رضمہ کی پہاڑی کی چوٹی پر چڑھے اور بآواز بلند پکارا اے بنی عبد مناف میں تمھارے لیئے نذیر (ڈرانے والا) ہوں میری تمھاری مثال اس

آدمی جیسی ہے کہ جو دشمن کو آتا دیکھ کے اپنے متعلقین کو مطلع کرنے کے لیئے ڈر سے دوڑے کہ دشمن اس سے پہلے نہ پہنچ جائے اور پھر چیخے یا صباحاہ یا صباحاہ یعنے اے لوگو میرا کہا مان لو ورنہ صبح ہوتے ہی برباد کر دیئے جاؤ گے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے وقت آپ کو کسی کا کچھ خوف نہ تھا جس سے حفاظت کرانے کی ضرورت ہوتی بلکہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں تو مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ اور اُن کے نواح کے سب آدمی مسلمان اور حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے تابع فرمان ہو چکے تھے۔ ممکن ہے کہ کوئی منافق مسلمان ہونے سے رہگیا ہو مگر ایسا کوئی نہ تھا کہ کھلم کھلا آپ کی مخالفت کر سکتا ایسی حالت میں آپ سے ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ بلغ ما انزل الیك الخ۔

غدیر کے دن جو کچھ ہوا وہ کوئی ایسا امر نہ تھا جس کی تبلیغ کا آپ کو حکم کیا گیا ہو۔ یعنے مثل اُن امور کے جنکی تبلیغ حضور انور نے حجۃ الوداع میں کی تھی ایک امر بھی معلوم نہیں ہوتا۔

جنھوں نے حضور انور کے ساتھ حج کیا تھا وہ سب کے سب حضور انور کے ساتھ واپس مدینہ نہیں آئے تھے۔ مکہ والے مکہ چلے گئے۔ طائف والے طائف۔ یمن والے یمن۔ باقی دیہاتی لوگ اپنے اپنے دیہات کو چلے گئے تھے۔ جو لوگ حضور انور کے ساتھ مدینہ واپس آئے تھے وہ مدینہ ہی کے یا اُسکے آس پاس کے رہنے والے تھے۔ پس اگر یہ امر جو آپ نے غدیر کے دن ذکر کیا ایسا ہوتا کہ اُس کی تبلیغ کرنے کا حکم تھا یعنے مثل اس امر کے جس کی آپ نے حج میں تبلیغ کی تھی تو حجۃ الوداع میں آپ ضرور اس کی بھی تبلیغ کر دیتے جیسے کہ اور امور کی کر دی تھی۔ حالانکہ حجۃ الوداع میں آپ نے امامت کا بالکل ذکر نہیں کیا نہ امامت کے متعلق کوئی بات فرمائی نہ کسی نے صحیح یا ضعیف سند سے یہ بیان کیا کہ حجۃ الوداع میں حضور انور نے علی کی امامت کا ذکر کیا تھا بلکہ کسی نے یہ بھی نہیں بیان کیا کہ حضور انور نے اپنے اس خطبہ میں علی کی کسی بات کا بھی ذکر کیا تھا باوجودیکہ یہ عام مجمع تھا جس میں عام تبلیغ کرنے کا آپکو حکم ہو چکا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علی کی امامت کوئی ایسا دینی امر نہ تھا جسکی تبلیغ کا آپکو حکم ہوتا۔

اب رہیں حدیث المواخاۃ اور حدیث الثقلین یہ ایسی حدیثیں نہیں ہیں جو حضرت علی کی امامت کے ثبوت میں پیش ہو سکیں۔

سنئے غدیر خم کا واقعہ جو مسلم نے نقل کیا ہے وہ یہ ہے۔ حضور انور نے فرمایا تھا کہ مَیں تم میں دو

بڑی زبردست چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی پاک کتاب قرآن کریم - اتنا ذکر کرکے حضور انور نے اُسکی بہت کچھ ترغیب دی پھر فرمایا دوسری چیز میری عترت میرے اہلبیت ہیں - صرف مسلم ہی نے یہ حدیث بیان کی ہے امام بخاری نے اُسے روایت نہیں کیا - ہاں ترمذی نے اُسے روایت کیا ہے مگر ان کے الفاظ اور ہیں یعنے یہ کہ یہ دونوں چیزیں جدا نہیں ہونے کیں یہاں تک کہ مجھ سے حوض کوثر پر ملجائیں ان الفاظ کی زیادتی پر بہت سے حفاظ اہلحدیث نے طعن کیا ہے اور یہ کہا ہی کہ یہ الفاظ حدیث کے نہیں ہیں - مگر وہ لوگ جو اس کی صحت کا عقیدہ رکھتے ہیں اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ تمام عترت جو بنو ہاشم ہیں یہ سب کبھی گمراہی پر متفق نہو نگے اور یہی قول اہلسنت والجماعت میں سے ایک گروہ کا ہے - یہی توضیح قاضی ابو یعلی وغیرہ نے کی ہی - اب رہی مسلم کی حدیث اگر حضور انور نے ایسا فرمایا ہو تو اس میں فقط کتاب اللہ کے اتباع کرنے کی وصیت ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور یہ وصیت اس سے پہلے حجۃ الوداع میں ہو چکی ہی - وہاں آپ نے عترت کے اتباع کرنے کا حکم نہیں دیا تھا ہاں فقط اتنا فرمایا تھا "اذکرکم اللہ فی اھل بیتی" باقی اس کا بھی مفصل بیان غدیر خم سے پہلے ہو چکا تھا -

اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ غدیر خم میں آپ نے ایسا شرعی امر کوئی بیان نہیں کیا تھا جو اُسوقت نازل ہوا ہو نہ علی کے حق میں نہ اور کسی کے حق میں نہ علی کی امامت کے بارے میں نہ کسی اور کے بارے میں -

پھر مواخاۃ کی حدیث لو اُسے ترمذی نے اور امام احمد نے اپنی اپنی مُسند میں حضور انور سے نقل کیا ہے وہ حدیث یہ ہے جیسا حضور انور نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اس میں یار لوگوں نے یہ زیادتی کر دی ہے اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ یہ محض غلط اور ایجاد بندہ ہے۔ ابن حزم لکھتے ہیں کہ علی کے فضائل میں جو صحیح طور پر ثابت ہوا ہے وہ یہ ہے انت منی بمنزلۃ ھرون من موسی الا انہ لا نبی بعدی" دوسرا قول یہ ہے لاعطین الرایۃ غدا رجلا یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ - مگر یہ صفت وہ ہے کہ ہر مسلمان مومن فاضل کے لیئے ہو لی ضروری ہے اسکے علاوہ حضور انور نے یہ بھی فرمایا تھا کہ علی سے سوائے مومن کے کوئی محبت نہ رکھے گا اور سوائے منافق کے کوئی بغض نہ رکھے گا حضور انور نے یہی ارشاد انصار کے حق میں بھی کیا ہے جو صحیح طور سے

ثابت ہے آپنے فرمایا تھا کہ جس شخص کا اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان ہوگا وہ انصار سے کبھی بغض نہ رکھیگا
پھر ابن حزم کہتے ہیں باقی یہ حدیث کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ ثقہ راویوں کے طریقہ سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ باقی ان کے سوا وہ حدیثیں جن سے شیعی علماء استدلال کرتے ہیں سب کی سب موضوع ہیں۔ جسے حدیث اور نقل حدیث میں ذرا بھی دخل ہو وہ بلا تامل ہماری تائید کرے گا۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ ابن حزم نے تو وہ حدیث بھی ذکر نہیں کی جو صحیحین میں ہے کہ انت منی وانا منک اور نہ مباہلہ اور چادر والی حدیث ذکر کی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُن حدیثوں کو بھی صحیح نہیں سمجھتے۔ یہ بات نہیں ہے۔ ابن حزم نے حضرت علی کے فضائل میں وہ حدیثیں نقل نہیں کیں جنہیں اُن کی کچھ خصوصیت نہیں ہے بلکہ حضور انور نے جب وہی اوصاف دوسروں کی نسبت فرما دیئے تو خصوصیت جاتی رہی مثلاً آپ نے جعفر طیار سے فرمایا تھا کہ اشبہت خلقی وخلقی" اور زید بن حارثہ سے فرمایا تھا کہ انت اخونا ومولانا دیکھ لو حضرت علی کی کچھ خصوصیت اوپر کی حدیثوں میں نہیں رہی۔

پھر مباہلہ اور چادر والی حدیث کو دیکھو جن میں اکیلے علی کا ذکر نہیں ہے بلکہ فاطمہ زہرا اور حسن حسین بھی موجود ہیں۔ لہذا ابن حزم پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا۔

اب دوسری پہلو کی بحث سنیئے ہم باور کر لیتے ہیں کہ بے شک حضور انور نے ایسا ہی فرمایا تھا چشم ما روشن دل ما شاد مگر اس سے بھی یہ نہیں پایا جاتا کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ میرے بعد علی ہی خلیفہ بنائے جائیں۔ اس میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو اس پر دلالت کرتا ہو حالانکہ ایسے مہتم بالشان کام کے اظہار کے لیئے تو بہت صاف صاف اور کھلے الفاظ ہونے چاہیئے تھے مفروضہ احادیث میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جس سے ظاہر طور پر خلافت مراد ہو سکے وجہ یہ ہے کہ مولیٰ مثل ولی کے ہوتا ہے یعنی دونوں کے معنی قریب ہی قریب ہیں جیسا کہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا" پھر فرمایا وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین والملائکۃ بعد ذالک ظہیر۔

ان آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے یہ بیان فرما دیا کہ رسول مومنین کے ولی ہیں اور مومنین

رسول کے اولیا اور موالی ہیں اور یہ کہ مومنین آپس میں بھی ایک دوسرے کے اولیا ہیں۔ خلاصہ یہ نکلا کہ موالاۃ معاداۃ یعنی دشمنی کی ضد ہے اور یہ جانبین سے ہوتی ہے اگرچہ دونوں متوالیوں میں سے ایک مرتبہ میں بڑھا ہوا ہو اور اسکی ولایت احسان اور فضل کرنا ہی ہو اور دوسرے کی ولایت طاعت اور عبادت ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ مومنین سے محبت رکھتا ہے اور مومنین اللہ سے محبت رکھتے ہیں ہم جیسا کہ ابھی کہہ چکے ہیں کہ موالاۃ معاداۃ کی ضد ہے اور کفار اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت نہیں رکھتے بلکہ وہ اُن سے عداوت رکھتے ہیں اسلیئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء" یعنے میرے اور اپنے دشمنوں کو تم دوست نہ بناؤ اور جو ایسا کروگے تو سزا پاؤ گے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہی فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔

خداوند تعالیٰ یقیناً مومنین کا ولی اور ان کا مولیٰ ہے اسلیئے انھیں کفر کی تاریکیوں سے نکال کے ایمان کی روشنیوں میں پہنچا دیا ہے۔ جب یہ بات یوں ہوئی تو اللہ کے۔ اللہ کے رسول کے اور علی کے ولی اور مومنین کے مولیٰ ہونے سے وہی موالاۃ مراد ہے جو معاداۃ کی ضد ہے اور مومنین بھی اللہ سے اور اللہ کے رسول سے وہی موالاۃ رکھتے ہیں جو معاداۃ کی ضد ہے اور یہ حکم اور یہ صفت ہر مومن کے لیئے ثابت ہے پس علی بھی ان ہی مومنین میں سے ہیں کہ وہ مومنین سے اور مومنین ان سے موالاۃ رکھتے ہیں۔

اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہی کہ مومنین میں علی کے سوا اور کوئی مولےٰ ہونے کے قابل نہیں ہے۔ یہ معنی بھلا کیونکر بن سکتے ہیں حالانکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اور بہت سے موالی ہیں اور وہ نیک مسلمان ہیں۔ ہاں یہ بات ضروری ہی کہ علی بطریق اولیٰ مولیٰ ہین۔

اسکے علاوہ حضور انور نے فرمایا تھا کہ اسلم۔ غفار۔ مزینہ۔ جہینہ۔ قریش اور انصار ان سب کا اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا اور کوئی مولیٰ نہیں ہے اور انھیں آپ نے اپنا مولیٰ بھی فرمایا ہے۔

اصل یہ ہے کہ ولی۔ مولیٰ اور والی میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ وہ ولایت جو عداوت کی ضد ہے علیحدہ چیز ہے اور جس ولایت کے معنے امارت کے ہیں وہ دوسری چیز ہے یہ دونوں کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ اس حدیث میں ولی اور مولیٰ کے جو دو لفظ ہیں اس سے پہلی ولایت

مراد ہے نہ کہ دوسری کیونکہ حضور انور نے یہ نہیں فرمایا من کنت والیہ فعلی والیہ یعنے جسکا میں والی ہوں اُسکا علی بھی والی ہی بلکہ حدیث کے لفظ یہ ہیں من کنت مولاہ فعلی مولاہ اس لحاظ سے مولی کے معنی والی کے لینے بالکل غلط ہیں - یہ ولایت تو جانبین سے ہوتی ہی - اسلیئے مومنین اللہ کے اولیا ہیں اور اللہ ان کا مولی ہے - باقی حضور انور کا ان کی جانوں سے اولی ہونا یہ کچھ حضور انور ہی کے لیئے شایاں ہی - یعنی آپ کا ہر مومن کی جان سے اولی ہونا آپ کی نبوت کی خصوصیتوں میں داخل ہی اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور نے کسی کے خلیفہ ہونے پر نص کردی تھی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خلیفہ بھی ہر مومن کی جان سے اولی ہو جیسا کہ یہ ضرور نہیں ہی کہ خلیفہ کی بی بیاں بھی امہات المومنین ہو جائیں جیسی حضور انور کی ازواج مطہرات تھیں - ہاں اگر حضور انور کا یہ مقصد ہوتا کہ مثل میرے میرا خلیفہ بھی مومنین کی جانوں سے اولی ہے تو حضور انور کو یہ فرمانا چاہیئے تھا من کنت اولی بہ من نفسہ فعلی اولی بہ من نفسہ نہ آپ نے ایسا فرمایا اور نہ کسی نے یہ نقل کیا - اسکے یہ معنی ہونے یقیناً باطل ہیں کیونکہ حضور انور کا ہر مومن سے اولی ہونا حیات اور بعد وفات دونوں حالتوں میں تھا - اور علی کی خلافت اگر تسلیم بھی کرلیجائے تو وہ آپکی وفات کے بعد ہی ہوسکتی ہے آپ کی حیات میں نہیں ہوسکتی - آپ کے زمانۂ حیات میں علی کا خلیفہ ہونا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا اسلیئے اسوقت علی ہر مومن سے کسی طرح اولی نہیں ہوسکتے - اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر اس سے خلافت مراد لیتے ہو تو پھر علی کسی مومن کے بھی مولی نہیں ہوسکتے -

اب تو اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ اس سے حضور انور کی مراد خلافت نہیں تھی -

شیعی علماء کی تیسری بُرہان

شیعی علماء مفصلۂ ذیل حدیث حضور انور کے بعد حضرت علی ہی کے خلیفہ بننے کے متعلق پیش کرتے ہیں اور وہ حدیث یہ ہے انت منی بمنزلۃ ھرون من موسی الا انہ لانبی بعدی یعنے تم میرے لیئے ایسے ہو جیسا موسی کے لیئے ہارون تھے لیکن ہاں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے -

اسپر شیعی علماء فرماتے ہیں منجملہ ہارون علیہ السلام کے مراتب کے ایک مرتبہ انکا یہ بھی تھا کہ وہ موسی کے خلیفہ تھے اگر ہارون ان کے بعد زندہ رہتے تو ضرور خلیفہ ہوتے - اسی طرح دوسری دلیل

جناب امیر علیہ السلام کے خلیفہ ہونے کی یہ ہی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی موجودگی اور اپنے بعد اپنی ہی زندگی میں حضرت علی کو خلیفہ کر بھی دیا تھا اور آپ کی دفات کے بعد تو غیبوبیت کا بہت بڑا زمانہ ہی لہذا اب ان کا خلیفہ ہونا بدرجہ اولی ضروری ہے۔

جواب

یہ ہم قبول کرتے ہیں کہ یہ حدیثیں صحیحین میں ضرور آئی ہیں۔ بیشک غزوۂ تبوک میں حضور انور نے ایسا فرمایا تھا۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ جب کسی غزوہ یا عمرہ یا حج کے لیئے سفر کیا کرتے تھے تو اپنے کسی صحابی کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنا جایا کرتے تھے اسپر ہم گزشتہ صفحات میں کامل بحث کر چکے ہیں مگر مختصر طور پر یہاں بھی اس کا ذکر کرتے ہیں۔ علاوہ حضرت علی کے ایک غزوہ میں عثمان کو۔ غزوہ بنی قینقاع میں بشیر بن منذر کو خلیفہ کیا تھا۔ اور جب قریش سے جنگ کا اعلان ہوا اور آپ فرع جانے لگے تو ابن ام مکتوم کو آپ نے اپنا جانشین کر دیا تھا۔ محمد بن سعید وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہی۔ یہ تو سب جانتے ہیں اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بغیر اپنا جانشین مقرر کیئے آپ کبھی مدینہ سے باہر نہیں تشریف لیگئے۔ ان کے نام ہم اپنے گزشتہ صفحوں میں لکھ چکے ہیں آپ نے اپنے دونوں عمروں یعنے عمرۂ قضا اور عمرۂ حدیبیہ حجۃ الوداع اور بیس سے کچھ اوپر غزدوں میں مدینہ منورہ سے سفر کیا اور ان سب میں آپ نے کسی نہ کسی کو اپنا ضرور جانشین بنایا۔ مدینہ میں ایسے آدمی بہت سے رہجاتے تھے جن پر آپ کا جانشین حکومت کرتا تھا لیکن غزوۂ تبوک سے رہجانے کی آپ نے کسی کو اجازت نہ دی تھی اور یہ آپ کے کل غزوں میں سب سے اخیر غزوہ ہے۔ جیسا مجمع آپ کے ساتھ اسمیں تھا ایسا اور غزووں میں کبھی نہ ہوا تھا۔ فقط عورتیں بچے۔ اپاہج یا جو منافق تھے وہی رہ گئے تھے اور تین آدمی وہ بھی رہگئے تھے جنکی توبہ چند روز بعد قبول ہوئی تھی۔ باقی مدینہ میں اسوقت اور آدمی ایسے نہ تھے جن پر آپ کا جانشین حکومت کرتا جیسا کہ ہر دفعہ ہوا کرتا تھا۔ اس لیئے اس جانشینی کو اور جانشینوں سے بہت ہی کم درجہ سمجھنا چاہیئے۔ اس بات کو حضرت علی نے بھی محسوس کیا اور ساتھ ہی ان منافقوں نے جو غزوہ میں حضور انور کی ہمراہی سے رہگئے تھے علی کو چھیڑنا شروع کیا کہ رسول اللہ آپ سے سخت بیزار ہیں۔ اس لیئے آپ کو یہاں چھوڑ جاتے ہیں۔ بھلا عورتوں۔ بچوں اور نکموں لوگوں کی خلافت بھی

کوئی خلافت ہے جسمیں آپ کو خلیفہ بنایا گیا۔ یہ سُن کے حضرت علی کا دل ٹوٹ گیا آپ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رونے لگے کہ مجھے حضور یہاں چھوڑے جاتے ہیں میری اس میں سخت بے عزتی ہے اس پر حضور انور نے علی کو دلاسا دیا اور فرمایا اسمیں تمھاری بے عزتی کچھ نہیں ہے۔ میں نے تمھیں اپنے نزدیک امانت دار ہونے کی وجہ سے جانشین کیا ہے اور جانشین ہونا کچھ نقصان یا عیب کی بات نہیں ہے کیونکہ موسیٰ نے اپنا جانشین ہارون کو بنایا تھا لہٰذا اس میں بُرائی کیونکر ہوسکتی ہے اگر کوئی بُرائی ہوتی تو موسیٰ ہارون کو اپنا جانشین کس طرح بناتے یہ سُن کے علی خوش ہوگئے اور اُنھیں پورا اطمینان ہوگیا اور آپ سمجھ گئے کہ جانشین ہونا جانشین کی کرامت اور امانت کا سبب ہے نہ کہ اُس کی اہانت۔ خواری اور خیانت کا۔

صحابہ کی شیفتگی اور عشق یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ ہر صحابی کی یہ آرزو رہتی تھی کہ ہر وقت حضور کے دیدار سے مشرف ہوتا رہے اور جو شخص حضور کے ہمرکاب نہ جاتا تھا وہ گویا حضور انور کے دیدار سے محروم رہتا تھا لہٰذا یہ خیال بھی حضرت علی کو بہت کچھ ستا رہا تھا

قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی بادشاہ سفر کرتا ہے اور خصوصاً جنگ کے لیے نکلتا ہے تو اپنے ہمراہ ایسے لوگوں کو رکھتا ہے جو اُسے ہر پیچیدہ سے پیچیدہ اور مشکل سے مشکل معاملہ میں مدد دیں اُن کی ہمراہی سے اُسے نفع پہنچے اور وہ اپنی رائے۔ زبان۔ ہاتھ اور تلوار سے اُس کے پورے مددگار بن سکیں۔

جس وقت علی کو مدینہ میں حضور انور نے اپنا جانشین بنایا ہے ہر طرف سکون ہی سکون تھا سیاست کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ نہ ایسے پیچیدہ امور بغیر سلجھے باقی بچے تھے صرف آپ کو جانشین بنانے کی ایسے موقع پر یہی ضرورت تھی کہ آپ اہم اور عظیم سیاسی معاملات میں رائے دینے کا ملکہ نہیں رکھتے تھے۔ اس لیئے اسکی ضرورت نہ تھی کہ آپ کو ساتھ لیجاتے۔ اور یہی وجہ آپ کو ایک پُرامن زمانہ میں عورتوں۔ بچوں اور اپاہجوں پر حاکم بنانے کی ہوئی۔

اَب رہی یہ بات کہ حضور انور نے حضرت علی کو مثل ہارون کے فرمایا اس میں کچھ بڑی تعریف اور خصوصیت نہیں ہے کیونکہ آپ اس سے کہیں زیادہ ابوبکر و عمر کی نسبت بھی فرما چکے ہیں چنانچہ ملاحظہ ہو صحیحین میں یہ ثابت ہے کہ قیدیوں کے بارے میں جب حضور انور نے ابوبکر سے مشورہ لیا تو

آپ نے یہ رائے دی کہ قیدیوں سے فدیہ لیکے اُنھیں چھوڑ دینا چاہیئے اور جب فاروق اعظم سے مشورہ لیا تو آپ نے اُنھیں قتل کر دینے کی رائے دی اس پر حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَے ابوبکر تمھاری مثال تو ایسی ہے جیسی ابراہیم خلیل اللہ کی کیونکہ اُنھوں نے اپنے خداوند تعالیٰ سے یہ التجا کی تھی فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم - اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے دعا کی تھی - ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم -

اور اَے عمر تمھاری مثال مثل نوح کے ہے کیونکہ اُنھوں نے یہ فرمایا تھا رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا" یا مثل موسیٰ کے ہے کیونکہ یہ دعا اُن کی تھی ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم"

پس حضور انور رسول خدا کا ایک سے یہ فرمانا کہ تم مثل ابراہیم خلیل اور عیسےٰ مسیح کے ہو اور دوسرے سے یہ فرمانا کہ تم مثل نوح اور موسیٰ کے ہو اس سے بدرجہا زیادہ ہے جو آپ نے علی سے فرمایا تھا کہ تم میرے لیئے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیئے ہارون تھے کیونکہ نوح ابراہیم موسیٰ اور عیسےٰ کا مرتبہ ہارون سے کہیں زیادہ تھا حضور انور نے ابوبکر اور عمر کو صاف طور پر موسیٰ عیسےٰ اور ابراہیم کے مثل فرمایا - ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ آپ کا یہ منشا ہرگز نہیں تھا کہ ابوبکر و عمر ہر بات میں ان انبیاء کے مثل ہیں بلکہ جو سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے اسمیں تشبیہ دینی تھی یعنے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیئے نرمی اور سختی کرنے میں وہ اُن کے مثل قرار دیئے گئے اسی طرح علی کو سمجھنا چاہیئے کہ وہ بمنزلہ ہارون کے اس بارے میں ہیں کہ حضور انور کی عدم موجودگی میں آپ کے جانشین ہو گئے تھے اس جانشین ہونے میں علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ اُن کی طرح حضور کے جانشین بہت سے بن چکے تھے جن کا ذکر ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں پھر یہ بات بھی دیکھنی ہے کہ حضور انور کا ایسی حالت میں جانشین ہونا بجائے خود فضیلت نہیں رکھتا کیونکہ بہت سے غزووں میں حضور انور نے ایسے لوگوں کو بھی اپنا جانشین کیا ہے جن سے علی افضل تھے حالانکہ انھیں یہ مرتبہ ملنا کسی طرح بھی علی سے افضل قرار نہیں دیتا جتنے جانشین مثل حضرت علی کے ہوئے وہ حضور انور کے لیئے ایسے ہی تھے جیسے ہارون موسیٰ کے لیئے تھے جانشینوں میں بھی باہم ضرور امتیاز سمجھنا چاہیئے جنگ تبوک کے سال جتنے جانشین حضور انور کے ہوئے وہ اُن جانشینوں سے کم افضل ہیں جو اس سے پہلے ہو چکے تھے کیونکہ اُسوقت کی جانشینی

بڑی کٹھن اور ذمہ داری کی تھی مدینہ پر دشمنوں کے حملے کا خوف لگا ہوا تھا مگر جنگ تبوک کے وقت یہ بات نہ تھی سارا عرب مسلمان ہو چکا تھا مسلمان ہی نہیں بلکہ مفتوح ہر جگہ اسلام کا چرچا اور غلبہ تھا۔ لہذا اسوقت مدینے کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہ رہی تھی جو اسکے دشمنوں سے قتال کرتے اسی لئے حضور انور نے حضرت علی کے پاس کوئی جنگ جو شخص نہیں چھوڑا تھا جیسا کہ حضور انور اور غزووں میں جاتے وقت اپنے جانشین کے پاس جنگ جو آدمی چھوڑ جایا کرتے تھے اسوقت آپکے ساتھ کل فوج تھی اس سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہو گئی کہ شیعی علماء کی پیش کردہ حدیث میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ علی کے سوا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو حضور انور کے آگے وہ حیثیت رکھتا ہو جو ہارون کی موسٰی کے آگے تھی۔

یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ ایک شخص سنگسار ہو چکا ہے لوگ اسپر لعنت کرنے لگے آپ نے فوراً منع کیا کہ خبردار ایسا نہ کہو کیونکہ یہ شخص جو سنگسار ہوا ہے اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا تھا بھلا اسکے معنی یہ کیونکر ہو سکتے ہیں کہ اسکے سوا کوئی شخص اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت نہیں رکھتا حضور انور نے تو فقط اس ضرورت سے لعنت کرنے کو منع کیا تھا کہ جب اپنے جرم کی یہ پوری سزا پا چکا تو پھر کیوں اسپر لعنت ملامت کی جائے۔ اسی طرح جب آپ نے عشرہ مبشرہ کو جنتی ہونے کی خوشخبری سنائی تو اس سے یہ نہیں نکلتا کہ ان دس آدمیوں کے سوا اور کوئی جنت ہی میں نہ جائیگا۔ بلکہ آپ نے ایک سبب ذکر کر دیا تھا جسکی وجہ سے وہ جنتی ہونے کے مستحق ہو گئے تھے علی ہذا القیاس جب آپ نے حسن اور اسامہ کے حق میں یہ دعا کی اللھم انی احبھما فاحبھما و احب من یحبھما یعنے میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اُن دونوں سے محبت رکھ اور اُس سے بھی محبت رکھ جو اُن سے محبت رکھے اس سے یہ کسی طرح بھی لازم نہیں آتا کہ آپکو اور کسی سے محبت نہ تھی حالانکہ آپ کو اور وں کی محبت تو ان دونوں کی محبت سے بھی کہیں زیادہ تھی اسی طرح جب حضور انور نے یہ فرمایا کہ جو لوگ بیعۃ الرضوان میں داخل ہو چکے ہیں ان میں سے ایک بھی دوزخ میں نہیں جانے کا۔ اس سے یہ مطلب نہیں نکلا کہ ان کے سوا اور سب دوزخ میں چلے جائیں گے۔ اسی طرح جب آپ نے ابو بکر کو ابراہیم اور عیسٰے سے تشبیہ دی تو اس سے یہ لازم نہیں آگیا کہ آپکی امت میں ایسا کوئی نہیں ہوگا جسے ان دونوں سے تشبیہ دیجائے اسی طرح

عمر فاروق کی مثال کو سمجھنا چاہیئے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ آپ کی امت میں یہ دونوں ان سب سے افضل ہیں جنھیں پیغمبروں سے کسی امر میں تشبیہ دیجائے اس کا جواب یہ ہے کہ کمال کی وجہ سے خصوصیت ہونی اصل تشبیہ میں مشارکت ہونے کو منع نہیں کرتی اسی طرح جب حضور انور نے عروہ بن مسعود کے حق یہ فرمایا کہ یہ مثل صاحب یامین کے ہیں یا عشرین کے حق میں یہ فرمایا کہ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں تو یہ وصف اُن ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگیا کیونکہ اسی طرح آپ نے حضرت علی سے بھی فرمایا تھا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اسی طرح زید سے یہ فرمایا تھا تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولیٰ ہو لہٰذا یہ وصف بھی زید ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اسامہ کے حق میں بھی یہی ارشاد ہوا تھا۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ ایسی مثالیں اور تشبیہیں بہت سی ہیں جن سے کسی طرح بھی مماثلت ہونی ثابت نہیں ہوتی قرآن شریف میں خداوند تعالیٰ نے بہت سی مثالیں دی ہیں بعض کا قول ہے قرآن مجید میں بیالیس مثالیں ہیں اب کسی کا یہ کہنا کہ حضور انور نے سوائے نبوت کے ہر چیز میں علی کو بمنزلہ ہارون کے کر دیا تھا۔ بالکل غلط اور بے اصل ہے کیونکہ حضور انور کا علی سے یہ فرمانا کہ کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰ کے لیئے تھے اس امر کی صاف دلیل ہے کہ حضور انور نے انھیں راضی کرنے اور ان کا دل خوش کرنے کے لیئے فرما دیا تھا کیونکہ اس جانشینی میں محض بعض خیالات کی وجہ سے ایک رنج پیدا ہو گیا جسکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔

شیعی علماء کی اس قابلیت کو ملاحظہ کیجئے کہ خود ان ہی کے اقوال میں کس درجے تناقض ہے کیونکہ یہ حدیث تو اس امر پر صاف دلالت کرتی ہے کہ حضور انور نے سوائے غزوۂ تبوک کے کبھی علی سے ایسا نہیں فرمایا پس اگر علی کی یہ ولیعہدی مشہور ہوتی کہ حضور انور کے بعد یہی خلیفہ کیئے جائیں گے جیسا کہ شیعی علما پہلے بیان کر چکے ہیں۔ تو علی کو پھر فکر کرنے کی ضرورت نہ تھی وہ بالکل مطمئن رہتے اسلیئے کہ وہ بقول شیعی اصحاب کے نبی کی زندگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی مثل ہارون کے تھے آپ کبھی بھی روتے ہوئے دوڑے نہ آتے اور یہ بات حضور انور کی خدمت میں نہ عرض کرتے کہ آپ

مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں کیا میں جنگ میں جانے کے قابل نہیں ہوں یاد رکھو اگر علی ہر طرح بمنزلہ ہارون کے ہوتے تو مدینے کا خلیفہ اُن کے سوا اور کوئی بھی نہ کیا جاتا حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا آپ مدینے کا خلیفہ ہمیشہ اوروں کو بناتے رہے یہاں تک کہ خود علی کی موجودگی میں بھی ایسا ہوا چنانچہ جنگ خیبر میں اپنا خلیفہ کسی دوسرے شخص کو حضور انور نے کیا تھا ان کے ماتحت علی کے ماتحتوں سے ہر طرح افضل واعلےٰ تھے غزوۂ تبوک کے بعد حجۃ الوداع میں بھی کسی اور ہی شخص کو خلیفہ کیا تھا مدینہ منورہ میں سب سے آخری حضور انور کی جانشینی یہی تھی جو حجۃ الوداع کے سال ہوئی تھی ان دنوں حضرت علی یمن گئے ہوئے تھے ہاں حج کے موسم میں آ گئے تھے حالانکہ آپ مدینے میں موجود تھے۔ اس پر بھی آپ کو خلیفہ نہیں کیا اب اگر اصل قاعدہ یہی ہے کہ جو پہلے خلیفہ ہو گیا ہو وہی ہوا کرے تو جو شخص حجۃ الوداع میں خلیفہ ہوا تھا وہ بعد میں خلیفہ ہونے کا اس سے زیادہ حقدار ہے جو اس سے پہلے ہو چکا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مدینے کی جانشینیوں میں حضرت علی کی کوئی خصوصیت نہیں نہ وہ فضیلت پر دلالت کرتی ہیں اور نہ امامت پر کیونکہ علی کے سوا آپ نے بہت سے آدمیوں کو جانشین کیا ہے جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا ہے لیکن شیعی علماء ان فضائل کو جو علی وغیرہ میں مشترک ہیں خاص علی ہی کے لئے کر دیتے ہیں اور یہی طریقہ انھوں نے نصوص اور وقائع میں کر رکھا ہے انکا عام طریقہ یہ ہے کہ جو اُمور علی وغیرہ میں مشترک ہیں اُنھیں علی ہی کے ساتھ مخصوص کر کے ان پر ایسی چیزیں مرتب کرتے ہیں جو ان کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً معصوم ہونا۔ امام ہونا یا سب سے افضل ہونا حالانکہ یہ سب کی سب متقی اور معصوم ہیں جو شخص حضور انور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور سیرۃ صحابہ کے احوال اور قرآن و حدیث کے معنی سے واقف ہوگا وہ ضرور پہچان لیگا کہ یہاں ایسی کوئی خصوصیت نہیں ہے جو علی کے افضل ہونے اور امام ہونے کو ثابت کرے بلکہ علی کے سارے فضائل مشترک ہیں اس قسم کے مشترک فضائل سے یہ تو فائدہ ہوتا ہے کہ حضرت علی کے ایمان اور ان کی ولایت کی تائید سے ان فرقوں کی تردید ہوتی ہے جو علی کو فاسق اور فاجر کہتے ہیں اور انکی شان میں وہی باتیں بناتے ہیں جیسے شیعی علماء خلفاء کی شان میں دل آزار اور بے بنیاد باتیں اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کے لگاتے ہیں حضرت علی کے جو فضائل واقعی ثابت ہیں اُن میں

اصل یہ ہے کہ ان ہی فرقوں کا رد ہے جیسا کہ خلفاء ثلاثہ کے فضائل میں شیعی علما کی خیال آفرینیوں کا پورا جواب ہوتا ہے۔ مثلاً عثمان کی شان میں شیعہ اور خوارج دونوں فرقے سخت گستاخی کرتے ہیں لیکن شیعان عثمان آپ کے ایمان اور امام ہونے پر پورا عقیدہ رکھتے ہیں اور طرح طرح کے اعتراض علی کی امامت پر کرکے انھوں نے ایک طوفان برپا کر دیا ہی لیکن وہ اپنی اس بدعت میں اُن لوگوں سے بدرجہا بہتر ہیں جو علی کے سوا سب کو ہی بُرا کہتے ہیں زیدیہ فرقے کے لوگ جو ابوبکر و عمر کی سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں اسمیں بہت مضطرب ہیں۔

اَب یہ بات غور کرنے اور سمجھنے کی ہے کہ اپنے زمانہ حیات میں کسی کو اپنا خلیفہ بنانا درحقیقت ایک طرح کی نیابت ہے جسکی ہر حاکم کو ضرورت پڑتی ہے یہ کچھ ضرور نہیں کہ جو حضور انور کے زمانہ حیات میں بعض لوگوں پر خلیفہ ہونے کے قابل ہوا ہو وہ حضور انور کی وفات کے بعد بھی اس کا ضرور قابل ہو دیکھو حضور انور نے اپنی زندگی میں بہت سے آدمیوں کو خلیفہ کیا تھا مگر آپ کی وفات کے بعد ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو کسی طرح خلافت کے قابل نہیں ہو سکتے تھے جیسا کہ بشر بن منذر وغیرہ وجہ یہ ہے کہ آپ کی زندگی میں تو آپ سے ان امور کی بازپرس ہو سکتی ہی جو آپ کے ذمہ واجب تھے مثلاً لوگوں کے حقوق وغیرہ کی حفاظت کرنی لیکن آپ کی وفات کے بعد ان امور میں آپ سے کسی کی بازپرس نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ نے تبلیغ رسالت کی امانت ادا کر دی اور اُمت کو ہر طرح سے نصیحت کر دی۔ بس آپ کی زندگی میں دشمنوں سے جہاد کرنا مال فی سبیل اللہ تقسیم کرنا۔ حدود الٰہی قائم کرنا۔ عاملوں کو مقرر کرنا وغیرہ وغیرہ آپ پر واجب تھا جیسا کہ آپ کے بعد اور ولاۃ الامر پر واجب ہوا لیکن آپ کی وفات کے بعد ان میں سے کوئی چیز واجب نہیں رہی اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ زندگی میں خلیفہ کرنے کی صورت اور ہے اور مرنے کے بعد خلیفہ کرنے کی صورت دوسری ہے مثلاً اگر کوئی اپنی زندگی میں اپنی اولاد پر اپنا خلیفہ کر دے اور اپنی اولاد کے ساتھ سلوک کرنے کی اُسے ہدایت کر دے تو یہ مخصوص وکیل ہوگا جو کچھ اُسکے موکل نے اُسے حکم دیا ہوگا یہ اُسی کو انجام دیگا اور اگر کسی نے اپنی اولاد پر اپنے مرنے کے بعد کے واسطے خلیفہ کیا ہے تو وہ وکیل نہ ہوگا بلکہ مستقل ہوگا اُسے اختیار ہوگا کہ وہ ہر کام کو مصلحت دیکھ کر اپنی مرضی سے کرے اسی طرح اولو الامر یعنے حاکموں کا حال ہے کہ اگر ان میں سے کوئی اپنی زندگی میں کسیکو خلیفہ بنا دے تو یہ خلیفہ خاص خاص مقدموں میں

اُسکے حکم کے مطابق کریگا لیکن اگر کسی نے اپنے مرنے کے بعد کے واسطے کسی کو خلیفہ بنایا تو اُس خلیفہ کو پیش آنے والے اُمور میں اپنے اختیار سے تصرف کرنے کا حق ہوگا کیونکہ اس تصرف کی نسبت خاص اُسی کی طرف کیجائیگی نہ کہ میت کی طرف جس نے اُسے خلیفہ بنایا ہی بخلاف اُس وکیل کے جو اپنے موکل کی زندگی میں اُسکے حکم کو انجام دے امور کی اس قسم کی انجام وہی موکل ہی کی طرف منسوب ہوتی ہی نہ کہ اُس وکیل کی طرف۔ اس بحث سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان دونوں صورتوں میں بعد المشرقین ہے بالغ نظر اور سمجھدار آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر کسی نے اپنی زندگی میں بعض کاموں پر کسی کو خلیفہ کردیا ہو اور وہ خلافت ختم بھی ہوگئی ہو تو پھر اُسکے مرنے کے بعد بھی وہی خلیفہ ہو تعجب ہے کہ شیعی علمار نے اس پر غور نہیں کیا حالانکہ وہ معقول اور منقول کے علم کے سب سے زیادہ مدعی ہیں ایک اچھی سمجھ کا نوجوان لڑکا بھی ان باتوں کو سمجھ سکتا ہے۔

شیعی علما کی چوتھی حدیث

(بقول شیعی علمار) حضور انور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جمہور نے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے امیر المومنین سے فرمایا تھا انت منی بمنزلۃ اخی ووصی وخلیفتی من بعدی وقاضی دینی" یعنے تم میرے لیئے بمنزلہ میرے بھائی میرے وصی میرے بعد میرے خلیفہ اور میرے قرض کے ادا کرنے والے کے ہو پھر شیعی علمار فرماتے ہیں کہ یہ اس بارے میں نص ہے۔

جواب

اول ہم اس حدیث کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں کیونکہ یہ حدیث ان کتابوں میں سے کسی میں نہیں ہے جنکے مصنفین کے محض نقل کردینے کی اسناد سے حجت ہوجاتی ہے نہ ائمہ حدیث میں سے کسی امام نے اُسے صحیح کیا اسکے علاوہ شیعی علمار کا یہ فرمانا کہ اُسے جمہور نے روایت کیا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ جمہور سے کون لوگ مراد ہیں اگر وہ علمار حدیث مراد ہیں جو اپنی کتابوں میں قابل حجت حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ جیسے امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ اور اُنھوں نے اُسے صحیح کہا ہے تو یہ اُن علمار پر یقیناً بہتان اور افترا ہے اور اگر جمہور سے یہ مراد ہے کہ ابونعیم اور خطیب۔ خوارزمی وغیرہ نے لکھ مارا ہے تو یہ کسی طرح بھی جمہور نہیں ہو سکتے۔ ان کی کتابوں میں اس حدیث کا منقول

ہونا کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتا اسپر سب علماء کا اتفاق ہے - یہانتک کہ اصول تو اصول کسی فروعی مسئلے میں بھی ان کا نقل کرنا حجت نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ امامت کے مسئلے میں حجت ہو جسپر شیعی علماء کی طبع آزمائیاں - خیال آفرینیاں اور تراش خراش نے ایک عجیب کیفیت پیدا کر رکھی ہے -

دوسرے یہ کہ یہ حدیث بالکل جھوٹ اور موضوع ہے اور اُسکے جھوٹ اور موضوع ہونے پر کل محدثین کا اتفاق ہے بقول ابن حزم کے اس قسم کی سب حدیثیں موضوع ہیں جسے احادیث اور ان کی نقل سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ جان سکتا ہے کہ یہ حدیث اور اس جیسی اور حدیثیں ضعیف ہی نہیں بلکہ یقیناً جھوٹی اور موضوع ہیں اسی واسطے محدثین میں سے کسی نے بھی اُسے ان کتابوں میں نقل نہیں کیا جنکی حدیثوں سے حجت قائم کی جاتی ہے ہاں ان لوگوں کی کتابوں میں یہ حدیثیں موجود ہیں جنمیں جھوٹی سچی سب حدیثوں کا انبار لگا ہوا ہے سچی کم اور جھوٹی زیادہ ثعلبی اور واحدی وغیرہ کی تفسیروں کا بیان ہم پہلے کر چکے ہیں - ان میں اسی قسم کی غلط اور موضوع روایتیں بھری ہوئی ہیں اسی طرح وہ کتابیں ہیں جو لوگوں نے فضائل میں تصنیف کی ہیں خاصکر خطیب خوارزم جو جھوٹی حدیثوں کے نقل کرنے میں سب کا استاد ہے اس قسم کی روایتوں کے جمع کرنے کا یا ایسے جھوٹے فضائل کے تصنیف کرنیکا بڑا ملکہ رکھتا ہے اُس نے جو فضایل جمع کیئے ہیں وہ ایسے ہی جھوٹے اور بے جوڑ ہیں -

تیسرے یہ کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا قرض علی نے کبھی ادا نہیں کیا بلکہ صحیح حدیث میں ہے کہ جب حضور انور کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ تیس وثق جو کے عوض ایک یہودی کے ہاں رہن تھی یہ جو آپ نے اپنے گھر کے خرچ کے واسطے لیئے تھے بس یہی ایک قرض تھا جو آپ کے ذمے تھا اور جو اس زرہ سے ادا کر دیا گیا تھا جسے آپنے رہن رکھا تھا باقی اسکے علاوہ اور قرض حضور انور کے ذمے ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہے ایک صحیح حدیث میں آیا ہے آپنے فرمایا کہ میرے وارث نہ دینار تقسیم کرینگے اور نہ درہم کیونکہ میں اپنی بیبیوں کے خرچ اور عاملوں کی تنخواہوں کے سوا جو کچھ چھوڑوں وہ سب صدقہ ہے پس اگر آپ کے ذمے کچھ اور قرض ہوتا تو آپ کے ترکے میں سے پہلے وہ قرضہ ہی ادا کیا جاتا کیونکہ یہ صدقے ہونے سے مقدم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آ چکا ہے

شیعی علماء کی پانچویں برہان حدیث مواخاۃ

(بقول شیعی علماء) انس روایت کرتے ہیں کہ مباہلہ کے دن جب نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور

انصار میں مواخاۃ کرائی تو علی خاموش کھڑے ہوئے تکتے رہے اور جب یہ معاملہ ختم ہو گیا تو انھیں سخت مایوسی ہوئی اور وہ روتے ہوئے اپنے گھر واپس چلے آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کو جب اس صورت سے واپس جاتے دیکھا تو صحابہ سے دریافت کیا کہ یہ بات کیا ہے کہ علی ایسے مغموم ہو کے واپس گئے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا ہم نہیں کہہ سکتے کہ علی کیوں روتے ہوئے اور آنکھیں ملتے ہوئے واپس گئے جب علی گھر پہنچے تو فاطمۃ الزہرا کو سخت تعجب ہوا کہ علی کی آج کیا حالت ہے۔ انھوں نے تعجب سے دریافت کیا آپ روتے کیوں ہیں۔ علی نے جواب دیا کہ رسول اللہ نے مہاجرین اور انصار میں تو مواخاۃ کرا دی مگر میری کسی سے مواخاۃ نہیں کرائی اس پر بی بی فاطمہ نے فرمایا رونے کی کوئی بات نہیں ہے تم کیوں آزردہ ہوتے ہو۔ والد ماجد نے شاید تمھیں اپنے لیئے رہنے دیا ہو۔

یہ گفتگو ہی ہو رہی تھی کہ بلال پہنچے اور انھوں نے علی سے کہا کہ رسول اللہ یاد فرماتے ہیں ابھی میرے ساتھ چلو۔ علی اسیوقت بلال کے ساتھ چلے آئے۔ جوں ہی حضور انور نے انھیں دیکھا ارشاد کیا اے ابوالحسن تم کیوں روتے تھے۔ علی نے اپنے رونے کا سبب بیان کیا رسول اللہ نے فرمایا کہ میں نے تمھیں تو اپنے لیئے رکھ چھوڑا تھا کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ نبی کے بھائی ہو عرض کیا کیوں نہیں۔ پھر رسول اللہ علی کا ہاتھ پکڑ کے ممبر پر کھڑے ہوئے اور یہ دعا کی " خداوندا یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں "

پھر اپنے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کے فرمایا یاد رکھو علی میرے لیئے ایسا ہے۔ جیسا موسٰی کے لیئے ہارون تھا۔ یاد رکھو جسکا میں مولٰی ہوں علی بھی اُس کا مولٰی ہے۔

جب علی وہاں سے (شادان و فرحان) چلنے لگے تو عمر اُن کے پیچھے پیچھے ہو لئے اور یہ کہا اے ابوالحسن واہ واہ اَب تو تم میرے اور سب مسلمانوں کے مولٰی ہو گئے۔ پس یہ مواخاۃ افضلیت پر دلالت کرتی ہے۔ لہذا علی کے سوا اور کون امام ہو سکتا ہے۔ فقط

جواب

یہ عجیب و غریب کہانی شیعی علماء نے بغیر کسی اصلی یا فرضی سند کے لکھدی ہے۔ عموماً ابتک تو یہ قاعدہ رہا کہ ہر کہانی کو کسی نہ کسی کی طرف ضرور منسوب کیا گیا غلط یا صحیح مگر اس کہانی کو بالکل معلق چھوڑ دیا اور کوئی جھوٹی سچی سند اسکی نقل نہیں کی۔ جب سند ہی کوئی نہیں تو اَب اس پر انسان گفتگو

ہی کیا کرے ایسی ایسی کہانیاں بلکہ اس سے متین اور کہیں سنجیدہ تو مشرقی قصّہ گو اچھی طرح گھڑ سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا یہ سوال باقی رہتا ہے کہ یہ قصّہ شیعی علمار نے کہاں سے اُڑایا اور کس عجیب و غریب کتاب سے نقل کیا۔

دوسرے۔ اہل حدیث کے نزدیک یہ روایت بالکل موضوع ہے اور محدثین اُسکے موضوع ہونے پر مطلق شبہ نہیں کرتے۔ جسے علم حدیث سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ اُسکے جھوٹ ہونے کی صاف شہادت دیگا۔ ہم عنقریب اس کا بیان کریں گے۔

تیسرے۔ یہ تو یہ علی سے مواخاۃ ہونے کی جتنی حدیثیں ہیں سب موضوع ہیں۔ حضور انور رسول خدا نے کسی سے مواخاۃ نہیں کی نہ آپ نے ایک مہاجر کی دوسرے مہاجر سے کرائی۔ نہ ابوبکر و عمر میں نہ ایک انصاری کی دوسرے انصاری سے کرائی۔ اس پر ہم کافی طور پر اپنے گزشتہ صفحات میں بحث کر چکے ہیں۔ یہاں چونکہ دوبارہ ذکر آگیا ہے لہٰذا اس قصّہ پر اور روشنی ڈالتے ہیں۔ اسکی اصلی کیفیت یہ ہے کہ مدینہ میں جب آپ تشریف لائے تو آپ نے مہاجرین اور انصار میں بے شک مواخاۃ کرائی تھی۔

چوتھے۔ اس حدیث کے جھوٹی ہونے کی کئی کھلی ہوئی دلیلیں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ شیعی علمار فرماتے ہیں کہ مباہلہ کے دن مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ کرائی گئی تھی حالانکہ یہ بالکل غلط ہے مباہلہ تو نجران کے نصاریٰ کے وفد (ڈیپوٹیشن) کے آنے پر ہوا تھا جو سنہ ۹ یا سنہ ۱۰ ہجری میں مدینہ آیا تھا اور جب ہی آل عمران کی سورۃ نازل ہوئی تھی۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مباہلہ مواخاۃ کے بعد ہوا ہے۔ اسکے علاوہ نصاریٰ سے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ نہیں کیا۔ ہاں اسکی دعوت حضور انور نے انھیں بے شک دی تھی اُنھوں نے اس دعوت پر آپ سے مہلت مانگی اور باہم مشورہ کیا اور سب نے یک زبان ہو کے کہدیا کہ آپ بیشک نبی ہیں اور نبی سے جب کسی قوم نے مباہلہ کیا ہے وہ نیست و نابود ہو گئی ہے ہم آپ سے مباہلہ نہیں کرتے بلکہ جزیہ دینے کا اقرار کرتے ہیں چنانچہ اُنھوں نے جزیہ دینے کا اقرار کر لیا اور مباہلہ پر بالکل آمادہ نہیں ہوئے۔ اہل کتاب میں سب سے پہلے لوگ تھے جنھوں نے جزیہ دینے کا اقرار کیا تھا اور اسپر سارے علمار متفق ہیں کہ اُس روز مواخاۃ نہیں ہوئی اور نہ مواخاۃ کی اُسوقت کچھ ضرورت تھی۔

پانچویں۔ مہاجرین اور انصار میں سنہ ۱ ہجری میں بنی نجار کے گھر مواخاۃ ہوئی تھی اس لحاظ

سے مباہلہ اور اُس کے درمیان کئی سال کا فاصلہ ہوا۔

چھٹے۔ مواخاۃ تو مہاجرین اور انصار میں ہوئی تھی جیسا کہ ہم کئی بار ثابت کر چکے ہیں اور حضور انور اور علی مہاجرین میں سے تھے۔ مہاجرین کی مہاجرین کے ساتھ مواخاۃ کیسی۔ ہاں حضور انور نے علی اور سہل بن حنیف میں مواخاۃ ضرور کرائی تھی اور بس۔ اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ خود آپ نے علی سے مواخاۃ نہیں کی۔ صحیحین سے بھی یہی ثابت ہے کہ مواخاۃ مہاجرین اور انصار میں ہوئی تھی ایک مہاجر کی دوسرے مہاجر سے کبھی نہیں ہوئی اور نہ اس کی ضرورت تھی۔

ساتویں۔ پھر حضور انور کا علی سے یہ فرمانا کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لیئے ایسے ہو جیسے موسٰے کے لیئے ہارون تھے محض غلط اور بالکل غلط ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ غزوۂ تبوک میں جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں آپ نے ایک دفعہ ضرور فرمایا تھا باقی اور کسی موقع پر ایسا نہیں فرمایا۔ اسپر کل محدثین کا اتفاق ہے۔

اَب رہی موالاۃ کی حدیث اسکی بحث بھی ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں مگر یہاں اور چند الفاظ اس کی نسبت کہنا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

اس حدیث کو جن لوگوں نے روایت کیا ہے وہ خود اس بات کے قائل ہیں کہ یہ آپ نے فقط ایک مرتبہ غدیر خم کے موقع پر فرمایا تھا۔ اِسکے سوا پھر کبھی نہیں فرمایا۔

آٹھویں **مواخاۃ** پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔ اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ اس میں صاف طور پر عموم اور اطلاق ہے۔ لہٰذا نہ اس سے افضلیت ثابت ہو سکتی ہے اور نہ امامت۔ بلکہ ابوبکر کے لیئے ایسی فضیلت ثابت ہے کہ اسمیں ان کا کوئی شریک نہیں بن سکتا۔ حضور انور نے فرمایا ہے ولو کنت متخذا خلیلا لا تخذت ابابکر خلیلا، اس کے علاوہ حضور انور کا بار بار یہ فرمانا کہ مجھے سب سے زیادہ ابوبکر سے محبت ہے اور پھر صحابہ کا اس پر شہادت دینا کہ بے شک رسول اللہ کو سب سے زیادہ ابوبکر سے محبت تھی ایسی دلیلیں ہیں جو اس بات کو صاف ظاہر کرتی ہیں کہ مواخاۃ کی روایتوں سے استدلال کرنا نقلاً اور دلالۃً ہر طرح باطل اور سراسر غلط ہے۔

نویں۔ بعض لوگ اس طرف بھی گئے ہیں کہ مواخاۃ صرف مہاجرین میں کرائی گئی تھی اس بارے میں بھی بہت سی روایتیں نقل کی گئی ہیں لیکن ٹھیک اور یقینی بات یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا تھا اور اسکی

بابت جتنی روایتیں ہیں وہ سب باطل ہیں۔ یا تو ان کے راویوں نے قصداً جھوٹ بولا ہے اور یا اُن سے غلطی اور خطا ہو گئی ہے اسیوجہ سے اہل صحیح نے ان روایتوں میں سے کوئی روایت نقل نہیں کی یہ ایسے ہیں کہ جسے احادیث صحیحہ۔ سیر متواترہ اور حضور انور کے احوال و مواخاۃ کے سبب مقصود اور فائدہ سے کچھ بھی واقفیت ہو تو وہ اُنھیں بخوبی معلوم کر سکتا ہے۔

بات یہ ہے کہ حضور انور نے مہاجرین اور انصار میں صلہ رحمی پیدا کرنے کے خیال سے مواخاۃ کرائی تھی اس تعلق کی وجہ سے یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے یہانتک کہ خداوند تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی و اولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ الخ" اس کے بعد یہ آیۃ نازل ہوئی۔ والذین عقدت ایمانکم فاٰتوھم نصیبھم"

فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ آیت محکم ہے یا نہیں اس کی وجہ سے نسبی رشتہ دار ہونے پر بھی وارث ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس میں دو قول ہیں پہلا قول امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ دوسرا امام مالک اور شافعی کا۔ اور امام احمد سے یہ دونوں روایتیں ہیں۔

شیعی علماء کی جھوٹی حدیث یا روایتی بُرہان

(بقول شیعی علماء) تمام جمہور نے یہ روایت کیا ہے کہ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ۲۹ روز خیبر کا محاصرہ کیے رکھا تو جھنڈا علی کے پاس تھا مگر اتفاق سے اُن کی آنکھیں ایسی دُکھنے آگئیں کہ جھنڈا نہ رکھ سکے مخالفوں کی طرف سے ایک شخص مرحب نامی گرجتا ہوا اور کڑکتا ہوا باہر نکلا اور مسلمانوں سے مخاطب ہوا اور کہا آؤ اگر کسیکو میرے مقابلہ کی تاب ہے۔ رسول اللہ نے ابوبکر کو بلایا اور کہا جھنڈا لو اور اس پہلوان کے مقابلہ میں جاؤ۔ چنانچہ بادل ناخواستہ ابوبکر نے جھنڈا لیا اور تھوڑی دور جا کے اُلٹے واپس چلے آئے اور مرحب کے مقابلہ میں جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ پھر عمر کو بلا کے رسول اللہ نے جھنڈا دیا وہ بھی تھوڑی دور گئے مگر مرحب کے مقابلہ کی تاب نہ لا کے بھاگے۔ اخیر رسول اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسا آدمی دکھاؤں گا جو اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتے ہیں وہ کبھی بھاگنے والا نہیں ہے۔

علی آئے رسول اللہ نے اپنا آب دہن علی کی آنکھوں پر مل دیا۔ علی کی آنکھیں فوراً کھل گئیں آپ

نے اپنا جھنڈا علی کو دیدیا۔ اللہ نے ان ہی کے ہاتھوں پر فتح کی۔ مرحب قتل ہوا۔ رسول اللہ کا یہ تعریف کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وصف علی کے سوا اور کسی میں نہیں ہے اور یہ ان کے افضل ہونے کی دلیل ہے لہذا وہ امام ہوئے۔

جواب

مجھے سخت تعجب ہے کہ خیبر کا فسانہ ابھی تک عوام کے اسی طرح نوک زبان ہے جس طرح جدت پسند طبائع نے اُسے تراشا تھا۔ اس جنگ کی پوری اور اصلی کیفیت پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی قاعدہ جنگ ہی سے ناواقف نہ تھے بلکہ لڑتے وقت اُنھیں دشمن کی حالت اور اُس کی گھاتوں سے مطلق خبر نہ رہتی تھی۔ اس جنگ میں علی سے ایسی سخت غلطی ہوئی جس سے مسلمانوں کو چشم زخم اُٹھانا پڑا۔ دوسرے اس جنگ سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ علی تنہا لڑنے میں تو بہت مشاق تھے باقی ان میں یہ بھی قابلیت نہ تھی کہ وہ سو دو سو آدمیوں کو بھی باقاعدہ لڑا سکتے کل مورخ اس پر متفق اللفظ ہیں کہ خیبر کی کل گھاٹیاں علی کے ہاتھ پر فتح نہیں ہوئیں چونکہ اس جنگ میں ان سے سخت غلطی ہوگئی تھی اور اسی وجہ سے یہ پیچھے رہ گئے تھے رسول اللہ نے اُنھیں بلایا اور جھنڈا دے کے کہا کہ تم دروازہ میں داخل ہو جو فتح ہو چکا ہے۔ چونکہ علی کو سخت رنج پہنچا تھا اُنھیں دلاسا دے کے خوش کر دیا۔ علی جس وقت جھنڈا لے کے اندر داخل ہوئے ہیں اس سے پہلے خیبری اپنے کو سپرد کر چکے تھے اور علی کے داخل ہونے پر نکسیر تک کسی کی نہیں پھوٹی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ غل و شور محض ہوائی باتوں پر کیوں اسقدر مچا رکھا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بات ساری یہ ہے کہ جب کسی شخص کی ذات کل اوصاف سے خالی ہوتی ہے اور واقعی خوبیاں اس میں نہیں ہوتیں اور اُس کے معتقد اُس کی تعریف کرنا چاہتے ہیں تو وہ دنیا بھر کے فرضی اوصاف زبردستی اُسکے سر چیپک دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنے پیر کی بڑی کارگزاری کی حالانکہ اس سے بالغ نظروں میں اس پیر کی وقعت اور کم ہو جاتی ہے اور کچھ ذرا ذہور اگر اُس میں کوئی وصف بھی ہوتا ہے تو وہ بھی فرضی اوصاف کی رو میں بہ جاتا ہے۔

جو روایت شیعی علماء نے بیان کی ہے اُس پر کل محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ بالکل غلط اور موضوع ہے ہاں صحت کے ساتھ جو روایت کتب حدیث میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے۔

جنگ خیبر میں علی غیر حاضر رہے۔ عذر یہ تھا کہ اُن کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ مگر زیادہ عرصہ رسول اللہ

کی شرف ملازمت سے غیر حاضری علی کو کٹھن گزری تو آپ خود ہی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اُن کے پہنچنے سے پہلے رسول اللہ نے یہ فرمایا تھا کہ جھنڈا آج اُسے دوں گا جو اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتے ہیں۔

اس سے پہلے نہ جھنڈا ابو بکر کو دیا تھا اور نہ عمر کو۔ عمر نے یہ بھی کہا کہ اُس روز سب کی خواہش تھی کہ جھنڈا اُسے ملے چنانچہ میری بھی یہی خواہش تھی۔ صبح ہونے پر رسول اللہ نے علی کو بلوایا علی آ گئے۔ آپ نے اپنا آب دہن اُن کی آنکھوں میں لگا دیا۔ اُنھوں نے آنکھیں کھولدیں۔ آپ نے انھیں جھنڈا دیدیا کہ کچھ تو علی کی بھی اپنے بخششوں میں توقیر ہو۔ بگی پکائی تھی صرف قلعہ میں داخل ہونا تھا اور بس۔

یہ روایت بیشک صحیح ہے اور ثقہ راویوں نے اُسے روایت کیا ہے مگر واقعات خیبر پر اس سے کچھ بھی روشنی نہیں پڑتی۔

دوسرے یہ کہ رسول اللہ کا یہ فرمانا کہ علی اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتے ہیں اگر صحیح ہی تو فرقہ نواصب پر رد ہے۔ لیکن جن شیعی علماء کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد صحابہ مرتد ہو گئے تھے وہ اس سے استدلال نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اُن کے مقابلہ میں خوارج کا یہ قول ہے کہ علی بھی مرتدین ہی میں سے تھے۔

اشعری نے کتاب المقالات میں لکھا ہے کہ علی کے کافر ہونے پر تمام خوارج کا اجماع و اتفاق ہے۔ اس کا جواب اگر کچھ دیا یا دیں گے تو شیعی ہی دینگے مگر جو دلیلیں علی کے مسلمان ہونے کی بیان کی جائیں گی وہ مشترک ہونگی یعنی باقی صحابہ ثلثہ کے ایمان اور کامل الایمان ہونے کا ثبوت بھی اِن ہی دلیلوں سے معلوم ہو جائے گا۔ آپ دیکھئے کہ جو دلیلیں صحابہ ثلثہ کے ایمان ثابت کرنے کی دیجاتی ہیں اُن میں شیعی علماء نقص نکالتے ہیں۔ لہذا شیعی علماء خوارج کے مقابلہ میں اس پر کوئی دلیل نہیں قائم کر سکتے کہ علی کی موت ایمان پر ہوئی۔ جو دلیل علی کے ایمان کی پیش کیجائے اسی میں ایسا نقص ہی جو شیعی اصل قاعدہ ہی کو باطل کر دے گا کیونکہ اصل قاعدہ ہی میں گڑبڑ ہے۔

جو وصف علی کا مذکورہ حدیث میں بیان ہوا ہے یہ کسی طرح بھی کوئی خصوصیت نہیں رکھتا بلکہ اور صحابہ بھی ایسے ہیں جو اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ اور اللہ کا رسول اُن سے محبت رکھتا ہے۔

اس حدیث میں خاص علی ہی کے لیئے شہادت ہونی بعینہٖ ایسی ہی ہے جیسی حضور انور نے عشرہ مبشرہ کے لیئے جنتی ہونے کی شہادت دی تھی اور جیسا ثابت بن قیس کے لیئے جنت کی شہادت دی تھی اور عبدالرحمان کے لیئے یہ شہادت دی تھی کہ انھیں اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت ہے حالانکہ یہی عبدالرحمان کئی بار شرعی حدود میں پٹ بھی چکے تھے۔

باقی شیعی علمار کا یہ دعوٰی کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ وصف علی کے سوا اور کسی میں نہیں ہے دو طرح سے باطل ہی۔

اوّل یہ کہ اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے فقط اتنی خصوصیت نکلتی ہی کہ یہ فتح علی کے ہاتھوں ہوگی مگر اس ایک خاص فتح کے علی کے ہاتھوں پر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ علی سب سے افضل ہو جائیں چہ جائے کہ وہ اس خصوصیت سے امامت کے مستحق ہوں۔

دوم۔ ہم خصوصیت ہی کو تسلیم نہیں کرتے یعنی ہم اسے نہیں مانتے کہ اس سے خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کسی نے یہ کہا کہ میں یہ روپیہ ایک فقیر کو یا ایک نیک آدمی کو دوں گا یا یہ کہا کہ آج میں ایک بیمار صالح آدمی کو بلاؤنگا یا یہ جھنڈا ایک بہادر آدمی کو دونگا تو ان سب لفظوں میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے کہ جو اُسے ثابت کرے کہ یہ صفت فقط ایک ہی آدمی میں پائی جاتی ہے بلکہ یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس صفت کے آدمی کے ساتھ ان کی خصوصیت ہے۔

اب رہا یہ کہ اور کسی میں بھی یہ صفت ہے یا نہیں اس کا اس میں کچھ ذکر نہیں ہے۔ فرض کرو کسی نے یہ نذر مانی کہ میں ایک ہزار روپے کسی نیک اور فقیر کو صدقہ دوں گا اور پھر وہ کسی کو دیدے تو اس سے یہ لازم نہیں آیگا کہ جس شخص کو یہ روپے دیئے وہی نیک اور فقیر تھا اور دوسرا زمانہ میں نہ کوئی نیک ہی نہ فقیر۔ اسے بھی جانے دو اب نفس معاملہ پر خیال کرو اگر اسوقت ہم علی کا افضل ہونا مان بھی لیں تو اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ انکے بعد بھی ان سے کوئی افضل نہوگا۔

اسی طرح اگر ہم ان کی افضلیت کو تسلیم بھی کر لیں تو یہ اُن کے امام معصوم منصوص علیہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بہتیرے شیعہ زیدیہ اور متاخرین معتزلہ وغیرہ علی کے افضل ہونے کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور پھر ابوبکر ہی کو امام کہتے ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک مفضول کا امام ہونا جائز ہے ان کے سوا اس کے جواز کے اکثر وہ لوگ بھی قائل ہیں جو خلفائے اربعہ میں ایک کو دوسرے پر

فضیلت دینے میں توقف کرتے ہیں یا جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مسئلہ ظنی ہے اور کہتے ہیں کہ اس میں کوئی یقینی دلیل کسی خاص شخص کی فضیلت پر قائم نہیں ہو سکتی۔

خلاصہ یہ ہے جنھیں سنت صحیحہ سے کچھ واقفیت نہیں ہے وہ اس میں شک کرتے ہیں باقی مشہور ائمہ مسلمین اسپر متفق ہیں کہ ابوبکر اور عمر عثمان اور علی سے بیشک افضل ہیں اور اس اجماع کو بہت سے علماء نے نقل کیا ہے چنانچہ بیہقی نے کتاب مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ ابوبکر و عمر کو تمام صحابہ سے مقدم اور افضل ہونے میں صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ امام مالک نے نافع سے اُنھوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ کے زمانہ اور آپ کی موجودگی میں ہم صحابہ کو فضیلت دیا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ کے بعد سب سے بہتر اور افضل تو ابوبکر ہیں اور اُن کے بعد دوسرے درجہ میں عمر ہیں۔

یہ بحث ہمارے گزشتہ صفحات میں بھی ہو چکی ہے۔ اسی بارے میں خود علی سے ایسی روایتیں متواتر منقول ہیں اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اہل علم کو اس پر پورا پورا یقین ہے جو شخص اللہ کے پیغمبر اور اُس کے صحابہ کے سچے حالات سے واقف ہو وہ اُس میں ہرگز شبہ نہیں کر سکتا۔

شیعی علماء کی ساتویں حدیث طائر

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ تمام جمہور کا اسپر اتفاق ہے کہ رسول اللہ کے لیئے ایک شخص بُھنا ہوا پرند لایا حضور انور نے اُسوقت یہ دعا کی خداوندا میرے پاس ایسے آدمی کو بھیجدے جو تجھے اور مجھے تیری ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہو تاکہ میرے ساتھ اس بُھنے ہوئے پرند کے کھانے میں شریک ہو جائے۔ یہ دعا فوراً درجۂ اجابت کو پہنچی اور علی آحاضر ہوئے اور دروازہ پر دستک دی۔ انس نے یہ کہدیا کہ رسول اللہ اپنے کسی خاص کام میں ہیں ابھی دروازہ نہیں کھلتا۔ علی یہ سن کے چلے گئے۔ پھر رسول اللہ نے دوبارہ دعا کی پھر علی آئے اور پھر انس نے یہی کہہ کے اُنھیں واپس کر دیا۔ سہ بارہ حضور انور نے دعا کی اور معًا علی آکے پہنچے اور آپؐ کے دروازہ اس زور سے کھٹکھٹایا کہ حضور انور نے بھی اُسکی آواز سُن لی دریافت کیا کون ہے۔ انس نے کہا علی۔ حکم ہوا اندر بلالو۔ علی اندر آئے حضور انور نے پوچھا علی اتنی دیر کہاں تھے۔ علی نے عرض کیا کہ میں تو اس

سے پہلے دو دفعہ ہو گیا تھا انس نے کہہ کہہ دیا کہ حضور انور خاص کام میں ہیں میں واپس چلا چلا گیا اسپر انس سے دریافت کیا تم نے ایسا کیوں کیا۔ عرض کیا محض اس لیئے کہ یہ دعا انصار کے حق میں ہو جائے حضور انور نے فرمایا اے انس کیا انصار میں کوئی علی سے افضل ہے؟ پس جب اللہ کو اس کی ساری مخلوق سے علی محبوب ہوئے تو ان کا امام ہونا واجب ہے۔

جواب

اسکے چند جواب ہیں۔ اوّل تو یہ کہ یہ حدیث محض غلط اور موضوع یا بناوٹی ہے دوسرے جمہور پر اسکے نقل کرنے کا صرف اتہام ہی اتہام ہے۔ کیونکہ اصحاب صحاح میں سے اس پرند والی حدیث کو کسی نے بھی روایت نہیں کیا اور نہ ائمہ حدیث نے اُسے صحیح کہا۔ ہاں یہ ان روایتوں میں سے ہے جنہیں بعض لوگوں نے نقل کیا ہے جیسا اُنھوں نے علی کے سوا اوروں کے فضائل میں بھی ایسی ہی روایتیں نقل کی ہیں۔ بلکہ امیر معاویہ کے فضائل میں تو بہت سی حدیثیں مروی ہیں یہانتک کہ لوگوں نے مستقل کتابیں تک لکھ ڈالیں کہ اگر علی کی فضیلت کی کل روایتیں جمع کی جائیں تو معاویہ کی فضیلت کی حدیثوں سے وہ روایتیں 1/16 حصہ تعداد میں نکلیں گی لیکن محدثین نہ انھیں صحیح کہتے ہیں نہ انھیں۔

دوسرے۔ اہل علم کے نزدیک یہ پرند والی حدیث مکذوبات موضوعات میں سے ہے کسی نے اس حدیث کی نسبت حاکم نیشاپوری سے پوچھا تھا اُنھوں نے یہ جواب دیا کہ یہ حدیث کسی سند سے صحیح نہیں ہے۔ تماشہ یہ ہے کہ حاکم شیعی مذہب کی طرف کافی میل رکھتا ہی لوگوں نے چاہا کہ وہ اسیطرح معاویہ کے فضائل کی حدیثیں بھی روایت کرے جس طرح وہ علی کی کیا کرتا ہے اُس نے یہ جواب دیا کہ میرا دل ہی قبول نہیں کرتا کہ معاویہ کی فضیلت کی ایک حدیث بھی بیان کروں اربعین میں اُس نے بہت سی ضعیف بلکہ موضوع حدیثیں نقل کی ہیں مگر اس کا اور اس جیسے اور علماء مثل ابن عبد البر وغیرہ کا شیعہ ہونا اس درجہ کا نہیں ہے کہ یہ علی کو ابوبکر و عمر پر فضیلت دینے لگیں بلکہ اُن کے شیعی ہونے کی حد یہ ہے کہ یہ علی کو عثمان پر فضیلت دیدیتے ہیں یا اُن کے مقابلین کی تعریف بیان کرنے سے اعراض کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

تیسرے یہ کہ صرف پرندے کے کھانے میں تو کوئی ایسا امر نہیں ہو سکتا کہ اُسکے کھانے کا

لیے وہ آدمی طلب کیا جائے جو خدا کی کل مخلوق سے محبوب ہو کیونکہ کھانا کھلانا تو نیک و بد سب کے لیے مشروع ہے اور محض کھانے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک کوئی بڑائی اور قربت نہیں ہے نہ اسمیں دین و دنیا کی کوئی مصلحت ہے۔

چوتھے۔ یہ حدیث شیعی مذہب کے بالکل خلاف اور مناقض ہے کیونکہ شیعہ قائل ہیں کہ نبی اس بات کو خوب جانتے تھے کہ علی اللہ کے نزدیک اُس کی ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں اور یہ کہ رسول اللہ نے اپنے بعد علی کو خلیفہ بھی کر دیا تھا۔ مگر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپکو اسکی خبر نہ تھی کہ اللہ کے نزدیک اسکی ساری مخلوق میں اس کا محبوب کون ہے۔

پانچویں۔ یا تو رسول اللہ اس بات کو جانتے تھے کہ خدا کی ساری مخلوق میں علی محبوب ہیں یا نہیں جانتے تھے۔ اگر اسے آپ جانتے تھے تو ممکن تھا کسی آدمی کو بھیج کے آپ علی کو بلوا لیتے جیسا کہ ضرورت کیوقت آپ کسی صحابی کو بلوا لیتے تھے یا آپ اس طرح دعا کرتے کہ اے اللہ علی کو بھیجدے کیونکہ وہ تجھے تیری ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہے۔ لہذا آپ کو اس طرح دعا کرنے اور اس میں ابہام کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر آپ علی کا نام لے دیتے تو انس بھی اس فضول اُمید کرنے سے بچ جاتے اور نہ وہ علی کو روکنے کے لیئے دروازہ بند کرتے۔ اور اگر رسول اللہ کو یہ معلوم ہی نہ تھا تو پھر شیعی علماء کا یہ دعوے غلط ہو گیا کہ آپ اسے جانتے تھے۔

اسکے علاوہ شیعی علماء کی نقل کردہ روایت کے تو یہ الفاظ ہیں "کہ جو تیرے اور میرے نزدیک ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہو" تو کیا آپکو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ آپ کو ساری مخلوق سے زیادہ کون محبوب ہے۔

چھٹے۔ وہ حدیثیں جو صحاح میں ثابت ہیں اور جن کے صحیح ہونے پر تمام محدثین کا اجماع ہے اور جو سب کے نزدیک مقبول ہیں وہ اس حدیث کے بالکل خلاف ہیں لہذا یہ جھوٹی حدیث جسکے صحیح ہونے کے وہ قائل نہیں ہیں ان حدیثوں کا مقابلہ کیونکر کر سکتی ہے جنکی صحت پر سب کا اتفاق ہے۔

یہ سب امور بخاری اور مسلم کے دیکھنے والے کو بخوبی معلوم ہو سکتے ہیں جیسا کہ صحیحین میں حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "لو کنت متخذا من اھل الارض خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا" یہ حدیث مستفیض بلکہ محدثین کے نزدیک متواتر ہے۔ کیونکہ یہ صحاح میں بہت سے طریقوں سے مروی ہے مثلاً ابن مسعود۔ ابو سعید۔ ابن عباس اور ابن زبیر نے اُسے روایت کیا ہے اور یہ اس بارے میں صریح ہے

کہ تمام روئے زمین کے آدمیوں میں ابوبکر سے زیادہ حضور انور کو اور کوئی محبوب نہ تھا کیونکہ خلت جس سے لفظ خلیل مشتق ہے کمال محبت کا نام ہے اور یہ اللہ کے سوا اور کسی کے لائق نہیں ہے پس اگر یہ اور کسی کے لیئے ممکن ہوا اور ابوبکر کے سوا اور کوئی اس کے قابل نہ ہو تو معلوم ہوا کہ ابوبکر آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اسکے علاوہ صحیح حدیث میں ہے جب آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟ فرمایا عائشہ سے۔ اُس نے پوچھا اور مردوں میں؟ فرمایا ابوبکر سے۔ دوسری دلیل یہ ہے صحابہ کا ابوبکر سے یہ کہنا کہ آپ ہم سب میں بہتر اور ہمارے سردار اور رسول اللہ کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں عمر نے یہی الفاظ تمام مہاجرین اور انصار کے آگے کہے تھے لیکن کسی نے اس کے خلاف آواز بلند نہیں کی جس سے معلوم ہو گیا کہ یہ بات ان سب کے نزدیک مسلم تھی۔ دوسرے نبی کی محبت اللہ کی محبت کے تابع ہے یعنے جس سے اللہ کو محبت ہوتی ہے اُس سے رسول کو بھی ہوتی ہے۔ اب چونکہ ابوبکر اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں یہی رسول کو بھی سب سے زیادہ محبوب ہونگے۔ ہم اس کو مفصل طور پر گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں یہاں اسے مختصراً اسلیئے اور بیان کر دیا ہے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ پرند والی حدیث یقیناً موضوعات میں سے ہے۔

شیعی علماء کی آٹھوین حدیث

(بقول شیعی علماء) رسول اللہ نے سب صحابہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ سب کے سب علی کے امیر المومنین ہونے کو تسلیم کر لیں اور یہ فرمایا تھا کہ علی سید المرسلین۔ امام المتقین اور قائد المحجلین ہیں اور یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے بعد یہ ہر مومن کے ولی ہیں اور علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور علی ہر مومن مرد اور مومنہ عورت سے بہتر ہیں۔ پس ان اوصاف کی وجہ سے اکیلے علی ہی امام ہوئے اور یہ اوصاف اس بارے میں نصوص ہیں اور اس روایت پر جمہور کا اتفاق ہے۔ فقط

جواب

اسکا جواب بھی کئی طرح سے ہے۔ اوّل۔ اس کی اسناد اور صحت کا کہیں پتہ نہیں لگتا اور شیعی علماء نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا کہ یہ حدیث کہاں سے نقل کی گئی ہے۔ جمہور کا ہرگز اس پر اتفاق نہیں ہے نہ جمہور نے اسے روایت کیا ہے۔ یہ جمہور پر بہتان عظیم ہے۔ یہ حدیث کی مشہور کتابوں

ہیں سے کسی میں بھی نہیں ہے۔ نہ صحاح میں نہ مسانید میں نہ سنن میں نہ اور کسی میں اور اگر کسی نے یوں ہی اٹکل پچو کہیں نقل کردی ہو جیسا اُس جیسی اور روایتیں بھی نقل کی گئی ہیں تو اس حالت میں یہ ایسی حجت نہیں ہو سکتی جسکا اتباع کرنا باتفاق تمام مسلمانوں کے واجب ہو۔

اسے اچھی طرح سمجھ لو کہ خداوند تعالیٰ نے جھوٹ بولنا ہم پر حرام کردیا ہے اور یہ بھی کہ ہم ایسی بات کہیں جسکا ہمیں علم ہو۔ اور حضور انور سے متواتر مروی ہے کہ جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ بولا اُسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں کرے۔

دوسرے۔ یہ حدیث باتفاق تمام محدثین کے جھوٹ اور موضوع ہے جسے حدیث میں کچھ بھی معرفت ہے وہ اسکے جھوٹ اور موضوع ہونے کو معلوم کرسکتاہے۔

تیسرے۔ یہ حدیث اس قسم کی ہے کہ اُسے حضور انور کی طرف منسوب کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا روایت کرنے والا اس روایت کا خود ہی مصنف ہے۔ حضور انور جھوٹ سے بالکل منزہ اور مبرا ہیں۔ وجہ یہ ہے اور اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ سید المرسلین۔ امام المتقین۔ اور قائد المجلین تو حضور انور کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ کے بعد سب کے سردار علی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اسپر دلالت کرے بلکہ وہ الفاظ اس مذہب کے مناقص ہیں کیونکہ سب مسلمانوں متقیوں اور محجلین سے افضل وہ لوگ ہیں جو حضور کے زمانہ میں تھے حالانکہ حضور انور کے زمانہ میں آپ کے سوا نہ کوئی اُن کا سردار تھا نہ امام تھا نہ قائد تھے پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ آپ ایسی چیز کو بیان کریں جو ابھی تک وجود میں بھی نہیں آئی اور اسے چھوڑ دیں جس کی اُن حاضرین کو سخت ضرورت تھی۔ یعنے خود ان کا حال بیان کرنا۔

اسکے علاوہ قیامت کے دن تو قائد رسول اللہ ہونگے پھر علی کس کے قائد بنیں گے دوسرے یہ کہ شیعوں کے نزدیک تمام مسلمان محجلین کافر یا فاسق ہیں لہذا علی ان میں سے کس کے قائد رہیں گے۔

صحیح حدیث میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا تھا مجھے یہ تمنا ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ فرمایا تم تو میرے صحابہ ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو بعد میں دنیا میں آئیں گے۔ اسپر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی

اُمت کے وہ لوگ جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے آپ اُنھیں کیونکر پہچانیں گے فرمایا تم بتاؤ اگر کسی کے پچکلیان گھوڑے مشکی گھوڑوں میں ملے ہوئے ہوں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہ پہچان سکیں گے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ کیوں نہیں پھر حضور انور نے فرمایا تو بس قیامت کے دن میری امت کے آدمی وضو کی وجہ سے پچکلیان ہو کے سب سے علیحدہ معلوم ہونگے اور میں اُنھیں حوض کوثر پر ملونگا اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ جس نے وضو کیا اور اپنے مونہ ہاتھ اور پیر دھوئے وہ بیشک غر المجلین یعنے اُن پچکلیانوں میں سے ہے اور اس قسم کے سب لوگ ابوبکرؓ و عمرؓ کو مقدم کہتے ہیں۔ اب اسکے مقابلہ میں شیعوں کو دیکھا جائے وہ نہ پیروں کو نیچے سے دھوتے ہیں اور نہ ٹخنوں کو لہذا یہ مجلین میں سے کیونکر ہو سکتے ہیں اور جب کوئی غر المجلین نہ رہا تو علی پھر کس کے قائد ہونگے یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ حجلت پیروں کے اوپر کی سفیدی کو نہیں کہتے بلکہ حجلت پیروں کے سفید ہونے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح ہاتھوں میں خیال کر لیا جائے تو حجلت ہاتھوں اور پیروں کے سفید ہونے کا نام ہی اور جب کسی نے دونوں پیر ٹخنوں تک نہ دھوئے تو وہ مجلین میں سے کبھی نہیں ہو سکتا۔

اَب حضور انور کے بعد علی کی سرداری اُن کے امام اور قائد ہونے کی بحث ہے تو دراصل یہ بالکل غلط ہی کہ علی کو حضور انور کے بعد سب کا امام اور قائد سمجھا جائے اور اس کا غلط ہونا بالاضطرار معلوم ہو جاتا ہے۔ حضور انور نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ علی ابوبکر و عمر سے افضل ہیں بلکہ آپ ہمیشہ علی پر ابوبکر و عمر کو اسطرح فضیلت دیتے تھے کہ عام اور خاص سب کو معلوم تھا یہانتک کہ آپ کی اس بات سے مشرکین بھی آگاہ ہو گئے تھے چنانچہ جنگ احد کا واقعہ ہم پہلے کہیں لکھ چکے ہیں کہ مشرکین کے سردار ابو سفیان نے جب پکارا کہ تم میں محمد (صلعم) ہیں اور یہ الفاظ اُس نے تین مرتبہ دُھرائے تو اسپر حضور انور نے اپنے صحابہ کو حکم دیدیا کہ کوئی اس کا جواب نہ دو پھر اُس نے پکار کے کہا کہ تم میں ابن ابی قحافہ ابوبکر ہیں یہ آواز بھی اُس نے تین مرتبہ دی اُس کا جواب بھی سکوت سے ملا پھر اُسنے تین ہی دفعہ ابن خطاب کو پکارا۔ مطلب یہ ہی کہ مشرکین کے سردار نے سوائے محمدؐ ابوبکر و عمر کے چوتھے کا نام نہیں لیا کیونکہ وہ اور اُسکے ساتھ کل مشرک اس بات کو جانتے تھے کہ اسلامی خلافت کے سرغنہ یہی تین آدمی ہیں اور اسی سے اُسے قیام ہے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کل مشرکوں کے نزدیک یہ بات صاف طور پر ظاہر تھی کہ یہ دونوں محمدؐ کے وزیر ہیں اور یہی آپ کا کام انجام دیتے ہیں اور ان ہی کو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ

سب سے زیادہ خصوصیت ہے اور یہی اسلام کے اعلان کرنے میں سب سے زیادہ ہیں جب یہ کل حالات کفار تک کو معلوم تھے تو پھر مسلمانوں کو کس طرح نہیں معلوم ہو سکتے۔ اس قسم کی بہت سی حدیثیں متواتر ہیں اور جیسا کہ صحاح میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جب عمر کو کفنانے کے لیئے تختہ پر لٹایا گیا تو اُسوقت حاضرین کی عجیب کیفیت تھی کوئی اُن کی تعریف کرتا تھا کوئی اُن کے حق میں دعا کرتا تھا کہ اسی اثنار میں کسی نے پیچھے سے آکر میرے شانے پر ہاتھ رکھا میں نے پھر کے دیکھا تو وہ علی تھے اُسوقت اُنھوں نے عمر کیطرف خطاب کر کے کہا تمنے اپنے بعد ایسا کوئی آدمی نہیں چھوڑا جو تم سے زیادہ مجھے محبوب ہو اور مَیں اُس کے سے عمل کر کے اللہ کے حضور میں پیش ہوں قسم ہے اللہ کی میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ تمھیں اللہ تعالےٰ تمھارے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا اور اسکی وجہ یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں اکثر سنا کرتا تھا کہ تمھیں اور ابو بکر کو ہر بات میں اپنے ساتھ ہی بیان فرمایا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ متقدمین شیعہ جنہوں نے علی کا زمانہ پایا تھا ابو بکر و عمر کو علی پر فضیلت دیتے تھے۔ جہانتک ہماری تحقیق رستہ دیتی ہے سوائے کسی ملحد کے مسلمان نے تو اسمیں خلاف نہیں کیا۔ ہاں خلاف عثمان کے بارے میں بیشک ہوا کہ آیا علی افضل ہیں یا عثمان۔

اسی طرح شیعی علمار نے حضور انور کا جو یہ قول نقل کیا ہے کہ علی میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے یہ درحقیقت حضور انور پر بہت بڑا بہتان ہے۔ یہ بات یقینی ہے اور ہم اپنے سچے دل اور ایمان سے اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی زندگی میں ہر مومن کے ولی تھے ایسا اب بھی یعنی بعد وفات بھی ہر مومن کے ولی ہیں اور اسی طرح ہر مومن اپنی زندگی اور مرنیکے بعد بھی حضور انور کا ولی ہے پس وہ ولایت جو عداوت کی ضد ہے کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے ہاں وہ ولایت جسکے معنی امارت کے ہیں اسمیں بجائے ولی کے والی کا لفظ بولا جاتا ہے لہذا یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضور انور کا یہ فرمانا کہ علی میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے آپ پر نرا بہتان ہے کیونکہ اگر اس سے موالاۃ مراد ہے تو پھر بعدی کے کہنے کی ضرورت نہیں اور اگر اس سے امارت مراد ہے تو پھر والی کہنا چاہیئے تھا نہ کہ ولی۔

ہاں حضور انور کا علی سے یہ فرمانا کہ تم مجھسے ہو اور میں تم سے ہوں صحیح ہے اور حدیثوں میں بھی آیا ہے کہ یہ آپنے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا تھا اور یہ وہ موقع تھا کہ جب علی جعفر۔ اور زید بن حارثہ کا اس بات پر جھگڑا ہوا کہ امیر حمزہ کی لڑکی کس کے پاس رہے اور کون اسکی پرورش کرے تو حضور انور نے اُس لڑکی کو اسکی

خالہ کے سپرد کر دیا جو جعفر کے نکاح میں تھیں اور یہ فرمایا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے اسلیئے میں اُس لڑکی کو اس کے پاس رکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔ پھر آپ نے جعفر سے فرمایا کہ اشبہت خُلقی و خِلقی اور علی کو تسکین دینے کے لیئے یہ فرمایا کہ انت منی وانا منك اور زید سے فرمایا انت اخونا ومولانا۔

صحیحین میں یہ بھی مروی ہے کہ یہی الفاظ حضور انور نے شعر یمین وغیرہ اور بہت سے لوگوں کے حق میں فرمائے ہیں جس میں صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ یہ الفاظ امامت پر دلالت نہیں کرتے نہ جسکے حق میں یہ الفاظ کہے جائیں وہ سب صحابہ سے افضل ہو سکتا ہے۔

شیعی علماء کی نویں حدیث

(بقول شیعی علماء) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انی تارك فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی اهل بیتی ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض یعنی میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اُس سے تمسک رکھوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے وہ اللہ کی کتاب اور میری عترت میری اہل بیت ہیں اور یہ دونوں جبتک حوض کوثر پر نہ پہنچ لیں گے کبھی جدا نہ ہونگے۔۔

(پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) رسول اللہ نے فرمایا کہ تم میں میری اہل بیت مثل نوحؑ کی کشتی کے ہیں کہ جو اسپر سوار ہو گیا اُس کی نجات ہوگئی اور جو اُس سے رہگیا وہ غرق ہو گیا۔ یہ حدیث اسپر دلالت کرتی ہے کہ اہلبیت کے قول میں تمسک کرنا واجب ہے اور اہل بیت میں سب سے افضل علی ہیں پس اُنکی اطاعت ہر ایک پر واجب ہوئی لہذا وہی امام ہوئے۔ فقط

جواب

اسکے کئی جواب ہیں جنمیں سے ہم گزشتہ صفحات میں بعض جوابات نقل کر چکے ہیں بات اصل یہ ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ نہ کوئی چیز شریک ہو سکتی ہے اور نہ اُسمیں کسی چیز کے شریک کرنے کی ضرورت ہے۔ دین کامل ہو چکا ہے اور اُس کی خبر قرآن مجید میں مل چکی ہے۔ کیسے اہل بیت اور کیسی اُن کی عترت امت مرحومہ سوائے قرآن مجید کے اتباع کے ہرگز دوسری چیز کی مکلف نہیں ہے اور نہ قرآن مجید جیسی واضح اور روشن کتاب نے اس کا کہیں اشارہ کیا ہے۔ یہ ساری کمزور باتیں ہیں۔ مسلمان کو تو صرف قرآن مجید سے تمسک کرنا چاہیئے باقی نہ اسے کسی صحابی سے غرض ہے اور نہ کسی اہلبیت سے۔ تھوڑی دیر کے لیئے فرض کرو کہ اہل بیت اور صحابہ کو نسیاً منسیاً کر دیا جائے اور صرف قرآن مجید ہمارا دستور العمل رہے تو بتاؤ اسلام میں کچھ ضعف آسکتا ہے حاشا وکلا۔

ہرگز نہیں ۔ کبھی نہیں ۔ حضور انور کی پاک معاشرت پر غور کرنے اور قرآن مجید پر پورا تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور نے خاندانی لحاظ سے کوئی فضیلت کسی کو نہیں دی تھی نہ قرآن مجید میں سوائے اعمال حسنہ کے کوئی دوسرا معیار فضیلت وغیر فضیلت کا معلوم ہوتا ہے ۔ پھر کسطرح ممکن نہ تھا کہ رسول اللہ قرآن مجید کے ساتھ اہلبیت کو ملا دیتے اور اس طرح کلام خدا کی توہین کرتے ۔

غدیر خم والی حدیث کا بخاری نے کہیں بھی ذکر نہیں کیا ہاں صرف مسلم نے دوسرے الفاظ کیساتھ جن سے شیعی علماء کے الفاظ میں بہت بڑا فرق ہے اس حدیث کو لکھا ہے ۔ مگر خبر احاد کے احاطہ سے حدیث نہیں نکل سکی اور نہ بکثرت راویوں نے اسے روایت کیا ہے کہ یہ متواترہ روایتوں میں درجہ پا سکتی ۔ تو بھی ہم مسلم والی روایت کو نقل کر کے کچھ بحث کرتے ہیں ۔ مسلم میں تو یہ آیا ہے ۔ زید بن ارقم کہتے ہیں کہ مکہ مدینہ کے درمیان ایک تالاب پر جو غدیر خم کے نام سے مشہور ہے ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا "اے لوگوں تم جیسا میں بھی آدمی ہوں ۔ فرشتہ نہیں ہوں ۔ عنقریب میرے پروردگار کا قاصد موت کا پیغام لیکے میرے پاس آئیگا تو میں اس پیغام کو ضرور تسلیم کر لونگا اور میں تم میں دو وزن دار چیزیں چھوڑتا ہوں ان میں پہلی چیز کتاب اللہ کلام مجید ہے اسمیں ہدایت اور نور ہے تم اسے لو اور اسپر عمل کرو ۔ راوی کا قول ہے کہ اس کی آپنے بہت ترغیب دی ۔ پھر فرمایا کہ دوسری چیز میری اہلبیت ہیں میں اپنے اہلبیت کے حق میں تمھیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں"

اِن لفظوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ جس چیز کے تمسک کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور جس کا تمسک کرنیوالا کبھی گمراہ نہیں ہوتا وہ کتاب اللہ کلام مجید ہے ۔ اسی طرح اور حدیثوں میں بھی آیا ہے چنانچہ صحیح مسلم ہی میں حجۃ الوداع کے قصہ کو جابر سے روایت کیا گیا ہے کہ عرفہ کے دن جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا تو خطبہ ہی میں یہ فرمایا کہ میں تمھارے لیئے ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم اگر اس پر قایم رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ چیز اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے ۔ ا

اگر ہم مسلم کی پہلی روایت کو صحیح بھی مان لیں جب بھی ہمیں قرآن مجید کی نسبت جو کچھ الفاظ آئے ہیں وہ الفاظ اہل بیت کی نسبت نہیں ہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی امت سے اپنی اہلبیت کی سفارش کرتے ہیں اور وہ سفارش فقط یہی ہے کہ ان کی اصلی حالت سے انھیں نہ بڑھایا جائے اور نہ گھٹایا جائے ۔ دوسری ازواج پاک کو جو درحقیقت اہل بیت کا بہت بڑا جز ہیں امہات المومنین کا جو لقب دیا گیا ہے وہ مسلمانوں کی مائیں سمجھی جائیں اور ان کا یہ لقب عملی طور پر مسلمان تسلیم کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ ہر صدی اور ہر قرن میں قرآن مجید کو ہدایت اور نور سمجھا گیا ہے اسپر عمل کیا

گیا اور نبی کی کل بیویوں کو سب مسلمانوں نے اپنی سگی ماؤں کے برابر سمجھا اور اسمیں ذرا فرق نہیں آیا۔

باقی شیعی علماء نے جو عترت وغیرہ کا لفظ اپنی طرف سے بڑھایا ہی اور حوض کوثر کا ذکر کیا ہے یہ محض غلط اور بالکل غلط ہی صرف ترمذی نے اُسے نقل کیا ہی مگر جب امام احمد بن حنبل سے کسی نے اُسکے بارے میں دریافت کیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ یہ روایت ضعیف ہی۔ نہ صرف امام احمد بن حنبل نے بلکہ اور علماء نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہی اور اسکے صحیح ہونے سے صاف انکار کر دیا۔

اور باقی یہ قول کہ میرے اہل بیت مثل نوح کی کشتی کے ہیں اسکی کوئی سند صحیح نہیں ہی نہ حدیث کی معتبر کتابوں میں اس کا پتہ لگتا ہی اگر کسی ایسے شخص نے جسے موضوع حدیثیں نقل کرنے کا ملکہ ہے اس اٹکل پچو روایت کو نقل کیا ہو تو یہ قابل استدلال نہیں ہے۔

پھر عترت اور کتاب اللہ کی روایت کہ وہ ساتھ ساتھ رہیں گے کبھی علٰحدہ نہ ہونگے جبتک کہ وہ حوض کوثر پر نہ پہونچ جائیں۔ دیکھنی چاہیئے اسکے متعلق ہم یہ کہتے ہیں (۱) اسے صحیح تسلیم کرنے کے بعد حضور انور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا سچا ہونا سب کے نزدیک مسلم ہی اس سے یہ معلوم ہوا کہ عترت کا اجماع حجت ہی اور مسلمان علماء کی ایک جماعت نے بھی اسے تسلیم کیا ہے قاضی معتمد میں اسے نقل کرتا ہی مگر سوال یہ ہے کہ عترت تو سارے بنی ہاشم اولاد عباس۔ اولاد علی۔ اولاد حارث بن عبدالمطلب اور اولاد ابو طالب ہی۔ علی کسی طرح بھی اکیلے عترت نہیں ہو سکتے ہاں عترت کے سردار اور سب سے افضل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسکی تشریح اس سے ہوتی ہی کہ علمائے عترت مثلاً ابن عباس وغیرہ علی کے ہر قول میں اُنکی پیروی کرنے کو واجب نہیں کہتے اور نہ خود علی ہی اپنے ہر فتوے میں اپنی اطاعت لوگوں پر واجب کرتے تھے نہ کہیں آئمہ سلف میں کسی سے مشہور ہوا۔ اور نہ بنی ہاشم وغیرہ میں سے کسی نے کہا کہ علی کی اُن کے ہر قول میں پیروی کرنا واجب ہے۔

تیسرے یہ کہ عترت کا اجماع نہ کبھی علی کی امامت پر ہوا اور نہ افضلیت پر بلکہ آئمہ عترت مثلاً ابن عباس وغیرہ ابو بکر و عمر کو مقدم اور افضل کہتے اور سمجھتے تھے۔

چوتھے یہ اس دلیل کے معارض ہی جو اس سے بھی زیادہ قوی ہی اور وہ یہ کہ امت کا اجماع قرآن۔ حدیث اور اجماع تینوں سے حجت ہی اور عترت ساری امت کا ایک حصہ ہی پس امت کے اجماع ہونے سے عترت کا اجماع ہونا لازم آئیگا اور ساری امت سے افضل ابو بکر ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہی۔ ساتھ ہی جس فرقہ کا اجماع حجت ہو تو اسکے افضل کے قول کی پیروی کرنی واجب ہوگی اگرچہ وہ امام نہ ہو تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ

ابوبکر ہی امام ہیں اور اگر اسطرح ہونا واجب نہ ہو تو پھر علی کی امامت کی بابت جو کچھ اُنھوں نے بیان کیا ہی سب باطل ہو جائیگا۔ اصل یہ ہی کہ اس قول پر اس امت کے نبی کے بعد ابوبکر کو اس ساری امت کی طرف ایسی ہی نسبت ہے جیسی علی کو رسول اللہ کے بعد عترت کی طرف نسبت ہے۔

شیعی علما کی دسویں حدیث

(بقول شیعی علما) علی کی محبت اور موالاۃ کے واجب ہونے کو جمہور نے نقل کیا ہی امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کی ہی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حسن حسین کا ہاتھ پکڑ کے یہ فرمایا جو شخص مجھ سے اور ان دونوں سے اور ان کے والدین سے محبت رکھے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ایک درجہ میں ہوگا۔

(پھر شیعی علما فرماتے ہیں) ابن خالویہ نے ابن خذیفہ سے روایت کی ہی وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یاقوت کے اس قصبہ سے تمسک کرنا چاہے جسے اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہی پھر اُسے حکم دیا کہ ہو جا وہ ہو گیا تو اُسے چاہیئے کہ وہ میرے بعد علی سے ضرور محبت رکھے۔

(پھر شیعی علما گوہر افشانی کرتے ہیں) ابو سعید خذری کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علی سے فرمایا اے علی تمھاری محبت ایمان ہی اور تمھارا بغض نفاق ہی اور سب سے پہلے جنت میں وہی جائیگا جو تم سے محبت رکھے گا اور دوزخ میں وہی جائیگا جو تم سے بغض رکھے گا اور اللہ نے تمھیں اسکا اصل بنادیا ہی بس تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہی۔

(پھر شیعی علما ارشاد کرتے ہیں) شقیق بن سلمہ نے عبداللہ سے روایت کی ہی وہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ علی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ یہ میرا ولی ہی اور میں اس کا ولی ہوں جس سے یہ عداوت رکھے گا اُس سے میں بھی عداوت رکھونگا اور جس سے یہ راضی خوش رہیگا اُس سے میں بھی راضی خوش رہونگا

(پھر شیعی علما بیان کرتے ہیں) اخطب خوارزم نے جابر سے روایت کی ہی وہ کہتے ہیں رسول اللہ فرماتے تھے خداوند تعالیٰ کیطرف سے جبرئیل میرے پاس ایک سبز رقعہ لائے جسمیں سفید روشنائی سے یہ لکھا ہوا تھا کہ اے محمد میں نے علی کی محبت کو اپنی مخلوق پر فرض کردیا ہی لہذا یہ پیغام میری طرف سے اُن تک پہنچا دو۔

اور اس بارے میں مخالف لوگوں کی سندوں سے بھی اس قدر حدیثیں مروی ہیں جو شمار میں نہیں آسکتیں اور یہ علی کی فضیلت اور انکی امامت پر صاف دلالت کرتی ہیں جواب

سکے کئی جواب ہیں۔ اول یہ کہ ان روایتوں کی صحت بیان کرنی چاہیئے مگر یقیناً شیعی علما اس سے عاجز

ہیں وہ ہرگز ان روایتوں کی صحت بیان نہیں کر سکتے۔ اَب رہی امام احمد کی مسند وہ ان روایتوں سے خالی ہی بات یہ ہے کہ امام احمد نے صحابہ کے فضائل میں ایک کتاب ترتیب دی ہی اور اس میں بکثرت ضعیف حدیثیں نقل کر دی ہیں اور چونکہ امام موصوف جانتے تھے کہ یہ ضعیف حدیثیں ہیں اسلیئے اُنھوں نے اپنی کتاب مسند میں اُنھیں نقل نہیں کیا۔ امام احمد کے طرز کلام سے جب وہ صحابہ کے فضائل میں کوئی ضعیف حدیث نقل کرتے ہیں یہ صاف طور پر پایا جاتا ہی کہ وہ اسکو جتانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہی اور اسکے نقل کرنے کی یہی وجہ زیادہ تر معلوم ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ اُنکے صاحبزادہ عبداللہ نے بہت کچھ زیادتیاں کی ہیں اور اِدھر اُدھر سے موضوع اور ضعیف حدیثیں اکٹھی کر کے اپنے بیگناہ باپ کے سر چپیک دی ہیں۔ اسکے بعد عبداللہ کے شاگرد قطیعی نے تو غضب ڈھا دیا "پدر تمام نکرد و پسر تمام کند" کا مضمون ہوا۔ جو کچھ کوڑا کرکٹ بچا تھا وہ سب اسنے امام احمد کے سر پر پھینک دیا۔ یعنے تمام دنیا کی روایات کا انبار لگا کے امام احمد پر نثار کر دیا شیعی علمار کا تکیہ زیادہ تر اسی قطیعی کی روایتوں پر ہے جسکی بحث ہم اپنے گزشتہ صفحات میں بھی کر چکے ہیں ان کی عادت ہی کہ یہ عبداللہ اور قطیعی سے روایتیں نقل کر دیتے ہیں اور مشہور یہ کرتے ہیں یا بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ ہم امام احمد ابن حنبل سے روایتیں نقل کر رہے ہیں شیعی علمار نہیں جانتے کہ امام احمد کے شیوخ کون تھے اور قطیعی کے شیوخ کون تھے اور پھر تماشہ دیکھئے کہ جب یہ سمجھ لیتے ہیں کہ امام احمد نے اسے نقل کیا ہی تو بغیر تحقیق کیئے خود بخود اس کا یقین کر لیتے ہیں کہ امام احمد نے اپنی مسند میں اس کا ذکر کیا ہوگا۔ ایسی بہت سی حدیثیں موجود ہیں جو زبردستی امام احمد کے سر چپیکی گئی ہیں حالانکہ امام احمد نے اُنھیں سُنا تک بھی نہیں۔ ساری کارستانیاں ابن البطریق اور صاحب الطرائف وغیرہ کی ہیں۔

یہ تو آپنے جان لیا کہ شیعی علمار نے امام احمد کا نام زبردستی لے دیا ہی ان بیچارہ کی مسند ان روایتوں سے بالکل خالی ہی۔ اور اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ انہیں امام احمد نے روایت کیا ہی اور اُن کی مسند میں بھی یہ حدیث موجود ہی تو ہم کہتے ہیں خالی احمد بن حنبل کا نقل روایت کرنا واجب العمل ہونے پر تو کجا صحت پر بھی دلالت نہیں کرتا۔

اَب سُنیئے مذکورہ حدیثوں میں پہلی حدیث تو قطیعی کی زیادات میں سے ہی اسے قطیعی نے نصر بن علی جہنی سے اُس نے علی بن جعفر سے اور اُسنے اپنے بھائی موسیٰ بن جعفر سے نقل کیا ہی۔ دوسری حدیث کو ابن جوزی نے موضوعات میں ذکر کیا ہی اور اُسکے موضوع ہونیکو صاف بیان کر دیا ہی۔

باقی ابن خالویہ کی روایت باتفاق تمام علمار کے اس پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ حدیث صحیح ہی اسیطرح

اخطب خوارزم والی روایت ہے جسمیں ایسا نو ایجاد جھوٹ ہے جو باتفاق اہل علم کے موضوعات سے بھی قبیح تر ہے ابن خالویہ کی جتنی روایتیں ہیں وہ سب ایجاد بندہ میں داخل ہیں۔ ایسی ایسی باتیں اُس نے دماغ سے تراشی ہیں کہ العظمۃ للہ۔ اہل حدیث کے نزدیک اس کی سب روایتیں جھوٹ اور موضوع ہیں اہل معرفت یقیناً جانتے ہیں کہ یہ رسول اللہ پر نرا بہتان ہے اور یہ حدیث کی ان کتابوں میں سے کسی میں نہیں ہیں جو علما حدیث کے نزدیک معتبر اور معتمد ہیں نہ صحاح میں نہ مسانید میں نہ سنن میں نہ معجمات میں اور نہ اس قسم کی دوسری کتابوں میں غرض کہیں بھی ان کا نام ونشان نہیں ملتا۔ سوائے اسکے کہ ابن خالویہ کے دماغ سے نکلیں اور اس کے احباب نے اُنھیں اپنے دل میں جگہ دے لی اور بس۔ اسکے علاوہ ان روایتوں کے الفاظ میں غور وتدبر سے کام لو تمھیں صاف طور پر کھل جائے گا کہ یہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم پر نرا بہتان ہے۔ مثلاً یاقوت کے قصبہ کے تمسک کا قصہ دوسرا اللہ کے ہاتھ سے پیدا ہونے کی کہانی یہ ایسی باتیں ہیں جو اپنی آپ تردید کر رہی ہیں شیعی علماء کے کان میں یہ بات پڑی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے اور مٹی سے پیدا کر کے یہ فرمایا کہ ہو جا وہ ہو گئے تو اُنھوں نے آدم پر اس یاقوت کے قصبہ کو بھی قیاس کر لیا اور وہی کہانی یہاں بھی چسپاں کرنی چاہی جوڑ چاہے بیٹھے یا نہ بیٹھے وہ تو کھپانے اور زبردستی کھپانے کے لیئے تیار ہو گئے۔ کیسا یاقوت اور کیسا قصبہ یہ مشرقی فسانوں سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی باتیں ہیں۔ انھیں سچا ہی یقین نہ کرنا بلکہ ان پر ایمان لانا ایک حیرت انگیز تماشہ ہے جو چشم فلک نے بھی بہت کم دیکھا ہوگا۔

پھر ایسا ہی قصہ یہ ہے کہ علی سے بغض رکھنے والا سب سے پہلے دوزخ میں جائیگا یہ تو وہ بات ہوئی کہ کوئی کہدے کہ ابوبکر وعمر وعثمان سے بغض رکھنے والا سب سے پہلے دوزخ میں جائیگا۔

ہماری رائے میں صحابہ کے بغض اور محبت کو کسی کی نجات سے کچھ تعلق نہیں نہ اُن سے بغض رکھنے والا جہنمی ہے اور نہ اُن سے محبت رکھنے والا جنّتی۔ قرآن مجید میں ان باتوں کا مطلق ذکر نہیں ہے نہ ابوبکر سے غرض نہ عمر سے نہ عثمان وعلی سے جو کچھ اُنھوں نے کیا اپنے لیئے کیا ہم اُن کے اعمال کے جواب دہ نہیں ہیں اور نہ اُن کی بابت ہم سے کچھ دریافت کیا جائے گا۔ حضرت علی تو ایک طرف رہے خاص رسول اللہ کی محبت بھی کسیکو نجات نہیں دلوا سکتی۔ جب تک نیک اعمال نہ کیئے جائیں۔ قرآن مجید نے کوئی فیصلہ علی کے ایمان کے متعلق نہیں کیا ہے اور نہ اُن کا اتباع جائز رکھا ہے ہم تو کسی سے واقف نہیں ہیں۔ قرآن مجید ہدایت پانے کے لیئے بس ہے۔ اگر علی دنیا میں پیدا نہ ہوتے تو کیا کتاب اللہ اور

دین خدا میں کوئی نقص سمجھا تو بہ تو بہ ہرگز نہیں - ہم خدا پرست ہیں اور اسی پر ہمیں ناز ہے -

گرچہ خوردیم نسبتیست بزرگ ذرۂ آفتاب تابانیم

اب اس مسئلہ کے دوسرے پہلو پر خیال کرو کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ ابوجہل بن ہشام فرعون اور ابولہب سے پہلے خوارج دوزخ میں جائیں گے؟ ہرگز نہیں اور کبھی نہیں - یہ لوگ اللہ اور اللہ کے رسول کے دشمن تھے اور جنھیں تم خوارج کہتے ہو وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے دوست ہیں - جنت میں جانے کا سبب اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت ہے باقی کوئی نہیں - اس سے کوئی بھی ہوشمند انسان انکار نہیں کر سکتا کہ علی کی محبت کو سعادت اور شقاوت سے ایسا ہی تعلق ہے جیسا ابوبکر - عمر - عثمان اور معاویہ کی محبت کو -

شیعی علماء کی گیارھویں حدیث

(بقول شیعی علماء) اخطب خوارزم نے بالاسناد ابوذر غفاری سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جو شخص علی کی خلافت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول کا مخالف ہے اور جسے علی میں شک ہو وہ بھی کافر ہے -

(پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) انس کہتے ہیں میں ایک دن رسول اللہ کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے علی کو آتے ہوئے دیکھ کے فرمایا قیامت کے دن میں اور یہ اپنی امت پر اللہ کی حجت ہونگے معاویہ بن حیدۃ القشیری کہتے ہیں میں نے رسول اللہ سے سُنا ہے آپ علی سے فرماتے تھے کہ جو شخص تم سے بغض و عداوت رکھنے کی حالت میں مر جائے تو وہ یہودی ہو کے مرے گا یا نصرانی ہو کے -

جواب

وہی حضرت اخطب خوارزم صاحب یہاں بھی تشریف رکھتے ہیں جن کی مدح سرائی اوپر ہو چکی ہے اس نقل کی صحت پہلے بیان کرنی چاہیئے مگر ہم اپنے یقین اور ایمان سے جانتے ہیں کہ شیعی علماء اس نقل کی صحت بیان کرنے میں عاری ہیں - اسکے علاوہ فقط خطیب خوارزم کا نقل کر دینا اس کی ہرگز دلیل نہیں ہو سکتا کہ یہ حدیث ثابت ہے - یہ بھی اُس وقت ہے جب تک اس کا علم نہ ہو کہ حضرت نے اپنی عمر میں شاید ایک صحیح روایت بھی نقل نہیں کی - معمولی عقل و علم کا شخص بھی اگر اسکی کتاب کو دیکھیگا تو بیساختہ یہ کہہ اُٹھے گا - "سبحانك هذا بهتانٌ عظيم"

دوسرے جو لوگ حدیث سے واقف ہیں وہ سب اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ حدیثیں بالکل جھوٹ اور حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر نرا بہتان ہیں۔

تیسرے اگر ان حدیثوں کو صحابہ اور تابعین نے روایت کیا ہی تو وہ کس جگہ۔ کس کتاب میں مذکور ہی کہ ان حدیثوں کو فلاں فلاں صحابی اور فلاں تابعی نے روایت کیا ہے نہیں بلکہ جو شخص اُنکے احوال اور اُن کے معاملات سے پُورا پُورا واقف ہی وہ یقینًا جانتا ہی کہ یہ حدیثیں اُن کے بعد جھوٹے لوگوں نے گھڑ لی ہیں ورنہ سلف میں اُن کا کہیں پتہ نہیں ہی۔

چوتھے۔ ہمارا یہ جاننا کہ مہاجرین اور انصار بے شک مسلمان تھے وہ اللہ سے اور اللہ کے رسول سے دلی محبت رکھتے تھے اور رسول کو اُن سے دلی محبت تھی ان حدیثوں کے جاننے سے بدرجہا زیادہ ہی اور یہ بھی کہ رسول اللہ کے بعد ابو بکر ہی امام ہیں اب یہ کیونکر ہو سکتا ہی کہ جو علم ہمیں متواتر یقینی حدیثوں سے ہوا ہے وہ ایسی حدیثوں سے جاتا رہی جو بہت ہی ادنٰے درجہ کی اور اس قابل بھی نہوں کہ اُنھیں اخبار احاد بھی کہا جائے چہ جائے کہ ان پر متواتر کا اطلاق ہو۔ نہ اُن کا نقل کرنے والا کوئی سچا معلوم ہو بلکہ تمام محدثین اسپر متفق ہوں کہ یہ حدیثیں سب جھوٹی حدیثوں سے بڑھ چڑھ کے جھوٹی ہیں اور یہی وجہ ہی کہ ان میں سے ایک حدیث بھی حدیثونکی کسی معتبر کتاب میں نقل نہیں ہوئی بلکہ سب ائمہ حدیث اُنکے جھوٹ ہونے پر کامل یقین رکھتے ہیں۔

پانچویں۔ ان حدیثوں کے خلاف قرآن مجید کی صاف صاف شہادت موجود ہے کہ خداوند تعالیٰ اُن لوگوں سے راضی ہی اور اُنکی تعریف کرتا ہے جنھیں مذکورہ روایتیں کافر و جہنمی بناتی ہیں مثلًا قرآن مجید شہادت دیتا ہی " والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ " پھر فرمایا لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللّٰہ الحسنٰی۔ پھر فرمایا محمد رسول اللّٰہ والذین معہٗ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعًا سجدًا یبتغون فضلًا من اللّٰہ ورضوانًا۔ پھر فرمایا۔ لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ پھر فرمایا۔ للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلًا من اللّٰہ ورضوانًا اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں۔ پس ہمارا ایسا علم جس پر قرآن کی یقینی دلالت ہو ایسی مفتریات حدیثوں سے کیونکر رد ہو سکتا ہے جنھیں ایسے شخص نے روایت کیا ہو کہ نہ اُسے خوف خدا ہے نہ دنیا کی شرم۔

چھٹے۔ اگر غور سے دیکھو گے تو یہ حدیثیں خود علی ہی میں نقص پیدا کرنے کے لیئے سب سے زیادہ ہونگی

اور یہ معلوم ہو گا کہ علی اللہ اور اللہ کے رسول کو جھوٹا سمجھتے تھے۔ مثلاً ان حدیثوں کے صحیح ہونے سے سب صحابہ کا کافر ہونا لازم آتا ہی خواہ علی ہوں یا اور کوئی ہوں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جن لوگوں نے علی کی خلافت کا انکار کیا وہ اس مفتریٰ حدیث کی رُو سے سب کے سب کافر ہیں لیکن خود علی نے ان نصوص کے بموجب ذرا عمل نہیں کیا بلکہ وہ ان لوگوں کو مومن اور مسلمان ہی کہتے اور سمجھتے رہے۔ اس سے بھی زیادہ تو علی کے دشمنوں یا مقاتل میں سب سے زیادہ خوارج تھے مگر علی نے اُن پر بھی کبھی کفر کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ اُن کا مال لوٹنا اور انھیں قید کرنا حرام کر دیا۔ اُن کے قتال کرنے سے پہلے علی اُن سے کہا کرتے تھے کہ ہم پر تمھارا یہ حق ہی کہ ہم تمھیں اپنی مسجدوں میں آنے سے نہ روکیں اور نہ اپنی غنیمت میں سے تمھارا حق رکھیں۔ پھر ابن ملجم کے قتل کرنے پر آپ نے یہ فرمایا تھا، "اگر میں زندہ رہا تو اپنے خون کا خود ہی مختار ہوں" اپنے قتل کر دینے پر بھی آپنے ابن ملجم کو کافر نہیں کہا۔

اہل جمل کی بابت متواتر مروی ہی کہ آپنے انکے قیدی کو قتل کرنے۔ ان کا مال لوٹنے اور اُنکے بال بچوں کو قید کرنے سے صاف منع کر دیا تھا اب اگر ان نصوص کی وجہ سے یہ لوگ کافر تھے تو ان نصوص کی سب سے زیادہ تکذیب خود علی نے کی لہٰذا اس سے لازم آتا ہے کہ علی کافر ہوں (حالانکہ ہم ایسا نہیں سمجھتے)۔

علی نے دھڑتے سے ان مقتولین کے جنازوں کی نمازیں پڑھی ہیں جو آپکے مقابلہ میں مارے گئے تھے آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے ہمارے بھائی ہم سے باغی ہو گئے تھے مگر تلوار نے انھیں پاک کر دیا اگر یہ لوگ علی کے نزدیک کافر ہوتے تو آپ اُن کے جنازہ کی نماز کیونکر پڑھا سکتے تھے اور نہ اُنھیں اپنا بھائی کہتے نہ اُنھیں تلوار سے پاک کرتے کیونکہ کافر تو تلوار سے پاک نہیں ہوا کرتے۔

خلاصہ یہ ہی کہ علی کی عادت اور معاملات سے ہم بالاضطرار یہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے مقاتلین کو کافر نہیں سمجھتے تھے بلکہ نہ وہ جمہور مسلمین نہ خلفاء ثلٰثہ نہ حسن نہ حسین نہ علی بن حسین نہ ابو جعفر کسی کو بھی کافر نہیں جانتے تھے۔ پس اگر یہ سب لوگ کافر تھے تو سب سے پہلے شیعی نصوص کا خلاف کرنے والے علی بنتے ہیں جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں۔ فرض کرو کوئی شخص یہ کہے کہ ان میں جنگ کرنے کی طاقت نہ تھی تو بھی یہ خوارج کی طرح اتنا ضرور کر سکتے تھے کہ دار الاسلام کو چھوڑ کے کہیں اور جا کے آباد ہو جاتے اور دار الاسلام میں بسنے والوں پر کافر اور مرتد ہونے کا حکم کر دیتے جیسا کہ شیعی علما کے اکثر شیوخ ایسا کر چکے ہیں خیال تو کیجیے جب علی نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لیا تھا کہ یہ کفار ایمان نہیں لاتے تو آپ پر فرض تھا کہ اپنے اور اپنے شیعوں کے لیے

کوئی اور شہر بسا لیتے اور اُن کفار اور مرتد لوگوں کے شہر کو چھوڑ دیتے جیسا کہ مسلمانوں نے مسیلمہ کذاب اور اُس کی پیروی کرنے والوں کے شہر کو چھوڑ دیا تھا۔ خود حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خیال کرو کہ جب مشرکین مکہ نے آپ کو سخت تکلیف دی اور مسلمانوں کو حد سے زیادہ ستایا تو آپ نے اپنے وطن کو چھوڑ کے مدینہ میں قیام کر لیا اور آپنے اور آپکے ساتھ کل مسلمانوں نے ایسی علیحدگی ظاہر کی تھی کہ ہر شخص مسلم اور کافر کو اچھی طرح پہچان سکتا تھا اسی طرح وہ لوگ ہیں جنھوں نے حبشہ ہجرت کی تھی۔

خیال تو کیجیے کہ ان شیعی نصوص سے یہ پایا جاتا ہے کہ جس شخص کو علی کی خلافت میں ذرا بھی شک ہو تو وہ علی اور اہل بیت کے نزدیک کافر ہے اور سوائے اُس شخص کے کوئی مومن نہ ہو جو رسول اللہ کے بعد علی کے امام اور معصوم ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو مگر جسکا یہ عقیدہ نہ ہو وہ اُنکے نزدیک مرتد ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے دین خداوندی کو علی ہی نے بدلا ہے کیونکہ اُنھوں نے مومنین سے کفار کو علیحدہ نہیں کیا اور نہ مرتدین کو مسلمانوں سے الگ کیا۔

اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ علی اُن سے جنگ کرنے اور انھیں اپنے قابو میں لانے سے عاجز تھے تو اُن سے خود علیحدہ ہو جانے سے تو ہرگز عاجز نہ تھے نہ آپ اُن خوارج سے زیادہ عاجز تھے جنکی آپکے لشکر کے مقابلہ میں بہت ہی چھوٹی سی جماعت تھی حالانکہ خوارج نے اُنکے شہر کو چھوڑ کے اپنا ایک شہر علیحدہ آباد کر لیا تھا اور جیسا اُنھوں نے دوسرے مسلمانوں کو کافر کہا تھا وہ اپنے اس عقیدہ اور قول کے مطابق اُن سے علیحدہ بھی ہو گئے تھے اور وہ اپنے ہی آدمیوں کو مومن سمجھتے اور انھیں مسلمان کہتے تھے۔

خیال تو کیجیے کہ حسن بن علی کے لیئے یہ کس طرح حلال ہو گیا تھا کہ انھوں نے اسلامی سلطنت ایک ایسے شخص کے حوالہ کر دی جو شیعی علماء کے قول کے مطابق نہ صرف مرتدین میں تھا بلکہ یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر تھا کوئی شخص بھی جسکا اللہ اور روز قیامت پر ایمان ہو ایسا کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایک دفعہ نہیں بلکہ ہزار بار وہ جان دیدیتا مگر ایسا سفاکانہ کام کہ امت مرحومہ اور سلطنت اسلامیہ ایک مرتد اور کافر کو سپرد کر دے کبھی نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ اسکے علاوہ وہاں تو یہ بات ہی نہیں تھی حضرت علی کے قتل ہونے پر معاویہ نے حسن کو لکھا آپ کی کیا مرضی ہے جو کچھ منشار ہو اُس کا اظہار کر دیجیے مجھے کسی طرح بھی عذر نہیں ہے۔ آپ اپنے باپ علی کے قائم مقام ہو کے کوفہ کو اپنا پائے تخت قرار دے سکتے تھے۔ امیر معاویہ کبھی اُن سے جنگ نہ کرتے نہ اُن کا جنگ کرنے کا ارادہ تھا نہ اُنھوں نے جنگ کی۔

پھر حضور انور کا یہ قول دیکھنے کے قابل ہے کہ آپ نے اپنے بڑے نواسہ امام حسن کے متعلق یہ فرمایا تھا۔

ان ابنی ھذا سید وسیصلح اللہ بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین یعنی یہ میرا بیٹا سید ہے اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں عنقریب صلح کرائے گا۔ وہ قول کہ حسن نے مسلمین اور مرتدین

میں صلح کرائی تھی سونہ کے بل گر پڑتا ہے کیونکہ معاذ اللہ حضور انور پر حرف آتا ہی کہ آپنے ایک جماعت کی نسبت مسلمین کہا اور دوسری کو مرتدین کیوں نہ کہا کوئی مسلمان بھی اسے گوارا نہیں کریگا کہ حضور انور پر یہ بہتان عظیم اُٹھائے ادھر حسن کی بھی کچھ تعریف نہیں ہوتی کہ وہ دو جماعتوں میں جن میں ایک مرتدین کی ہی اور ایک مسلمین کی صلح کے محرک ہوئے بلکہ صلح کرادی۔ یہ سخت غضبناک الزام ہی جو امام حسن جیسے سچے مسلمان پر لگایا جاتا ہے یہ ہے اہل بیت پر فدائیت اور یہ ہے اُن کی عزت۔

شیعی علمار کا دعوٹی ہی کہ امام معصوم اللہ کی طرف سے بندوں پر لطف وعنایت ہی کیونکہ امام کا ایسا ہونا بندوں کے مطیع بننے کے لیئے اعلی درجہ کا سبب ہو جاتا ہی یعنے اُسکے بعد وہ قابل رحمت ہو جاتے ہیں۔

اِس عجیب وغریب قول کے تسلیم کرنے کے بعد جو خوفناک نتائج اس سے مستنبط ہوتے ہیں وہ قابل دید ہیں منجملہ دیگر نتائج کے ایک بڑا نتیجہ یہ ہی کہ روئے زمین پر علی کا ہونا ایک بہت بڑی مصیبت ہے کیونکہ جنھوں نے ان کی مخالفت کی وہ تو مرتد ہو کے کافر بن گئے اور جنھوں نے موافقت کی وہ سب سے زیادہ ذلیل وقمہور رہے نہ اُن کے ہاتھ ہیں نہ زبان ہی یعنے نہ ہاتھ سے کچھ کرسکتے ہیں نہ زبان سے کچھ کہہ سکتے ہیں اسپر بھی اِس کہنے سے باز نہیں آتے کہ علی کے پیدا کرنے میں ایک بڑی مصلحت اور رحمت ہی۔ اور خدا پر واجب تھا کہ وہ علی کو ضرور پیدا کرتا بغیر علی کے ہوئے دین و دنیا کی کوئی مصلحت پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ عجیب۔

بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیں کہ جو شخص علی سے بغض رکھنے کی حالت میں مرجائے تو وہ یہودی یا نصرانی ہو کے مریگا۔ جبکہ خود حضرت علی نے خوارج کو جو متفق اللفظ انکو کافر کہتے اور آپسے دلی بغض رکھتے تھے کبھی یہود و نصارٰی کی مثل نہیں ٹھیرایا بلکہ اُنھیں مسلمان اور اہل قبلہ قرار دیا اور اُن میں اُسکے خلاف حکم کیا جو آپ یہود و نصارٰی کے درمیان کرتے تھے۔

خیال کیجے کہ جو شخص پانچوں وقت کی نماز پڑھے رمضان کے روزے رکھے بیت اللہ کا حج کرے اور زکوٰۃ ادا کرے وہ یہود و نصارٰی کی مثل کس طرح ہو سکتا ہی۔ زیادہ سے زیادہ یہ نکل سکتا ہی کہ علی کا امام ہونا اُسے معلوم نہ ہوا یا معلوم ہونے پر وہ اس کا مخالف ہو گیا ہو لیکن یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اہل دین اور جمہور کو علی سے کوئی غرض نہیں ہے نہ رسول کی تکذیب کرنے میں ان کا کوئی فائدہ ہی اگر اُنھیں یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ علی کو رسول اللہ نے امام کر دیا تھا تو یہ اُسکی تصدیق کرنے میں سب سے مقدم رہیں۔ انتہا درجہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ حکم اُنھیں معلوم نہ ہوا تھا تو دین کا صرف ایک مسئلہ کسی سے پوشیدہ

اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ شخص یا وہ جماعت مثل یہود و نصاریٰ کے ہے۔ یہاں ہمارا مقصود بحث کرنے کا نہیں ہے بلکہ اس امر پر تنبیہ کرنی ہے کہ شیعی علماء کی ان حدیثوں کو دیکھنے سے بالاضطرار معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم پر یقینی بہتان ہے اور یہ حدیثیں دین اسلام کے بالکل خلاف ہیں اور ان سے خود علی کی تکفیر نکلتی ہے۔ ہم حضرت علی کو جو کچھ سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ ایک دیندار مسلمان تھے اور مثل دیگر صحابہ کے حضور انور آپ پر بھی نظر التفات رکھتے تھے۔ آپ کا ظاہر و باطن یکساں تھا اور آپ مثل اور حجازی عربوں کے نہایت بہادر اور دلیر تھے خوارج جو آپ کو کافر مطلق کہتے ہیں اسیطرح دوسرے گروہ کے لوگ جنہوں نے آپ کو نبی سے ملا دیا ہے دروغ گو ہیں۔ رسول اللہ نے آپ کو امام نہیں بنایا نہ آپ نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ مجھے رسول اللہ امام بنا گئے ہیں۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت تھی کہ آپ امام نہیں بنائے گئے کیونکہ آپ میں انتظامی قابلیت کی کمی تھی کہ آپ کا کوئی مقرر کردہ گورنر آپ کا مطیع ہو کے نہیں رہا۔ دوسری کمی یہ تھی کہ آپنے اپنے نالایق رشتہ داروں کو بڑے بڑے اور ذمہ داری کے عہدے سونپ دئے تھے چونکہ انتظامی مادہ آپ میں بہت کم تھا آپ دوسرے کی قابلیت کا بھی موازنہ نہیں کر سکتے تھے۔ آپ کے مقرر کردہ گورنروں یا عاملوں کو آخور کہنا بیجا نہ ہوگا کیونکہ نہج البلاغت میں جو شیعی علماء بڑے فخر سے آپکی طرف منسوب کرتے ہیں حضرت کے روتے پیٹنے کی داستانیں بھری ہوئی ہیں کہ فلاں عامل بیت المال کا روپیہ اُڑا رہا ہے اور فلاں نے اڑانے کے لیئے سینکڑوں لڑکیاں محل میں بھر لی ہیں اَبْ کیا تو اپنی حالت سنبھالو ورنہ جہاد کرونگا نہ حالت درست ہوئی اور نہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کو گورنریوں سے علیحدہ کیا۔ زاہد تھے عابد تھے متقی تھے۔ سب کچھ تھے مگر جہانداری کا دماغ خدا نے آپ کو نہیں بخشا تھا۔ آپ بالکل مجبور تھے اچھا کیونکر پیدا کر سکتے تھے حضرت فاروق اعظم تو ایک طرف انتظامی قابلیت میں تو امیر معاویہ سے بھی آپ کو کوئی نسبت نہ تھی۔ کیونکہ امیر معاویہ کی جہانداری اور ملکی انتظام کی قابلیت کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ آپ کی رعایا آپسے انتہا درجہ خوش تھی اور فوج تو آپ پر جان فدا کرتی تھی یہانتک کہ خود حضرت علی رضی نے تعریف کی ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر امیر معاویہ اسبات پر راضی ہو جائیں کہ ایک سپاہی کے بدلہ کوئی سپاہی لے لیں تو مَیں اس تبادلہ پر بہت خوش ہوں گا۔ ہر مقام پر جو اُنھوں نے اپنے فوجی کو بُرا بھلا کہا ہے۔ اس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ خود اپنی ہی فوجوں کو اپنے قابو میں رکھنے کی

قابلیت آپ میں نہ تھی - یہ ساری باتیں بطور مشاہدہ کے ہیں [illegible] کوئی بھی انکار نہیں کر سک[illegible]

اس زمانہ میں سچی سچی باتیں کہنے والا بُرا لگتا ہے اور لوگ اپنے [illegible] اندھا دھند جو چا[illegible] اُس کی نسبت کہہ گزرتے ہیں مگر عقلمند سمجھتے ہیں کہ یہی سچی باتیں عین اسلا[illegible] فی الحقیقت کسی [illegible] بھوں چڑھانے سے اصل واقعات پر پردہ نہیں پڑ سکتا -

ہمارے دل میں حضرت علی کی اتنی ہی محبت ہے جتنی ایک پاک اور صاد[illegible] ان کی ہو[illegible] ہم اُنھیں ایک راستباز مسلمان سمجھ کے اُن کی عزت کرتے ہیں مگر ساتھ ہی اُن کمزو[illegible] ہیں جو فطری طور پر ان میں ودیعت ہوئی تھیں - وہ شیر دل تھے - جانباز تھے - حضور انو[illegible] علیہ وسلم کے فدائی تھے سب کچھ تھے مگر امامت اور خلافت کے لیئے ان کا دماغ قدرت کی طرف [illegible] نہیں بنایا گیا تھا - وہ اچھے مشیر بننے کی ایک حد تک قابلیت رکھتے تھے مگر حکومت کرنے کا ما[illegible] پیدا ہی نہیں ہوا تھا - چنانچہ اسکا اقرار خود حضرت علی نہج البلاغۃ میں کرتے ہیں کہ تم کہ بہ نسبت خلیفہ کے میں وزیر ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں - مطلب یہ ہی کہ اپنی قابلیت کا احساس خود حضرت علی کو [illegible] آپ چونکہ راستباز تھے اس لیئے اپنی کسی کمزوری کو چھپاتے نہ تھے -

ضمیمہ مقدمہ دوم یہاں ختم ہوتا ہے - جس تحقیق اور انصاف سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے
پڑھنے والا بالاضطرار اسکی داد دے گا - کوئی بات ایسی تحریر نہیں کی گئی جس کی
بنیاد کمزور ہو یا اُس کا کچھ جواب ہو سکے - ہاں یہ مجھے دعوےٰ ہے
کہ جو کچھ لکھا گیا ہے بے کم و کاست سب سچا ہے اور
تمام شیعی دنیا ملکے بھی کسی ایک بات کی معقول
تردید نہیں کر سکتی -
انشاء اللہ
فقط

ضمیمہ مقدمہ دوم ختم ہو گیا